کشمیر کے آتش فشاں

کشمیر کے شاہین

اے حمید

تابوت کے اندر ایک عورت کا کٹا ہوا سر تھا۔

یہ کٹا ہوا سر ایک طشت میں رکھا ہوا تھا..... طشت میں خون ہی خون تھا..... عورت کی آنکھیں بند تھیں..... نیلے ہونٹ آہستہ آہستہ ہل رہے تھے..... کمانڈو شیر خان نے اس قسم کا ڈراؤنا منظر پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا..... اس نے جلدی سے تابوت بند کر دیا..... جلتی ہوئی موم بتی اٹھائی اور ویران قلعے کے اس آسیب زدہ کمرے سے نکل کر سنسان راہداری میں سے گزرتا ہوا اس چھوٹے سے کمرے میں آ گیا جہاں مجاہد شاہد علی دیوار سے ٹیک لگائے اُونگھ رہا تھا..... جھروکے میں سے بارش کے درختوں پر گرنے کی ہلکی ہلکی پراسرار آواز آ رہی تھی..... ہوا اور تیز بارش کا طوفان گزر چکا تھا..... اب صرف ہلکی ہلکی بارش ہو رہی تھی..... جھروکے کے باہر جنگل میں اندھیرا ہی اندھیرا تھا..... کمانڈو شیر خان کے قدموں کی آہٹ سے شاہد علی نے چونک کر دیکھا..... شیر خان نے موم بتی فرش پر لگا دی..... ان کا گائیڈ مجاہد بشیر علی قریب ہی فرش پر گہری نیند سو رہا تھا..... شیر خان مجاہد شاہد علی خان کے پاس بیٹھ گیا..... شاہد علی نے پوچھا۔

"یہ موم بتی تمہیں کہاں سے ملی؟"۔

شیر خان بولا۔

"ایک تابوت کے پیچھے پتھر کی چوکی پر پڑی تھی"۔

"تابوت؟" شاہد علی نے حیرانی سے پوچھا..... "یہ تابوت یہاں کہاں سے آ گیا؟"۔

کمانڈو شیر خان نے اسے ساری کہانی سنادی..... یہ آسیب زدہ کہانی سننے کے بعد مجاہد شاہد علی مسکراتے ہوئے بولا۔

"بھائی شیر خان! لگتا ہے تم نے غنودگی کے عالم میں چلتے ہوئے کوئی خواب دیکھا ہے"۔

کمانڈو شیر خان نے کہا۔

"ہم لوگ خواب کی دُنیا میں نہیں حقیقت کی دُنیا میں رہتے ہیں..... اگر تمہیں میری بات کا یقین نہیں آتا تو چل کر خود اپنی آنکھوں سے وہ سب کچھ دیکھ لو جو میں نے تمہیں بتایا ہے"۔

مجاہد شاہد کہنے لگا۔

"اس وقت ہمیں کوئی کام تو ہے نہیں..... چلو تھوڑی دیر کے لئے چل کر یہی تماشہ دیکھتے ہیں"۔

شیر خان نے موم بتی پکڑلی اور راستہ دکھاتا شاہد علی کو اس کمرے میں لے آیا جہاں اس نے تابوت کے اندر کسی عورت کا کٹا ہوا سر دیکھا تھا..... تابوت اسی طرح چبوترے پر پڑا تھا..... کمانڈو شیر خان نے کہا۔

"یہ وہ تابوت ہے جس کے اندر ایک عورت کا کٹا ہوا سر طشت میں پڑا ہے..... تم خود تابوت کھول کر دیکھ لو"۔

توہمات اور ڈر خوف سے کمانڈو مجاہد شاہد علی کا دل بھی پاک تھا..... اس نے فوراً آگے بڑھ کر تابوت کا ڈھکنا کھول کر اندر جھانک کر دیکھا اور ہنس کر بولا۔

"کہاں ہے عورت کا کٹا ہوا سر؟ یہاں تو کسی مردے کی ہڈیوں کے سوائے اور کچھ بھی نہیں ہے"۔

اب کمانڈو شیر خان نے بھی جھک کر دیکھا..... واقعی تابوت میں سوائے مردے

کی ہڈیوں کے اور کچھ بھی نہیں تھا..... عورت کا کٹا ہوا سر بمع طشت کے غائب تھا.....

شیر خان نے حیرت سے کہا۔

"یقین کرو شاہد بھائی! میں نے عورت کا کٹا ہوا سر اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے"۔

شاہد علی بولا۔

"تو پھر کہاں چلا گیا؟"۔

یہ کہہ کر مجاہد شاہد علی نے تابوت بند کر دیا اور بولا۔

"یہ تمہارا وہم بھی ہو سکتا ہے..... آئیں اپنے کمرے میں چل کر کچھ دیر آرام کرتے ہیں..... صبح ہونے والی ہے..... ہمیں واپس جھانسی بھی جانا ہے"۔

کمانڈو شیر خان نے سر کھجاتے ہوئے دل میں سوچا کہ ہو سکتا ہے یہ اس کا وہم ہی ہو اور اس کے نیم خوابیدہ تھکے ہوئے ذہن نے اسے تابوت کے اندر کسی عورت کا سر دکھادیا ہو..... بہر حال اس کے پاس اس قسم کی توہماتی اور غیر فطری باتوں پر غور کرنے کے لئے نہ تو وقت تھا اور نہ یہ اس کے مجاہدانہ کمانڈو مزاج کے مطابق ہی تھیں.....

دونوں تابوت والے آسیب زدہ کمرے سے نکل کر اپنے ٹھکانے کی طرف چلنے لگے۔

جب وہ پرانے قلعے کے اس آسیب زدہ تابوت والے کمرے سے نکل رہے تھے تو عین اس وقت تابوت کے پاس ایک عورت کا ہیولا نمودار ہوا..... عورت نے دلہنوں والا ریشمی لباس پہن رکھا تھا..... اس نے کمانڈو شیر خان اور شاہد علی کو آسیب زدہ کمرے سے باہر جاتے دیکھا..... ایک ہلکی سی آہ بھری اور غائب ہو گئی۔

قلعے کی دوسری منزل والے چھوٹے کمرے میں آکر شیر خان اور شاہد علی پراسرار تابوت کے بارے میں باتیں کرنے لگے..... شیر خان بولا۔

"تم مانو چاہے نہ مانو، مگر یہ قلعہ آسیب زدہ ہے"۔

مجاہد شاہد علی بولا۔

"بھائی! اس قسم کے پرانے سبھی قلعے آسیب زدہ ہوتے ہیں..... ہوتے ہیں تو

ہوتے رہیں..... ہمیں کیا؟"۔

شیر خان کہنے لگا۔

"شاہد بھائی! مجھے اب بھی یقین ہے کہ میں نے اپنی ان آنکھوں سے تابوت کے اندر ایک عورت کا کٹا ہوا سر دیکھا ہے"۔

شاہد علی نے کہا۔

"بھائی دیکھا ہے تو ہمیں اس سے کیا لینا دینا..... تم یہ بتاؤ کہ واپس نکلنے کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے..... میرا تو خیال ہے کہ دن نکلنے والا ہے ہمیں یہاں سے چل پڑنا چاہئے"۔

کمانڈو شیر خان نے جھروکے میں سے باہر نگاہ دوڑائی..... ابر آلود آسمان پر سحر کی دھیمی دھیمی سفیدی جھلکنے لگی تھی..... اس نے کہا۔

"ٹھیک ہے..... ہمیں جھانسی جانے والی صبح کی گاڑی مل جائے گی..... میں بشیر کو اٹھاتا ہوں"۔

اس نے بشیر علی گائیڈ کو جگادیا..... وہ کلمہ شریف پڑھتا ہوا اٹھ بیٹھا..... جھروکے میں سے آتی سحر کی دھیمی دھیمی روشنی کو دیکھتے ہوئے بولا۔

"صبح ہو رہی ہے"۔

مجاہد شاہد نے کہا۔

"بارش بھی ہلکی ہو گئی ہے..... ہمیں واپس چل پڑنا چاہئے"۔

"ہاں" بشیر علی نے کہا..... "روہت گڑھ سے ہمیں بمبئی سے جھانسی جانے والی صبح کی گاڑی مل جائے گی..... چلو"۔

تینوں مجاہد قلعے سے نکل آئے..... اب صرف بارش کی پھوار سی پڑ رہی تھی..... شاہد علی اور شیر خان نے اپنے گائیڈ اور مجاہد بشیر علی کو قلعے کے پراسرار تابوت کے بارے میں کچھ بتانے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی..... رات بھر کی طوفانی بارش

ے جگہ جگہ گڑھوں میں پانی بھر دیا تھا..... رات کا اندھیرا آہستہ آہستہ سحر کی سفیدی ں تحلیل ہو رہا تھا..... گائیڈ مجاہد بشیر علی انہیں ایک دوسرے راستے سے جنگل سے ہر لے آیا..... وہ جب روہت گڑھ کے ریلوے سٹیشن کو جانے والی کچی سڑک پر آئے ِ صبح کے اجالے میں سڑک دُور تک خالی نظر آ رہی تھی..... سڑک پر بے شمار چھوٹے چھوٹے پتھروں کی بجری سی جمع تھی..... وہ پیدل چلتے روہت گڑھ کے سٹیشن پر گئے..... یہاں سے انہیں جھانسی جانے والی صبح کی گاڑی مل گئی اور وہ جھانسی پہنچ لئے..... مجاہد قاسم جان جھانسی کے مجاہدوں کی تنظیم کی خفیہ پناہ گاہ میں بے چینی سے ن لوگوں کا انتظار کر رہا تھا..... انہیں دیکھتے ہی بولا۔

"خدا کا شکر ہے کہ تم لوگوں کو دیکھا..... میں تو یہی سمجھا تھا کہ تم بھارت کی سی ئی ڈی کے ہتھے چڑھ گئے ہو"۔

کمانڈو شیر خان نے کہا۔

"رات بارش کا اس قدر زوردار طوفان تھا کہ ہمیں رات دیوگری کے قلعے میں ا بسر کرنی پڑی"۔

"ٹھیک ہے" قاسم جان بولا..... "یہ بتاؤ کہ تم لوگوں کو ٹارگٹ کو قریب سے یکھنے کا بھی موقع ملا یا نہیں؟"۔

مجاہد شاہد علی کہنے لگا۔

"جتنا دیکھنا ضروری تھا اتنا ہم نے دیکھ لیا ہے..... اب ہمیں اپنا مشن شروع د دینا چاہئے"۔

"میں خود بھی یہی چاہتا ہوں" قاسم جان نے کہا۔

کمانڈو شیر خان نے کہا۔

"ڈیم کی چٹانی دیوار ہمارا اصل ٹارگٹ ہے..... ہمارے پیش نظر اس وقت دو حلے ہیں..... پہلے مرحلے میں ہمیں ڈیم کی دیوار میں سوراخ ڈالنے ہیں..... دوسرا

مرحلہ ان سوراخوں میں ایسا بارود بھرنا ہے جو مقدار میں کم ہو لیکن تباہی میں انتہائی دھماکہ خیز ہو، سب سے اہم مسئلہ اس وقت ڈیم کی دیوار میں سوراخ کرنے کا ہے..... یہ سوراخ کسی پریشر ڈرل کے بغیر نہیں ڈالے جا سکیں گے اور پریشر ڈرل خواہ کتنا ہی چھوٹا کیوں نہ ہو اس کی آواز ضرور پیدا ہو گی جو ہمارے لئے خطرناک ثابت ہو سکتی ہے..... اس مسئلے کا حل سب سے پہلے سوچنا ہے"۔

قاسم جان بڑے غور سے شیر خان کی بات سن رہا تھا، کہنے لگا۔

"سمجھو کہ یہ مسئلہ حل ہو چکا ہے"۔

اس کے بعد قاسم جان نے کونے میں پڑے صندوق میں سے چھوٹے سائز کی ایک موٹر نکال کر شیر خان اور شاہد علی کو دکھائی اور کہا۔

"یہ موٹر بیٹری سے چلتی ہے..... اس کے آگے بے حد مضبوط فولادی کٹر لگا ہوا ہے جو سخت سے سخت پتھر میں بھی بڑی تیزی سے سوراخ ڈال سکتا ہے"۔

شیر خان اور شاہد علی موٹر کو غور سے دیکھنے لگے..... یہ مختصر سے سائز کی موٹر تھی..... اس کے ایک خانے میں بیٹری لگی تھی..... موٹر کے آگے تین بلیڈوں والا نوکیلا کٹر لگا ہوا تھا..... ان فولادی بلیڈوں کا سائز نوک کے پاس آدھ انچ سے بھی کم تھا لیکن پیچھے ان کا سائز دو انچ تھا..... قاسم جان کہنے لگا۔

"یہ جرمنی کی بنی ہوئی قابل اعتماد اور طاقتور موٹر ہے..... اس میں جو بیٹری فٹ ہے وہ چارج کی ہوئی ہے اور چھ گھنٹے تک کام دے سکتی ہے..... میرے ساتھ باہر آؤ"۔

قاسم جان نے کٹر موٹر اپنے ہاتھ میں اٹھائی اور شاہد علی اور شیر خان کو لے کر پناہ گاہ کے باہر آ گیا جہاں بائیں جانب ایک چٹان زمین سے تقریباً دس فٹ باہر نکلی ہوئی تھی..... قاسم جان نے ڈرل کی نوک چٹان پر ایک جگہ لگائی اور اس کا بٹن دبا دیا..... بڑی دھیمی آواز کے ساتھ ڈرل نے چلنا شروع کر دیا..... ڈرل کی نوک دیکھتے دیکھتے چٹان کی دیوار میں گھس گئی..... اس کے بعد ڈرل کے دو انچ چوڑے مضبوط بلیڈ بھی

چٹان کے سوراخ کے اندر چلے گئے اور دو منٹ کے اندر اندر چٹان میں تین انچ چوڑا اور تقریباً دس انچ گہرا شگاف ڈال دیا..... قاسم جان نے ڈرل باہر نکال لی..... ڈرل کی موٹر چل رہی تھی..... اس نے کہا۔

"تم دیکھ رہے ہو کہ اس کی آواز اتنی دھیمی ہے کہ ڈیم کے اوپر سکیورٹی گارڈز تک اس کے پہنچنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا"۔

قاسم جان نے ڈرل کی موٹر بند کر دی..... مجاہد شاہد علی جھک کر چٹان کے تین انچ دہانے کے سوراخ کو دیکھنے لگا..... شیر خان نے ڈرل کو لے کر اس کا اچھی طرح سے جائزہ لیا..... پھر اس نے بھی چٹان کے سوراخ کو غور سے دیکھا..... قاسم جان بولا۔

"ڈرل کا سائز لمبائی میں پورے بارہ انچ ہے..... یہ بڑی آسانی سے چٹان میں س انچ لمبا شگاف ڈال سکتی ہے"۔

کمانڈو شیر خان نے کہا۔

"لیکن قاسم بھائی! ڈیم کی دیوار بہت بڑی ہے، اس کو دھماکے سے اڑانے کے لئے س میں کم از کم دو فٹ تک گہرا سوراخ ڈالنا ضروری ہے"۔

قاسم جان نے جواب دیا۔

"یہ میں جانتا ہوں، لیکن اس سے بڑی ڈرل کی موٹر کی آواز بہت زیادہ ہو گی جو رے مشن کے لئے خطرناک ہو گی..... باقی جہاں تک ڈیم کی مضبوط دیوار میں دھماکہ نے کا سوال ہے اس کا بھی حل ہمارے پاس موجود ہے..... اندر آ جاؤ"۔

وہ لوگ اندر چھوٹے سے کمرے میں آ گئے..... قاسم جان نے کونے والے ندوق میں سے ہی سٹیل کا ایک چوکور ڈبہ نکال کر کھولا، اس میں انجکشن کے سرنج ز کی شیشے کی نلیاں ایک دوسری کے اوپر رکھی ہوئی تھیں..... قاسم جان نے ایک ا بڑی احتیاط سے اٹھا کر شیر خان اور شاہد علی کو دکھائی اور بولا۔

"دیکھنے میں یہ ایک نازک سی نلکی ہے، لیکن اس میں جو کیمیاوی سیاہ رنگ کا مواد

بھرا ہوا ہے اس میں اتنی طاقت ہے کہ اس کا دھماکہ بارہ فٹ مربع چٹان کو ریزہ ریز
کر سکتا ہے"۔

شاہد علی نے پوچھا۔

"کیا آپ نے اس کا تجربہ کیا ہے؟"۔

قاسم جان نے کہا۔

"اس کا پہلا تجربہ ہم نے آج سے چھ ماہ پہلے جموں پٹھان کوٹ ریلوے لائن
ایک پل اُڑا کر کیا تھا..... یہ پل سارے کا سارا چٹانی پتھروں سے بنا ہوا تھا اور اس قد
مضبوط تھا کہ عام بارود وہاں کام نہیں دے سکتا تھا..... ہمارے مجاہدوں نے صرف ایک
نلکی پل کے درمیان میں اسی ڈرل سے شگاف ڈال کر لگائی تھی..... جب ریموٹ سے
اس کا دھماکہ کیا تو شاید تمہیں یقین نہ آئے، اتنا بڑا اور طاقتور پل آدھے سے زیادہ اُڑ گ
تھا..... اس کے بعد بھی ہم نے تین چار جگہوں پر اس دھماکہ خیز کیمیاوی مواد کو آز
اور اس کے انتہائی حوصلہ افزا نتائج بر آمد ہوئے..... مجھے یقین ہے کہ ڈیم کی دیوار میں
اگر پانچ پانچ فٹ کے فاصلے پر دس شگاف ڈال کر ان میں یہ نلکیاں لگا کر ریموٹ سے
کا ایک ہی دفعہ دھماکہ کیا جائے گا تو دیوار میں کم از کم سو فٹ چوڑا شگاف ضرور پ
ہو جائے گا..... جب ڈیم کی جھیل میں کروڑوں سے بھی زیادہ ٹن پانی ایک ہی دفعہ
فٹ شگاف سے باہر کو زور مارے گا تو پانی کے بے پناہ دباؤ سے باقی کی دیوار بھی ٹو
جائے گی..... مجھے پورا یقین ہے کہ یہ فارمولا کام کر جائے گا"۔

کمانڈو شیر خان نے کہا۔

"قاسم بھائی آپ اس قدر اعتماد کے ساتھ کہہ رہے ہیں اور آپ اس کا تجر
بھی کر چکے ہیں تو ہمیں ان نلکیوں میں بھرے ہوئے کیمیاوی محلول پر بھروسہ کرنا
پڑے گا"۔

مجاہد شاہد علی کہنے لگا۔

"اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ڈیم کی دیوار میں شگاف ڈالنے کے لئے اس پر چڑھا
کیسے جائے گا..... ہمارے مشاہدے کے مطابق ڈیم کی دیوار کئی سو فٹ بلند ہے.....
دیوار ہموار ہو گی، ظاہر ہے دیوار پر چڑھنے کے لئے کوئی سیڑھی وغیرہ کسی بھی جگہ
نہیں بنائی گئی ہو گی اور ہمیں دیوار میں زمین سے کم از کم پچاس فٹ کی بلندی پر جا کر
شگاف ڈالنے ہوں گے..... اس کے بارے میں ہمیں سوچنا ہے"۔

جھانسی رضاکار تنظیم کے قاسم جان نے لمحہ بھر توقف کے بعد کہا۔

"میرا خیال ہے کہ ان لوگوں نے دیوار کی دیکھ بھال اور جانچ پڑتال کے لئے
دیوار کے ساتھ کہیں کہیں لوہے کی سیڑھیاں بنائی ہوئی ہیں، مگر اس کی تصدیق کے
لئے تم لوگوں کا خود وہاں جا کر ایک بار مشاہدہ کرنا بہت ضروری ہے"۔

اگلے دن تینوں سر فروش مجاہد جھانسی کا بشیر علی، شیر خان اور شاہد علی ایک بار پھر
دیوگری قلعے کے جنگل کی طرف چل پڑے..... دن کا وقت تھا..... دھوپ خوب نکلی
ہوئی تھی..... موسم تھوڑا تھوڑا گرم تھا..... شیر خان بکریاں چرانے والے اور شاہد علی
اپنے پسندیدہ بھیس سپیرے کے حلیے میں تھا..... بشیر علی نے وہاں کے عام دیہاتیوں کا
لباس پہن رکھا تھا..... دیوگری کے قلعے تک جنگل میں وہ ساتھ ساتھ چلتے رہے، قلعے
سے آگے وہ الگ الگ ہو گئے..... یہ انہوں نے طے کر رکھا تھا کہ ان میں کون کہاں اور
کون کس جگہ پر ایک دوسرے سے ملے گا..... کمانڈو شیر خان جو بکریاں چرانے والے
کے بھیس میں تھا آگے آگے تھا اور وہ جنگل کی دوسری طرف سے ایک لمبا چکر کاٹ کر
اپنے طے شدہ نشان پر پہنچ گیا۔

مجاہد شاہد علی جو سپیرے کے لباس میں تھا دس منٹ بعد وہاں پہنچا..... دس پندرہ
منٹ بعد بشیر علی بھی دیہاتیوں کی طرح چھوٹی سی گٹھڑی سر پر رکھے آ گیا..... تینوں
ایک چٹان کی اوٹ میں جھاڑیوں کے پاس چھپ کر بیٹھ گئے..... ذرا آگے نیچے کو جاتی
وادی کے پیالے کی ڈھلان تھی..... اس کے پہلو میں کوئی تین سو فٹ کے فاصلے پر ڈیم

کی دیو پیکر زمین سے اوپر تک جاتی ہوئی مضبوط اور یہاں سے وہاں تک پھیلی ہوئی چٹانی دیوار تھی..... تینوں بڑے غور سے ڈیم کی اس عقبی دیوار کو دیکھ رہے تھے جس نے ڈیم کے آبی ذخیرے کے کروڑوں ٹن پانی کی جھیل کو نیچے وادی میں جانے سے روک رکھا تھا..... دیوار پر باہر کو نکلی ہوئی کہیں کہیں پتلی جھاڑیاں نظر آ رہی تھیں..... ایک دو جگہوں پر انہیں دیوار کے ساتھ اوپر سے نیچے اور نیچے سے اوپر تک جاتی بھوری اور سیاہ لکیریں سی دکھائی دیں..... شیر خان نے اپنے ساتھیوں کو وہ لکیریں دکھاتے ہوئے کہا۔

"میرا خیال ہے یہی وہ لوہے کی سیڑھیاں ہیں جو دیوار کی جانچ پڑتال کے لئے بنائی گئی ہیں"۔

بشیر علی بولا۔

"میرا بھی یہی خیال ہے"۔

شاہد علی کہنے لگا۔

"ان لکیروں کو قریب سے جا کر دیکھنا ہوگا"۔

بشیر علی بولا۔

"یہ علاقہ بڑا حساس علاقہ ہے اور یہاں یقینی طور پر انٹیلی جنس کے آدمی بھیس بدل کر موجود ہوں گے..... ہمیں بڑی احتیاط سے کام لینا ہوگا"۔

کمانڈو شیر خان نے کہا۔

"ہم ہر طرح سے محتاط رہیں گے، مگر قریب جا کر ان سیڑھیوں کو دیکھنا ضروری ہے"۔

اس نے بشیر علی سے کہا۔

"بشیر علی! تم اسی جگہ رہو گے..... میں اور شاہد علی آگے جائیں گے"۔

چنانچہ بشیر علی کو وہیں چھوڑ کر شیر خان اور شاہد علی جھاڑیوں میں سے نکل کر پیالہ نما وادی کی ڈھلان اترنے لگے..... نیچے وادی میں جانے کی بجائے وہ ڈھلان کے

درمیان میں آ کر جھاڑیوں کی اوٹ میں ڈیم کی دیوار کی طرف بڑھ رہے تھے..... ان کے نیچے جو سنگلاخ اور ویران وادی تھی اس کے زیر زمین خفیہ پناہ گاہوں میں میزائل سیٹلائٹ پروگرام پر کام ہو رہا تھا..... اس بات کا قوی امکان تھا کہ وادی میں سکیورٹی اور خفیہ نگرانی کا زبردست انتظام کیا گیا ہوگا، اسی وجہ سے دونوں کمانڈو ڈھلان پر متوازی چل رہے تھے اور وادی میں نیچے نہیں آئے تھے..... ڈھلان پر بے شمار اونچی جنگلی گھاس، جھاڑیاں اور درخت اُگے ہوئے تھے..... یہ چیزیں انہیں بڑی اچھی آڑ مہیا کر رہی تھیں..... اس کے باوجود وہ بے حد محتاط ہو کر چل رہے تھے اور ایک دوسرے سے سرگوشیوں میں بول رہے تھے۔

شاہد علی جو سپیرے کے بھیس میں تھا اس کے ہاتھ میں بانس کی لمبی چھڑی تھی اور اس نے گیروے رنگ کا پرانا سا چولا پہن رکھا تھا..... وہ تھوڑی تھوڑی دیر بعد جھک کر اور بانس کی چھڑی سے جھاڑیوں کو اِدھر اُدھر ہلا کر کچھ دیکھ لیتا تھا کہ اگر دُور سے اسے کوئی دیکھے تو یہی سمجھے کہ یہ سپیرا سانپوں کو پکڑنے جنگل میں آیا ہے..... شیر خان بکریاں چرانے والے کے بھیس میں تھا اور ایک چھوٹا بکری کا بچہ اس نے گودی میں اٹھایا ہوا تھا..... بکری کا یہ بچہ وہ جھانسی ہی سے اپنے ساتھ لے کر آیا تھا..... وہ ایک دوسرے کے درمیان بیس پچیس فٹ کا فاصلہ ڈال کر جا رہے تھے۔

وہ اس جگہ آ کر رُک گئے جہاں سے ڈھلان ڈیم کی دیوار کے عین ساتھ لگ کر نیچے جاتی تھی..... شیر خان نے دُور ہی سے شاہد علی کو اشارہ کیا..... اس کا مطلب تھا کہ تم دوسری طرف سے ہو کر ڈیم کی دیوار کے پاس پہنچو..... مجاہد شاہد علی اشارہ پاتے ہی ایک طرف کو مڑ گیا..... شیر خان جہاں آ کر رکا تھا، وہیں سے نیچے اترنے لگا..... بکری کا بچہ اس نے گود میں ہی لے رکھا تھا..... ڈیم کی دیوار کے پاس جہاں زمین کی ڈھلان ختم ہو گئی تھی اور وادی کی جھاڑیاں شروع ہو جاتی تھیں، وہاں آ کر شیر خان بیٹھ گیا..... اس نے بکری کے بچے کو نیچے اتار دیا اور اس کی گردن میں بندھی ہوئی رسی کا سرا اپنے ہاتھ

میں پکڑ لیا اور اپنے دائیں بائیں دیکھا۔

اسے وہاں اپنے سوا کوئی انسان دکھائی نہ دیا۔

کسی طرف سے کوئی آواز بھی نہیں آ رہی تھی..... اس نے اپنی دائیں جانب اوپر کو اٹھتی ہوئی سینکڑوں فٹ اونچی ڈیم کی دیوار کو دیکھا..... دیوار کو دیکھ کر دل پر ایک ہیبت سی طاری ہوتی تھی..... یہ دیوار چین سے بھی اونچی دیوار تھی..... اس وقت شیر خان کے دل میں شک پیدا ہوا کہ قاسم جان نے اسے جو طاقتور دھماکہ خیز محلول والی سرنج ٹائپ کی نلکیاں دکھائی تھیں، وہ اگر ساری کی ساری اس دیوار میں لگا کر ان کا دھماکہ کیا جائے تو اس دیو ہیکل دیوار کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گی۔

بکری کے بچے کو شیر خان نے وہیں ایک جھاڑی میں باندھا اور خود بڑی احتیاط کے ساتھ چاروں طرف سے چوکنا ہو کر ڈیم کی دیوار کے پاس آ گیا..... اس نے دیوار کو ہاتھ لگا کر محسوس کیا کہ دیوار جیسے لوہے کی بنی ہوئی تھی..... ذرا آگے وہ سیاہ لکیر دکھائی دی جو دیوار کے اوپر تک جا رہی تھی..... شیر خان نے چرواہوں کی اداکاری کرتے ہوئے زمین پر سے سوکھی ٹہنیاں اٹھا کر ایک رسی سے باندھ کر انہیں اپنے سر پر رکھ لیا تھا..... سیاہ لکیر کے پاس آ کر اس نے دیکھا کہ واقعی یہ ایک سیاہ رنگ کا چھوٹا آہنی زینہ تھا جو دیوار کے ساتھ چمٹا اوپر تک چلا گیا تھا..... اوپر جا کر ایک چھوٹی سی گیلری بنی ہوئی تھی جو دائیں سے بائیں دیوار کے متوازی دوسرے زمینوں کی طرف چلی گئی تھی..... اس گیلری پر کھڑے ہو کر شاید ڈیم کی دیوار کی جانچ پڑتال کی جاتی اور جہاں کہیں کسی جگہ مرمت کی ضرورت ہو تو وہاں مرمت کر دی جاتی ہو گی۔

یہ گیلری اور لوہے کی سیڑھی شیر خان کے مشن کے لئے ایک بہت بڑی نعمت تھی..... صرف ایک خطرہ تھا کہ اگر رات کے اندھیرے میں ان پر سرچ لائٹ کی روشنی پڑے تو انہیں دیکھا جا سکتا تھا..... شیر خان ایک جگہ بیٹھ گیا..... اس کو کچھ فاصلے پر جہاں دوسری آہنی سیڑھی ڈیم کی دیوار کے ساتھ اوپر کو جاتی تھی، شاہد علی دکھائی

دیا..... شاہد علی بھی آہنی سیڑھی کے پاس آ کر رُک گیا تھا..... پھر وہ وہیں بیٹھ گیا..... تھوڑی دیر کے بعد وہ اٹھا اور جس طرف سے آیا تھا اسی طرف کو واپس چلا گیا..... اس کے واپس مڑتے ہی کمانڈو شیر خان بھی وہاں سے واپس ہو گیا..... جہاں اس نے بکری کے بچے کو باندھا ہوا تھا وہاں آ کر بکری کے بچے کو کھول کر گود میں اٹھایا اور ڈھلان کے اوپر چڑھنے لگا..... ڈھلان چڑھ کر وہ اوپر درختوں میں اسی جگہ آ کر بیٹھ گیا جہاں سے دونوں کمانڈو ایک دوسرے سے جدا ہوئے تھے۔

اتنے میں شاہد علی بھی سپیرا بنا کندھے پر بانس رکھے آ گیا۔

دونوں نے ایک دوسرے سے کوئی بات نہ کی شاہد علی بھی اسی طرف کو چل پڑا..... دونوں ایک دوسرے سے فاصلے پر چل رہے تھے..... وہ جنگل کے مغربی حصے میں سے ہوتے ہوئے دیوگری کے پرانے قلعے کی دیوار کے پاس آ کر بیٹھ گئے..... مجاہد شاہد علی نے آہستہ سے کہا۔

"ڈیم کی دیوار کے ساتھ لوہے کی سیڑھیاں لگی ہوئی ہیں..... اوپر جا کر دیوار کے ساتھ ایک چھوٹی سی لمبی گیلری بھی بنی ہوئی ہے"۔

کمانڈو شیر خان بولا۔

"میں نے بھی سب کچھ دیکھ لیا ہے..... ان سیڑھیوں کی وجہ سے دیوار پر چڑھ کر اس میں شگاف ڈالنے کا کام آسان ہو گیا ہے..... پھر بھی ہمیں ایک ایک قدم سوچ سمجھ کر اٹھانا ہو گا..... اگرچہ قاسم جان نے جو ہمیں جرمنی کی بنی ہوئی ڈرل دکھائی ہے اس کی آواز بہت دھیمی ہے، اس کے باوجود رات کی خاموشی میں اس کی آواز ڈیم کی دیوار کے اوپر گشت کرنے والے فوجیوں کے کان میں پڑ سکتی ہے"۔

مجاہد شاہد علی کہنے لگا۔

"ہماری کوشش یہی ہو گی کہ ڈرل کی آواز اوپر تک نہ جائے..... یہی ہو سکتا ہے کہ ہم وقفے وقفے کے بعد ڈرل کو استعمال کریں"۔

شیر خان نے کہا۔

"میں نے دیوار کی مضبوطی سے اندازہ لگایا ہے کہ ہمیں اس میں شگاف ڈالنے میں دو راتیں ضرور لگ جائیں گی..... ہمیں کم از کم دس شگافوں میں دھماکہ خیز محلول رکھنا ہوگا، لیکن ایک بات ہے"۔

"وہ کیا؟" شاہد علی نے پوچھا۔

شیر خان نے کہا۔

"ڈیم کی دیوار اتنی سخت اور مضبوط ہے کہ مجھے شک ہے کہ جو دھماکہ خیز محلول ہمیں دیا جا رہا ہے وہ دھماکے کے بعد شاید ہی دیوار میں اتنا شگاف ڈال سکے کہ ڈیم کی جھیل کا پانی وادی کو غرق آب کر دے"۔

شاہد علی کہنے لگا۔

"شیر خان! اگر ہم ڈیم کی دیوار میں دھماکوں کے بعد پانچ پانچ فٹ کے حجم کے شگاف بھی ڈالنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں تو یقین کرو پانی کا بے پناہ دباؤ باقی دیوار کو خود ہی توڑ ڈالے گا"۔

"خدا کرے کہ ایسا ہو" شیر خان نے جواب دیا..... "بہر حال ہمیں دو راتیں دیوگری کے قلعے میں ضرور رہنا ہوگا"۔

شاہد علی نے ہنستے ہوئے کہا۔

"میرا خیال ہے اس طرح شاید قلعے کی بھٹکی ہوئی بدروح سے بھی تفصیلی ملاقات ہو جائے گی"۔

شیر خان سنجیدہ ہو گیا، کہنے لگا۔

"شاہد بھائی! تم چاہے میرا مذاق اڑاؤ، لیکن میں اب بھی یہی کہوں گا کہ میں نے قلعے کے اندر جو تابوت تھا اس میں ایک عورت کا کٹا ہوا سر دیکھا ہے"۔

"چھوڑو شیر بھائی ان باتوں کو" شاہد علی بولا۔

چلو اب واپس چلتے ہیں اور اس بکری کے بچے کو یہیں جنگل میں چھوڑ دو"۔

شیر خان بکری کے بچے کو گود میں سنبھالتے ہوئے اٹھا اور بولا۔

"ابھی ہمیں جنگل کے اس علاقے سے گزرنا ہے جہاں ملٹری انٹیلی جنس والوں کی موجودگی کا امکان ہے"۔

وہ دونوں واپس چل پڑے ..... جب وہ جنگل میں اس جگہ پر پہنچے جہاں جنگل کی سرحد ختم ہوتی تھی اور روہت گڑھ کے سٹیشن کو جانے والی سڑک انہیں درختوں کے درمیان سامنے نظر آنے لگی تھی تو کمانڈو شیر خان نے بکری کے بچے کو وہیں چھوڑ دیا..... شاہد علی نے کہا۔

"بشیر علی کو یہاں رکنے کے لئے کہا تھا وہ کہیں نظر نہیں آ رہا"۔

شیر خان اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔

"میں بھی یہی سوچ رہا تھا کہ بشیر علی کہاں چلا گیا ہے"۔

اتنے میں درختوں کے درمیان سے بشیر علی دیہاتی لباس میں نکل کر ان کے پاس آ گیا..... کہنے لگا۔

"جہاں تم لوگ مجھے چھوڑ کر گئے تھے وہاں ایک آدمی نے گزرتے ہوئے مجھے گھور کر دیکھا تھا..... مجھے شبہ ہوا کہ یہ انٹیلی جنس کا آدمی ہی ہو سکتا ہے، چنانچہ میں وہاں سے غائب ہو گیا اور جنگل کے اس کنارے پر آ کر چھپ کر تمہارا انتظار کرنے لگا..... مجھے معلوم تھا کہ تم اسی جگہ جنگل میں سے باہر نکلو گے"۔

اب مجاہد بشیر علی بھی ان کے ساتھ چلنے لگا..... وہ روہت گڑھ کے سٹیشن کو جانے والی سڑک پر چل رہے تھے..... بشیر علی نے پوچھا۔

"تمہاری مشاہداتی مہم کیسی رہی؟"۔

شیر خان نے کہا۔

"ہم نے ڈیم کی دیوار کو بڑے قریب سے جا کر دیکھا ہے..... قاسم جان کا خیال

درست تھا..... ڈیم کی دیوار پر لوہے کی تین چار سیڑھیاں اوپر تک چلی گئی ہیں..... دیوار میں سوراخ ڈالنے اور دھماکہ خیز مواد بھرنے میں ہماری مدد کریں گی"۔

"یہ تو بڑی اچھی خبر ہے" بشیر علی نے کہا۔

اسی طرح باتیں کرتے ہوئے تینوں سرفروش روہت گڑھ کے سٹیشن پر آگئے..... وہاں سے ٹرین پکڑی اور ڈیڑھ پونے دو گھنٹے کے سفر کے بعد جھانسی کے سٹیشن پر اتر گئے..... وہاں سے وہ الگ الگ ہو گئے اور ایک ایک کر کے تنظیم کے خفیہ ٹھکانے پر آگئے..... قاسم جان کو تمام حالات سے آگاہ کیا گیا..... قاسم جان کو بھی یہ سن کر اطمینان ہوا کہ ڈیم کی دیوار پر لوہے کی چھوٹی سیڑھیاں موجود ہیں، کہنے لگا۔

"ان سیڑھیوں نے ہمارے مشن کا ایک بڑا مسئلہ حل کر دیا ہے"۔

وہ دن اور اس سے اگلا دن مشن کی ضروری تیاریوں میں گزر گیا..... دوسرے دن تینوں سرفروش یعنی جھانسی کا مجاہد بشیر علی، کمانڈو شیر خان اور شاہد علی اپنے اہم ترین مشن پر روانہ ہونے کے لئے بالکل تیار تھے..... انہیں دو راتیں اور ایک دن دیوگری کے قلعے میں گزارنا تھا..... تھوڑا بہت خشک راشن اور پانی کی بڑی تھرمس کے علاوہ دو ڈرل مشینیں، دھماکہ خیز کیمیاوی محلول کی بیس عدد نلکیاں تین برین گنیں، تین سائی لینسر چڑھے پستول، ایک ایک کمانڈو چاقو اور ایک ریڈیو الیکٹرک لہروں والا ریموٹ کنٹرول یہ ایک رات پہلے تنظیم کے تربیت یافتہ رضاکاروں نے دیوگری قلعے کے اس کمرے میں پہنچا دیا تھا جہاں شیر خان وغیرہ بارش کے طوفان میں ایک رات بسر کر چکے تھے۔

بشیر علی، شاہد علی اور کمانڈو شیر خان اس علاقے کے دیہاتیوں کے بھیس میں تھے..... بشیر علی سورج غروب ہونے سے پہلے ہی خفیہ پناہ گاہ سے نکل کر دیوگری کے قلعے میں پہنچ گیا تھا..... سورج غروب ہونے کے بعد کمانڈو شیر خان اور شاہد علی بھی اپنے مشن پر روانہ ہو گئے..... جگہ انہوں نے دیکھی ہوئی تھی..... ویران قلعے تک

جانے والا جنگل کا راستہ انہیں معلوم تھا..... ایک ایک چھوٹی کلہاڑی اور درختوں کی سوکھی ٹہنیوں کا ایک ایک گٹھا انہوں نے کلہاڑی کے دستے میں اڑا کر کندھوں پر رکھ لیا تھا..... جنگل میں اندھیرا چھانے سے پہلے پہلے دونوں کمانڈو بھی ویران قلعے میں پہنچ گئے..... بشیر علی پہلے سے وہاں موجود تھا..... قلعے کی دوسری منزل والے کمرے میں اس نے ایک بڑی موم بتی روشن کر رکھی تھی..... اس نے شیر خان سے کہا۔

"قلعے کے عقب میں میں نے ایک چھوٹا سا چشمہ دیکھا ہے..... وہاں سے ہم تازہ پانی تھرمس میں لا سکتے ہیں"۔

شیر خان اور شاہد علی نے موم بتی کی روشنی میں اسلحہ اور دوسرے سامان کو چیک کیا..... ہر شے درست حالت میں تھی..... وہ راستہ بھی انہوں نے متعین کر لیا تھا جس راستے سے گزر کر انہیں ڈیم کی دیوار تک پہنچنا تھا..... شیر خان ویران کمرے کے جھروکے میں سے وادی کی طرف دیکھنے لگا، دور کچھ فاصلے پر ڈیم کی عقبی دیوار شروع رات کے اندھیرے میں سائے کی طرح دکھائی دے رہی تھی..... شاہد علی بھی اس کے پاس آگیا..... انہیں کسی ٹرک کے انجن کی آواز سنائی دی..... آواز دور سے آ رہی تھی..... شیر خان نے چونک کر شاہد علی سے کہا۔

"تم یہ آواز سن رہے ہو؟"۔

"ہاں" شاہد علی بولا..... "یہ کسی بھاری فوجی ٹرک کی آواز ہے"۔

انہوں نے غور سے سنا تو ایک اور ٹرک کی آواز بھی آنے لگی..... کمانڈو شیر خان نے کہا۔

"یہ فوجی نقل و حرکت لگتی ہے"۔

شاہد علی بولا۔

"یہاں زمین کے نیچے جو کام ہو رہا ہے وہ سارا فوج کی نگرانی میں ہو رہا ہے..... چنانچہ فوجی ٹرکوں کی آمد کوئی غیر معمولی بات نہیں ہے"۔

شیر خان نے کہا۔

"وہ تو میں بھی جانتا ہوں لیکن یہ فوجی نقل و حرکت اس وقت نہیں ہونی چاہئے تھی جبکہ ہم رات کو کمانڈو ایکشن شروع کرنے والے ہیں"۔

نیچے وادی میں اندھیرا تھا..... وہ اندھیرے میں بڑے غور سے دیکھ رہے تھے..... ایک جگہ انہیں ایک ٹرک کی بتیوں کی روشنی ایک لمحے کے لئے دکھائی دی اور پھر یہ روشنی دوسری طرف گھوم گئی..... دونوں ٹرکوں کی آواز آہستہ آہستہ غائب ہو گئی..... شاہد علی بولا۔

"معلوم ہوتا ہے فوجی ٹرک نیچے تہہ خانوں میں اتر گئے ہیں"۔

کمانڈو شیر خان خاموش تھا..... وہ بہت کچھ سوچ رہا تھا..... اس نے اپنی گھڑی پر نگاہ ڈالی، کہنے لگا۔

"ابھی رات کے آٹھ بجے ہیں..... ہمیں ٹھیک گیارہ بجے اپنے ٹارگٹ کی طرف چل پڑنا چاہئے..... ڈیم کی دیوار میں دس شگاف ڈالنے ہیں..... ہمیں کافی وقت لگ جائے گا"۔

بشیر علی قلعے کے پیچھے جو چشمہ تھا وہاں پانی لینے گیا ہوا تھا..... وہ بڑی تھرمس پانی کی بھر کر لے آیا..... انہوں نے وہیں قلعے کے ویران کمرے میں بیٹھ کر گڑھ کے ساتھ بھنے ہوئے چنے کھا کر پانی پیا اور رات کے گیارہ بجنے کا انتظار کرنے لگے..... طے یہ ہوا تھا کہ مجاہد بشیر علی پیچھے قلعے میں ہی رہے گا..... موم بتی جل رہی تھی..... انہوں نے ڈرل کی چھوٹی مشینیں نکال کر انہیں ایک بار پھر صاف کیا اور بیٹھ کر اپنے مشن ہی کے بارے میں دھیمی آواز میں باتیں کرنے لگے..... رات گہری ہوتی جا رہی تھی..... جھروکے کے باہر اندھیرا تھا..... جنگل پر سناٹا طاری تھا..... کسی وقت دُور جنگل میں کسی پرندے کے بولنے کی آواز سنائی دے جاتی تھی..... لگتا تھا کہ کوئی بھٹکا ہوا پرندہ ہے جو اپنے علاقے سے نکل کر اس جنگل میں آ گیا ہے..... رات کے گیارہ بجنے میں دس منٹ

باقی تھے کہ کمانڈو شیر خان اور شاہد علی چل پڑے..... دونوں کے پاس ایک ایک ڈرل مشین، ایک ایک پستول اور کمانڈو چاقو کے علاوہ کیمیاوی محلول والی نلکیوں کا لفافہ تھا جسے شیر خان نے اپنے پاس رکھا تھا..... جنگل میں گہری تاریکی چھائی ہوئی تھی..... وہ پہلے سے معلوم راستے پر بڑی احتیاط کے ساتھ دائیں بائیں سے باخبر رہتے ہوئے سنبھل سنبھل کر راستہ طے کر رہے تھے..... وہ ضرورت کے وقت ایک دوسرے سے اشاروں میں بات کر لیتے تھے..... چلتے چلتے وہ اس مقام پر آ کر رُک گئے جہاں سے زمین ڈھلان کی صورت میں نیچے وادی تک چلی گئی تھی..... اسی ڈھلان کی بائیں جانب سے ڈیم کی دیوار شروع ہو جاتی تھی..... دونوں اندھیرے میں بیٹھ گئے اور ڈیم کی دیوار کے اوپر دیکھنے لگے جہاں دیوار پر لگا ہوا جنگلا شمال سے جنوب تک چلا گیا تھا..... جنگلے پر کہیں کہیں روشنی ہو رہی تھی..... ڈیم کا بجلی گھر دوسری طرف تھا..... اس جانب ڈیم کی کوئی اہم تنصیبات نہیں تھیں..... جنگلے کے ساتھ کسی وقت کوئی سنتری گشت لگاتا گزر جاتا تھا۔

شاہد علی نے شیر خان کے کان میں سرگوشی کی۔

"بڑی سرچ لائٹیں ڈیم کی دیوار کے شمالی اور جنوبی کونے میں لگی ہوئی ہیں..... وہاں واچ ٹاور بھی ہیں"۔

شیر خان نے سرگوشی میں ہی جواب دیا۔

"دن کے وقت میں نے یہ واچ ٹاور دیکھ لئے تھے..... ہمیں ان سے خبردار رہنا ہوگا..... دوسری بات جو اہم ہے یہ کہ ڈرل چلاتے وقت موٹر کی آواز مسلسل نہیں آنی چاہئے، درمیان میں ایک ایک منٹ کا وقفہ ڈالنا ہوگا"۔

شاہد علی بولا۔

"ایسا ہی ہوگا"۔

ڈیم کی دیوار کے ساتھ اوپر تک گئی ہوئی آہنی سیڑھیوں کی نشان دہی ہو چکی تھی..... دونوں کو معلوم تھا کہ کس جگہ سے اپنا کام شروع کرنا ہے..... فیصلہ یہی

ہوا تھا کہ دیوار پر زیادہ اوپر جانے کی بجائے زمین سے صرف بیس فٹ کی بلندی پر دیوار میں سوراخ ڈالے جائیں گے..... اس کے دو فائدے تھے..... پہلا فائدہ تو یہ تھا کہ دیوار کے نیچے رہنے سے ڈرل موٹر کی آواز اوپر ڈیم کے جنگلے تک نہیں جا سکتی تھی۔ دوسرا اہم فائدہ یہ تھا کہ ڈیم کی دیوار کے پیندے میں اندر کی جانب پانی کا دباؤ بے پناہ ہو گا، جب وہاں سے دیوار میں ایک ساتھ دھماکے سے دس شگاف پیدا ہوں گے تو پانی کا بے پناہ دباؤ ان شگاف میں سے وادی کی جانب نکلتے ہوئے اس قدر دباؤ ڈالے گا کہ اس دباؤ سے دیوار اپنی جگہ پر قائم نہیں رہ سکے گی..... یہ سارا منصوبہ پہلے سے طے شدہ تھا۔

جب دونوں مجاہدوں کی گھڑیوں نے رات کے گیارہ بجائے تو کمانڈو شیر خان نے شاہد علی کو آہستہ سے کہا۔

"اللہ کا نام لے کر چل پڑو"۔

اشارہ ملتے ہی شاہد علی تیزی سے ڈیم کی ڈھلان میں اتر گیا..... جب وہ نظروں سے اوجھل ہو گیا تو کمانڈو شیر خان بھی ڈیم کی دیوار کی طرف سے ڈھلان پر اترنے لگا..... وہ دیوار کے بالکل ساتھ لگ کر سنبھل سنبھل کر اتر رہا تھا..... شاہد علی کو دیوار کے شمال کی جانب جا کر دیوار میں پانچ شگاف ڈالنے تھے، جبکہ شیر خان کو اپنی طرف سے دیوار میں پانچ شگاف ڈالنے تھے..... دونوں جانب آہنی سیڑھیاں دیوار سے چمٹی ہوئی تھیں..... ان دونوں سیڑھیوں کے درمیان کوئی دو سو فٹ کا فاصلہ تھا..... جو کچھ ہونا تھا اسی دو سو فٹ کے درمیان ہی ہونا تھا اور یہ فاصلہ ڈیم کی دیوار کے پیندے کا وسطی حصہ تھا..... کمانڈو شیر خان دیوار کے ساتھ ساتھ چلتا اس جگہ آ گیا جہاں آہنی سیڑھی دیوار کے ساتھ چمٹی ہوئی تھی..... سیڑھی کی دونوں جانب سہارا دینے کے لئے لوہے کے راڈ لگے ہوئے تھے..... شیر خان نے ایک لمحے کے لئے دیوار کے اوپر دُور جنگلے پر نگاہ ڈالی..... وہاں ایک کھمبے پر بجلی کا بلب جل رہا تھا جس کی روشنی جنگلے کے اِرد گرد تک ہی محدود تھی..... شیر خان اللہ کا نام لے کر آہنی زینے کی سیڑھیاں چڑھنے لگا.....

مقررہ بلندی پر جا کر اس نے اپنی بائیں طرف دیکھا..... اندھیرے میں اسے شاہد علی نظر نہ آیا، لیکن کچھ ہی دیر بعد اسے دُور سے ڈرل مشین کی بہت ہی دھیمی دھیمی گونج سی سنائی دینے لگی..... وہ سمجھ گیا کہ شاہد علی نے اپنا کام شروع کر دیا ہے..... ایک منٹ بعد ڈرل مشین کی دھیمی آواز رُک گئی..... اس کے ایک منٹ بعد پھر مشین کی آواز آنے لگی..... یہ آواز اتنی مدہم تھی کہ شیر خان کو یقین تھا کہ آواز اوپر جنگلے تک نہیں سنی جا سکتی۔

اب شیر خان نے بھی آہنی زینے میں اچھی طرح سے اپنے پاؤں کو پھنساتے ہوئے ایک جگہ دیوار میں سوراخ ڈالنا شروع کر دیا..... ڈرل مشین کی آواز اگرچہ دھیمی تھی مگر شیر خان کو ڈر ضرور تھا کہ کہیں اوپر گشت کرتا سنتری اس آواز کو نہ سن لے..... ایک منٹ تک دیوار میں ڈرل مشین چلانے کے بعد شیر خان نے ڈرل کو بند کر دیا اور اوپر نگاہ ڈالی..... دُور اوپر جنگلے پر اسے کوئی سنتری دکھائی نہیں دے رہا تھا..... ایک ڈیڑھ منٹ کے وقفے کے بعد وہ دوبارہ ڈرل چلانے لگا..... ڈیم کی دیوار بہت پختہ تھی..... ڈرل بڑی سست رفتاری سے اس کے اندر سوراخ ڈال رہا تھا..... یہ بڑے صبر آزما لمحات تھے..... ایک خطرہ یہ بھی تھا کہ اگر اتفاق سے کوئی فوجی ٹرک زیرِ زمین لیزر سیٹلائٹ پراجیکٹ سے باہر نکلا تو ممکن ہے اس کی روشنیاں اس پر پڑیں اور وہ دیوار میں ڈرل سے سوراخ ڈالتا نظر آ جائے۔

ان تمام خدشات کے باوجود وہ اور مجاہد شاہد علی پوری توجہ اور انہماک سے دیوار میں سوراخ ڈالنے میں مصروف تھے..... وقفے وقفے سے وہ گھڑی پر بھی نگاہ ڈال لیتے تھے..... رات کا ڈیڑھ بج گیا..... اس دوران کمانڈو شیر خان مطلوبہ گہرائی اور چوڑائی کے صرف دو سوراخ ہی ڈال سکا تھا..... شاہد علی دوسرا سوراخ ڈال رہا تھا..... وہ اِرد گرد بھی ایک نظر ڈال کر دیکھ لیتے تھے..... آہنی زینے پر جھک کر کھڑے کھڑے اور دونوں ہاتھوں سے ڈرل مشین کو مضبوطی سے پکڑے سخت جان ہونے کے باوجود ان کے

جسم کسی وقت اس طرح سن ہو جاتے کہ انہیں اپنے آپ کو نیچے گرنے سے بچانے کے لئے سنبھالنا پڑتا..... انہیں ہر ایک منٹ کے بعد ڈرل مشین کو ایک دو منٹ کے لئے روکنا پڑتا تھا..... یوں بھی وقت ضائع ہو رہا تھا۔

جب رات کے تین بجے کا عمل ہوا تو اچانک ڈیم کی دیوار کے اوپر گاڑیوں کا ہلکا ہلکا شور بلند ہونے لگا..... شیر خان نے ڈرل مشین کو روک کر اوپر دیکھا..... دیوار کے اوپر کافی بلندی پر جنگلے پر گاڑیوں کی روشنیاں پڑ رہی تھیں..... شاید ڈیم پر رات بھر کام کرنے والے واپس جا رہے تھے اور ان کی جگہ دوسرے لوگ آ رہے تھے..... یہ شور اور روشنیاں شاہد علی نے بھی دیکھ لی تھیں..... شیر خان نے اپنے حلق سے کوئل کی مخصوص آواز نکالی..... اس علاقے میں رات کے وقت کوئل کی آواز عام طور پر سنائی دے جاتی تھی..... یہ آواز شاہد علی نے سنی تو سمجھ گیا کہ شیر خان نے واپسی کا سگنل دیا ہے..... وہ سیڑھیاں اترنے لگا..... کمانڈو شیر خان نے بھی ڈرل مشین کو کمر کی بیلٹ کے ساتھ لٹکایا اور نیچے اترنا شروع کر دیا۔

نیچے اتر کر کمانڈو شیر خان ڈھلان کی چڑھائی چڑھانے کے بعد اوپر جنگل کے مخصوص درختوں کے نیچے آ کر بیٹھ گیا..... تھوڑی دیر بعد شاہد علی بھی اندھیرے میں نمودار ہوا اور اس کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔

"کتنا کام ہوا؟" شیر خان نے سرگوشی میں پوچھا۔

"صرف ڈھائی سوراخ ڈال سکا ہوں" شاہد علی نے جواب دیا۔

شیر خان بولا۔

"میں نے پونے تین ڈالے ہیں..... اب واپس چلو"۔

"یہ اوپر گاڑیوں کا شور اور روشنیاں کیسی تھیں؟"۔

شاہد علی کے سوال پر شیر خان نے کہا۔

"میرا خیال ہے ڈیم پر کام کرنے والوں کی شفٹ بدل رہی تھی"۔

اس کے بعد وہ دیوگری کے قلعے کی جانب رات کے اندھیرے میں چل پڑے..... اس بات سے وہ مطمئن بھی تھے اور حیران بھی تھے کہ اتنا مشکل بلکہ سب سے مشکل مرحلہ اتنی آسانی سے طے ہو رہا ہے اور اتنی سکیورٹی کے باوجود وہاں کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہو سکی کہ دو خطرناک ترین کمانڈو ملک کے اتنے بڑے ڈیم کی اتنی مضبوط دیوار کو اُڑانے کے لئے اس میں سوراخ ڈال رہے ہیں..... حقیقت یہ تھی کہ وہاں سکیورٹی کی ساری توجہ کا مرکز وادی کا علاقہ تھا جہاں زیر زمین تہہ خانوں میں لیزر شعاعوں کے سیٹلائٹ پراجیکٹ پر خفیہ طور پر کام ہو رہا تھا..... ڈیم کی دیوار کی طرف سے وہ لوگ مطمئن تھے کہ اس طرف جانے کی کسی کو کیا ضرورت پڑی ہے..... یہ بات تو سکیورٹی والوں کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھی کہ لیزر سیٹلائٹ پراجیکٹ کو تباہ کرنے کے لئے اس بار کمانڈو ایک بالکل ہی نیا داؤ آزما رہے تھے۔

قلعے کی دوسری منزل والے چھوٹے سے ویران کمرے میں ان کا ساتھی بشیر علی سو رہا تھا..... شیر خان اور شاہد علی کے قدموں کی آواز سے وہ جاگ پڑا۔

"سب خیر ہے ناں؟" اس نے اٹھتے ہی پوچھا۔

"سب ٹھیک ہے" شیر خان نے کہا..... "سوئے رہو"۔

بشیر علی دوبارہ سو گیا..... ان کا تھوڑا بہت جو اسلحہ تھا وہ کونے میں ایک چادر میں لپیٹ کر رکھا ہوا تھا..... وہاں کسی کے آنے کا احتمال نہیں تھا..... یہ قلعہ شہر سے دُور جنگل میں تھا..... دوسرے اس کی شہرت اچھی نہیں تھی..... اس قلعے کے بارے میں مشہور تھا کہ یہاں کسی عورت کی بدروح بھٹکتی پھرتی ہے..... اس کے ڈر سے اس طرف کوئی نہیں آتا تھا، چنانچہ اب اس قلعے میں یا کوئی کمانڈو چھپنے کے لئے آ سکتا تھا یا کوئی بھوت یا بدروح ہی آ سکتی تھی..... شیر خان نے کیمیاوی محلول والا پلاسٹک کا لفافہ ایک طرف رکھتے ہوئے کہا۔

"اسے ہم یونہی اپنے ساتھ لے گئے تھے..... آج تو دھماکہ خیز مادہ سوراخوں میں

لگانے کا وقت ہی نہیں تھا"۔

شاہد علی بولا۔

"میں بھی یہی محسوس کر رہا تھا..... یہ کام دیوار میں پورے سوراخ ڈالنے کے بعد اطمینان سے ہی کیا جاسکتا ہے"۔

کمانڈو شیر خان نے کہا۔

"اس میں کوئی شک نہیں کہ ڈیم کی دیوار تو جیسے فولاد کی بنی ہوئی ہے..... اس میں چھوٹی ڈرل مشین سے سوراخ ڈالنا بڑا جان جوکھوں کا کام ہے..... خدا کا شکر ہے کہ ڈرل مشین کی آواز زیادہ نہیں تھی"۔

شاہد علی بولا۔

"مجھے یقین ہے کہ کل رات تک ہم پانچ پانچ سوراخ ڈال سکیں گے"۔

"انشاء اللہ" شیر خان بولا..... اب ہمیں بھی سو جانا چاہئے اور وہ وہیں فرش پر لیٹ گئے۔

دوسرے روز بشیر علی پہلے جاگا..... شیر خان اور شاہد علی دوپہر تک سوئے رہے..... بشیر علی نے اس دوران قلعے کی راہ داری میں آگ جلا کر ایک کیتلی میں ان کے لئے چائے بھی بنا ڈالی تھی اور تھوڑے سے چاولوں کی کھچڑی بھی تیار کر لی تھی..... دوپہر کو اٹھ کر شیر خان اور شاہد علی نے کھچڑی کھا کر چائے پی اور قلعے کے جھروکے کے پاس کھڑے ہو کر باتیں کرنے لگے..... جھروکے میں سے دن کی روشنی اس چھوٹے سے کمرے میں آرہی تھی..... جھروکا قلعے کی دوسری منزل والے کمرے میں تھا..... جھروکے سے باہر درختوں کے اوپر سے دُور ڈیم کی دیوار دن کی روشنی میں دکھائی دے رہی تھی..... شیر خان نے کہا۔

"آج کی رات ہم جتنے بھی سوراخ ڈال سکے ان میں دھماکہ خیز محلول ضرور لگا دینا چاہئے..... جتنا جتنا کام ختم ہوتا جائے اچھا ہے..... دو تین سوراخ اگر رہ بھی جائیں تو

کل رات ان میں دھماکہ خیز مواد بھر دیں گے"۔

شاہد علی نے جیب سے نسواری رنگ کا چھوٹا سا ریڈیو ریموٹ کنٹرول نکال کر شیر خان کو دکھاتے ہوئے کہا۔

"اس ریموٹ کنٹرول کی ایک بات میری سمجھ میں نہیں آئی..... اس ریموٹ کنٹرول میں بٹن صرف ایک ہے جس کو دبانے سے ڈیم کی دیوار میں لگائے گئے کیمیاوی محلول میں دھماکہ ہوگا، لیکن دیوار میں ہم دس جگہوں پر یہ محلول لگا رہے ہیں..... سوال یہ ہے کہ کیا بٹن دبانے سے دس کے دس سوراخوں میں ایک ساتھ دھماکہ ہوگا یا ہمیں باری باری ریموٹ کنٹرول کا بٹن دبا کر دھماکے کرنے ہوں گے؟"۔

شیر خان بولا۔

"یہ ٹیکنالوجی میری سمجھ سے بھی باہر ہے..... بہر حال قاسم جان نے یہی کہا تھا کہ جب دیوار میں کیمیاوی دھماکہ خیز محلول کی نلکیاں لگا چکو تو قلعے میں واپس آکر ریموٹ کنٹرول کا رُخ ڈیم کی دیوار کی طرف کر کے اس کا بٹن دبا دینا..... اس نے یہ نہیں کہا تھا کہ بٹن کو بار بار دبانا..... میں نے اس سے اس بارے میں پوچھا بھی نہیں..... میرا خیال ہے کہ ایک بار بٹن دبانے سے ہمارے لگائے ہوئے دس کے دس سوراخوں میں ایک ساتھ دھماکہ ہوگا"۔

"خدا کرے کہ ایسا ہی ہو" شاہد علی نے کہا۔

سارا دن انہوں نے قلعے کے اس دوسری منزل والے کمرے میں گزار دیا..... سورج غروب ہو گیا..... جنگل میں شام کا اندھیرا چھانے لگا..... بشیر علی کھچڑی گرم کر کے لے آیا..... انہوں نے سر شام ہی کھانا کھا لیا..... اس کے بعد چائے تیار کی گئی..... سارے کا سارا قلعہ ویران پڑا تھا..... وہاں انہیں کوئی پوچھنے والا نہیں تھا..... وہ جس کمرے میں چاہے آگ جلا کر کیتلی میں چائے بنا سکتے تھے..... بشیر علی نے شیر خان سے کہا۔

"آپ لوگ تھوڑی دیر آرام کرلیں..... میں رات کے گیارہ بجے آپ کو جگادوں گا"۔

شیر خان بولا۔

"کمانڈو جب اپنے مشن پر نکلتے ہیں تو سونے اور آرام کرنے کے خیال کو پیچھے ہی چھوڑ آتے ہیں..... اس وقت ہماری ساری توجہ اپنے مشن پر لگی ہوئی ہے"۔

شاہد علی کہنے لگا۔

"گیارہ تو باتیں کرتے کرتے بج جائیں گے..... لاؤ برین گنوں ہی کی صفائی کر لیتے ہیں"۔

شیر علی کونے سے چادر میں لپٹا ہوا اسلحہ اٹھالایا..... انہوں نے موم بتی کی روشنی میں برین گنوں کی چیکنگ وغیرہ کرنی شروع کردی..... اس کے بعد ڈرل مشینوں کی صفائی کرنے لگے، اسی طرح رات گزرتی چلی گئی..... سوا دس بجے رات انہوں نے ٹارگٹ پر جانے کی تیاری شروع کردی..... گیارہ بجنے میں بیس منٹ باقی تھے کہ وہ قلعے سے نکل کر ڈیم کی دیوار کی طرف روانہ ہوگئے..... جنگل کا راستہ ان کا دیکھا بھالا تھا..... ڈیم کی دیوار تک وادی میں سے جاتا سیدھا راستہ پانچ منٹ کا تھا مگر وہ ایک لمبا چکر کاٹ کر جنگل کے ایک ایسے علاقے سے گزر کر جاتے تھے جس طرف سکیورٹی والوں کی موجودگی کا امکان نہیں تھا..... ڈیم کی دیوار کے پاس طے شدہ درختوں کے جھنڈ میں پہنچ کر وہ بیٹھ گئے..... سب سے پہلے شاہد علی دیوار کی جانب اپنے سپاٹ پر گیا..... اس کے بعد کمانڈو شیر خان اٹھا اور دیوار کے ساتھ ساتھ چلنے لگا..... قلعے سے چلتے وقت ہی شیر خان نے دھماکہ خیز مواد کی پانچ نلکیاں مجاہد شاہد علی کو دے دی تھیں کہ اگر وہ اپنے حصے کے پورے سوراخ ڈالنے میں کامیاب ہو جائے تو ان میں دھماکہ خیز نلکیاں فٹ کر کے ان کے مخصوص بٹن اندر کو دبادے..... یہ بٹن مونگ کی دال کے دانے کے برابر تھے اور ان کا تعلق ریڈیو الیکٹرک لہروں سے تھا اور انہوں نے ریموٹ کنٹرول کی

لہروں کو پکڑ کر دھماکہ کرنا تھا۔

پانچ دھماکہ خیز سرنج یعنی نلکیاں شیر خان نے اپنے پاس رکھ لی تھیں..... وہ آج یہ طے کر کے نکلے تھے کہ سارا کام ختم کر کے ہی واپس لوٹیں گے، کیونکہ دوسری کے بعد تیسری رات کا خطرہ مول لینا عقلمندی نہیں تھی..... ڈیم کی دیوار کے ساتھ ساتھ رات کے اندھیرے میں چلتے ہوئے دونوں کمانڈو مجاہد اپنے اپنے ہدف پر پہنچ کر اپنے زینے پر چڑھ گئے اور انہوں نے انتہائی احتیاط کے ساتھ دیوار میں سوراخ ڈالنے کا کام شروع کردیا..... چاروں طرف سے چوکنے اور چوکس ہو کر وہ رات کے تین بجے تک اپنے کام میں لگے رہے..... کمانڈو شیر خان نے دیوار میں پانچوں سوراخ ڈال کر اس کے اندر دھماکہ خیز مواد کے سرنج لگادیئے تھے اور ان کے ریموٹ بٹن بھی دبا دیئے تھے..... اس کام سے فارغ ہو کر وہ آہنی زینے سے نیچے اترا اور اندھیرے میں دیوار کے ساتھ لگ کر چلتا واپس درختوں کے جھنڈ میں آکر بیٹھ گیا..... پندرہ بیس منٹ کے بعد شاہد علی بھی آگیا۔

آتے ہی بولا۔

"میں نے پانچوں سوراخوں میں نلکیاں فٹ کردی ہیں اور ریموٹ کنٹرول کے بٹن بھی دبادیئے ہیں"۔

"میں نے بھی یہ سب کچھ کردیا ہے..... اب یہاں سے نکل چلو"۔

دونوں اٹھے اور جنگل کے اندھیرے میں واپس روانہ ہوگئے..... پچھلی رات کی گہری خاموشی میں جنگل سنسان پڑا تھا..... دونوں اکٹھے چل رہے تھے..... اب انہیں صرف قلعے میں پہنچ کر سورج کے نکلنے کا انتظار کرنا تھا، کیونکہ ریموٹ کنٹرول کی لہریں سورج کی روشنی میں ہی ڈیم کی دیوار میں لگائے ہوئے دھماکہ خیز کیمیاوی مادے میں دھماکہ پیدا کر سکتی تھیں..... اس ریموٹ کنٹرول کی شعاعیں بادلوں میں یا رات کے وقت بے اثر ہو جاتی تھیں۔

بیس پچیس منٹ کے بعد دونوں کمانڈو دیوگری قلعے کی عقبی دیوار کے پاس پہنچ گئے..... یہاں سے انہیں پرانے قلعے کی دیوار کے کونے والے برج سے مڑ کر قلعے کے بڑے دروازے کی طرف جانا تھا..... کمانڈو شیر خان آگے آگے تھا..... وہ جیسے ہی قلعے کی دیوار کے کونے والے برج سے مڑا اس نے دیکھا کہ ایک عورت جس نے دلہنوں والا لباس پہن رکھا ہے قلعے کے دروازے کے باہر کھڑی ہے..... اس کا رُخ شیر خان کی طرف تھا..... شیر خان وہیں رُک گیا اور جلدی سے پیچھے ہو گیا..... پیچھے شاہد علی تھا..... اس نے سرگوشی میں پوچھا۔

"کیا ہوا؟"۔

شیر خان نے کہا۔

"عجیب بات ہے..... قلعے کے دروازے کے باہر ایک عورت دلہن کا لباس پہنے کھڑی ہے"۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے؟" شاہد علی نے کہا۔

شیر خان بولا۔

"لگتا ہے انٹیلی جنس والوں کو شک ہو گیا ہے کہ قلعے میں کچھ تخریبی کام ہو رہا ہے..... انہوں نے اس جاسوس عورت کو دُلہن کے لباس میں بھیجا ہے"۔

شاہد علی بولا۔

"ذرا پیچھے ہٹو..... میں دیکھتا ہوں"۔

شاہد علی نے آگے بڑھ کر دیوار کے کونے میں سے سر باہر نکال کر دیکھا..... قلعے کے دروازے کے باہر کوئی عورت نہیں تھی..... اس نے شیر خان سے دھیمی آواز میں کہا۔

"وہاں تو کوئی بھی نہیں ہے؟"۔

اب شیر خان نے سر آگے کو کر کے دیکھا..... واقعی قلعے کے دروازے کے باہر

ئی نہیں تھا..... اس نے شاہد علی سے کہا۔

"میں نے اپنی آنکھوں سے ایک عورت کو دُلہن کے کپڑوں میں کھڑے دیکھا ہے..... وہ میری طرف دیکھ رہی تھی"۔

شاہد علی بولا۔

"شیر بھائی! یہ تمہارا وہم ہے..... تم نے پہلے بھی کہا تھا کہ قلعے کے بڑے کمرے کے تابوت میں تمہیں ایک عورت کا کٹا ہوا سر نظر آیا تھا..... جب میں نے تمہارے ساتھ جا کر تابوت کھول کر دیکھا تو تابوت سوائے مردے کی ہڈیوں کے کچھ بھی نہیں تھا..... چلو اوپر اپنے ٹھکانے پر چلتے ہیں..... بشیر علی ہمارا انتظار کر رہا ہو گا"۔

کمانڈو شیر خان عجیب ذہنی اُلجھن کی حالت میں شاہد علی کے ساتھ قلعے کے دروازے کی طرف بڑھا..... جب وہ قلعے کے دروازے میں داخل ہونے لگا تو اسے ایسی خوشبو محسوس ہوئی جو عام طور پر دُلہنوں کے لباس سے آیا کرتی ہے..... یہ خوشبو اسی جگہ سے آ رہی تھی جہاں شیر خان نے ایک عورت کو دُلہن کے لباس میں دیکھا تھا..... اس نے شاہد علی سے اس خوشبو کا ذکر نہ کیا..... اس خیال سے کہ وہ اس کا مذاق بنائے گا کہ تم ایک بہادر کمانڈو ہو کر اس قسم کی توہمات کی باتیں کر رہے ہو..... شیر خان نے بھی اپنے آپ کو یقین دلا دیا کہ ہو سکتا ہے یہ اس کی نظر کا فریب ہو اور اس نے کسی عورت کو نہیں دیکھا..... وہ ڈیوڑھی کی اندھیری سیڑھیاں چڑھ کر قلعے کی دوسری منزل والے چھوٹے سے کمرے میں آ گئے جہاں بشیر علی موم بتی روشن کئے بڑی بے تابی سے ان کا انتظار کر رہا تھا..... اس کو دیکھتے ہی بولا۔

"مشن کیسا رہا؟"۔

شیر خان نے کہا۔

"سارا کام بخیر و خوبی ہو گیا ہے، اب صرف ریموٹ کنٹرول کا بٹن دبانا باقی ہے"۔

بشیر علی نے خدا کا شکر ادا کرتے ہوئے کہا۔

"سورج نکلتے ہی انشاءاللہ یہ کام بھی ہو جائے گا"۔

شیر خان نے ریموٹ کنٹرول نکال کر اپنے ہاتھ میں لے لیا اور تینوں کمرے سے
جھروکے کے پاس بیٹھ کر سورج نکلنے کے انتظار میں ایک دوسرے سے باتیں کر
لگے..... جیسے جیسے رات گزر رہی تھی اور سورج نکلنے کا وقت قریب آ رہا تھا ان کی
چینی بڑھتی جا رہی تھی..... یہ بڑے صبر آزما لمحات تھے..... ان کی ساری جدوجہد ا
ساری کامیابی کا دارومدار ریموٹ کنٹرول کے سرخ بٹن پر تھا جس کے دبانے سے بار
باری ڈیم کی دیوار میں لگائے ہوئے دھماکہ خیز کیمیاوی مواد نے پھٹنا تھا۔

یہ ریموٹ کنٹرول سورج کی شعاعوں میں زیادہ کارگر ثابت ہوتا تھا اور اس
کامیابی کے سو فیصد امکانات تھے..... کم از کم شیر خان کو قاسم جان نے یہی بتایا تھا، لیکن
عین وقت پر کچھ بھی ہو سکتا تھا..... ریموٹ کنٹرول کا بٹن جام ہو سکتا تھا..... ڈیم
دیوار میں لگایا ہوا دھماکہ خیز مواد ریموٹ کی شعاعوں کو بے اثر کر سکتا تھا..... اسی قسم
کے خدشات بار بار شیر خان کے ذہن میں پیدا ہو رہے تھے..... مجاہد شاہد علی بھی کچھ
اسی قسم کے خیالات میں اُلجھا ہوا تھا..... ایک بار اس نے کمانڈو شیر خان کے آگے ا
خدشات کا اظہار بھی کیا جس کے جواب میں شیر خان نے کہا۔

"ہمیں جو کچھ کرنا تھا وہ کر چکے ہیں..... آگے سارا معاملہ اللہ تعالیٰ کے اختیار میں
ہے..... دعا کرو کہ ہماری محنت رائیگاں نہ جائے"۔

بشیر علی موم بتی کی روشنی میں دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے آنکھیں بند کئے بیٹھا
تھا..... شیر خان اور شاہد علی تھوڑی تھوڑی دیر بعد اپنی گھڑیوں پر وقت دیکھ لیتے تھے۔

آخر جھروکے کے باہر آسمان پر صبح کا ہلکا ہلکا نور جھلکنے لگا..... تینوں مجاہد ہوشیار
ہو کر بیٹھ گئے..... اس وقت رات کے چار بج کر دس منٹ ہوئے تھے..... جھروکے کا
رُخ ڈیم کی دیوار کی جانب تھا..... سورج کو بھی اسی رُخ پر طلوع ہونا تھا..... وہ جھروکے
کے ساتھ لگ کر کھڑے ہو گئے..... دُور مشرقی افق پر طلوع آفتاب سے پہلے کی سرخی

پھیلنا شروع ہو گئی تھی..... نیچے پیالہ نما وادی کے درخت اور جھاڑیاں نظر آنے لگی
تھیں..... دو ٹرک نظر آئے..... ایک ٹرک زیر زمین لیزر سیٹلائٹ پراجیکٹ کے
سرنگ نما دروازے میں سے نکل کر اوپر کچی سڑک کی طرف جا رہا تھا..... دوسرا ٹرک
سڑک کی ڈھلان سے اتر کر پراجیکٹ کی سرنگ کی طرف بڑھ رہا تھا..... ڈیم کی دیو پیکر
دیوار اب صاف نظر آ رہی تھی..... شیر خان اور شاہد علی کی نگاہیں مشرقی اُفق پر لگی
ہوئی تھیں..... مجاہد شاہد علی بے اختیار بولا۔

"یا اللہ پاک! ہماری لاج رکھ لینا"۔

کمانڈو شیر خان خاموش تھا اور اُفق کے کناروں کو دیکھ رہا تھا، جہاں سورج کی
اولیں کرنیں مشرقی آسمان کو روشن کر چکی تھیں..... شاہد علی نے آہستہ سے پوچھا۔

"کیا ہمیں پورا سورج نکلنے کا انتظار کرنا ہو گا؟"۔

شیر خان نے سورج کے روشن سرخ کنارے کو نمودار ہوتے دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

"ہم اس وقت بٹن دبائیں گے جب سورج پورے کا پورا آسمان پر نمودار ہو چکا
ہو گا"۔

سورج کا سرخ تھال آہستہ آہستہ بلند ہو رہا تھا..... اس کی سرخ روشنی جھروکے
میں کھڑے تینوں مجاہدوں پر پڑ رہی تھی..... جب سورج پورے کا پورا آسمان پر نکل آیا
تو کمانڈو شیر خان نے ریموٹ کنٹرول کا رُخ ڈیم کی دیوار کی طرف کرتے ہوئے کہا۔

"میں بٹن دبانے لگا ہوں..... بسم اللہ"۔

اور کمانڈو شیر خان نے بسم اللہ پڑھ کر ریموٹ کا سرخ بٹن دبا دیا..... اس وقت
طلوع ہوتے سورج کی سرخ کرنیں ریموٹ پر پڑ رہی تھیں..... ان کو یقین تھا کہ بٹن
کے دباتے ہی ڈیم کی دیوار پر پہلا دھماکہ ہو گا، لیکن کچھ نہ ہوا..... شیر خان اور شاہد علی
مایوسی اور حیرت کے عالم میں ایک دوسرے کو دیکھنے لگے..... شاہد علی نے کہا۔

"شیر خان! ایک بار پھر کوشش کرو"۔

شیر خان نے ریموٹ کا رُخ ڈیم کی دیوار کی طرف کر کے دوسری بار سرخ بٹ
دبادیا..... اس کے ساتھ ایک کڑاکے کی آواز آئی جس سے ساری وادی گونج اٹھی..
یہ ایسی آواز تھی جیسے کسی جگہ آسمانی بجلی گری ہو..... مجاہدوں کے چہرے خوشی
چمک اٹھے..... شاہد علی نے کہا۔

"شیر خان! دوسرے ٹارگٹ کو اُڑا دو"۔

شیر خان نے ریموٹ کا رُخ بائیں طرف کیا اور سرخ بٹن دبادیا..... اس بار بھ
وہی کڑاکا پیدا ہوا اور پھر زبردست دھماکے کی آواز آئی..... ڈیم کی دیوار کے دو شگافو
میں لگایا ہوا کیمیاوی مواد پھٹ کر دیوار کو دو جگہوں سے توڑ چکا تھا، مگر دیوار اتنی مضبو
تھی کہ ابھی تک ڈیم سلامت تھا۔

شاہد علی نے پریشان سا ہو کر کہا۔

"دیوار نہیں ٹوٹی شیر خان، کام غلط ہو گیا ہے"۔

کمانڈو شیر خان نے کوئی جواب نہ دیا اور تیسری بار بٹن دبادیا..... تیسرا کڑاکے دا
دھماکہ ہوا..... اب ساری وادی ڈیم کے خطرے کے الارم سے گونج اٹھی تھی اور واد
میں کئی فوجی گاڑیاں اِدھر سے اُدھر دوڑتی بھاگتی نظر آنے لگی تھیں..... دن کی رو
چاروں طرف پھیل چکی تھی..... ڈیم کی دیوار اسی طرح کھڑی تھی اور کسی شگاف سے
سے پانی دیوار کو توڑ کر باہر نہیں نکلا تھا..... کمانڈو شیر خان نے باری باری سار
شگافوں میں لگے ہوئے دھماکہ خیز کیمیاوی مواد کو بٹن دبا کر اُڑا دیا..... کیمیاوی موا
ضرور اُڑ گیا تھا مگر ڈیم کی دیوار اسی طرح کھڑی تھی اور کسی جگہ سے پانی دیوار توڑ کر با
نکلتا دکھائی نہیں دے رہا تھا، لیکن ایسی بات نہیں تھی۔

یہ مجاہد ڈیم کی دیوار سے بہت دُور قلعے کے کھنڈر کے جھروکے میں کھڑے
تھے..... ڈیم کی دیوار کے ساتھ ان دھماکوں اور کڑاکوں نے جو سلوک کیا تھا اسے ڈیم کی
سکیورٹی کے فوجی اور حفاظتی عملے کے لوگ ڈیم کی دیوار کے اوپر جنگلے کے ساتھ اِدھ

اُدھر دیوانہ وار بھاگتے ہوئے دیکھ رہے تھے کہ دیوار کئی جگہوں سے تڑخ چکی ہے اور
دیوار گڑگڑاہٹ کی آواز کے ساتھ لرزنا شروع ہو گئی ہے..... ڈیم کے سارے کے
سارے عملے میں افراتفری کا سا عالم تھا..... ہنگامی حفاظتی تدابیر اختیار کی جارہی
تھیں..... خطرے کا الارم مسلسل چیخ رہا تھا۔

پھر ایک بھیانک آواز بلند ہوئی..... یہ آواز ایسی تھی جیسے کوئی بہت بڑا پہاڑ اپنی
جگہ سے اُچھل کر سمندر میں جا گرا ہو..... اس وقت شیر خان بشیر علی اور مجاہد شاہد علی
نے دیکھا کہ دُور ڈیم کی دیوار میں ایک جگہ سے پانی کی کئی سو فٹ لمبی دھار دیوار توڑ کر
باہر کو نکل آئی تھی..... اس کے فوراً بعد ایک اور دھماکہ ہوا اور ڈیم کی دیوار کے
دوسرے شگاف کو توڑ کر پانی کی طوفانی اور بہت موٹی اور لمبی دھار باہر کو نکل آئی.....
مجاہد شاہد علی نے کمانڈو شیر خان کے دونوں ہاتھوں سے کندھے پکڑتے ہوئے کہا۔

"شیر خان! خدا نے ہماری دُعا سن لی ہے..... ڈیم ٹوٹ رہا ہے"۔

جھانسی کی خفیہ تنظیم کا رضاکار مجاہد بشیر علی بھی یہ سارا منظر دیکھ رہا تھا، کہنے لگا۔

"ہمیں اب زیادہ دیر یہاں نہیں ٹھہرنا چاہئے..... فوج اس سارے علاقے کو
گھیرے میں لے لے گی"۔

کمانڈو شیر خان نے کہا۔

"جب تک ڈیم ٹوٹ نہیں جاتا اور پانی کا سمندر زیر زمین پراجیکٹ میں داخل
نہیں ہو جاتا ہمیں اس جگہ ٹھہرنا ہوگا"۔

انہیں زیادہ انتظار نہ کرنا پڑا..... ڈیم کی دیوار دس جگہوں سے ٹوٹ چکی تھی اور
ذخیرے کئے ہوئے کروڑوں ٹن پانی کا دباؤ جب دیوار پر پڑا تو دیوار اس دباؤ کو برداشت
نہ کر سکی اور دیکھتے ہی دیکھتے ریت کی دیوار کی طرح بیٹھ گئی اور کروڑوں ٹن پانی طوفانی
سمندر کے ریلے کی طرح دیوار کے چٹانی پتھروں کو خس و خاشاک کی طرح اُڑاتا ہوا
طوفان نوحؑ کی طرح وادی کی طرف بڑھا..... یہ ایک قیامت خیز طوفانی منظر تھا جس

میں پانی کی طوفانی موجوں کا شور ڈیم کے الارم فوجی گاڑیوں کی بھاگ دوڑ اور فوجیوں کی چیخ وپکار کے شور میں گڈمڈ ہو رہا تھا۔

ڈیم کا پانی طوفان خیز سمندر بن کر وادی میں آگیا اور شور مچاتا، جھاگ اُڑاتا، جھاڑیوں اور درختوں کو اُکھاڑ تا زیر زمین لیزر سیٹلائٹ پراجیکٹ کی سرنگ کی ڈھلان پر کئی سو فٹ فی سیکنڈ کی رفتار کے ساتھ چیختا چنگھاڑ تا سرنگ میں داخل ہوا اور اس نے سرنگ کو فرش سے لے کر چھت تک اپنی لپیٹ میں لے لیا اور زیر زمین تہہ خانے اور پراجیکٹ کی لیبارٹریاں اور ان کا ساز وسامان وہاں پر کام کرتے عملے کے لوگ چند سیکنڈ کے اندر اندر ڈیم کے سیلاب میں غرق ہو گئے اور وہ کسی کو مدد کے لئے بھی نہ بلا سکے۔

ڈیم کے سیلاب نے چند لمحوں میں پیالہ نما وادی کو پانی سے لبریز کر دیا..... جہاں پہلے درخت جھاڑیاں اور فوجی گاڑیاں دوڑتی بھاگتی نظر آرہی تھیں اب وہاں پانی ہی پانی تھا..... سمندر ہی سمندر تھا..... اپنے مشن کو اپنی آنکھوں کے سامنے کامیاب ہوتے دیکھ کر تینوں مجاہد، کمانڈو شیر خان، بشیر علی اور مجاہد شاہد علی قلعے کے دوسرے دروازے سے نکل کر جنگل کے مشرقی کنارے کی طرف چلنے لگے..... ڈیم کے پانی کا سیلاب اب قلعے کے بڑے دروازے کی طرف بڑھ رہا تھا..... جنگل سے نکل کر وہ روہت گڑھ کے سٹیشن کو جانے والی سڑک پر آئے تو وہاں دُور انہیں کئی فوجی گاڑیاں کھڑی نظر آئیں..... بشیر علی نے کہا۔

"ہمیں اس طرف سے نہیں جانا چاہئے..... میرے ساتھ آؤ"۔

اور وہ شیر خان اور شاہد علی کو لے کر ایک گھاٹی میں اُتر گیا۔

تینوں مجاہد مشرقی ٹیلوں میں سے ہوتے ہوئے روہت گڑھ کے سٹیشن پر پہنچ گئے..... بشیر علی اور شیر خان دیہاتی لباس میں تھے جبکہ مجاہد شاہد علی سپیرے کے بھیس میں تھا..... سٹیشن پر بھی عجیب افراتفری مچی ہوئی تھی..... ڈیم کی تباہی کی خبر یہاں پہنچ چکی تھی..... ریلوے پولیس کے علاوہ ملٹری پولیس کے جوان بھی اِدھر اُدھر دوڑ بھاگ کر رہے تھے..... تینوں کمانڈو مجاہد منصوبے کے مطابق ایک دوسرے سے الگ ہو کر پلیٹ فارم پر بیٹھے جھانسی کی طرف جانے والی ٹرین کا انتظار کر رہے تھے..... ٹکٹ انہوں نے خرید کر رکھ لئے تھے..... دُور بیٹھ کر بھی وہ ایک دوسرے کی خبر گیری کر رہے تھے..... جگہ جگہ پلیٹ فارم پر مسافر ٹولیوں میں ڈیم کی تباہی کے بارے میں باتیں کر رہے تھے..... یہ بہت بڑی تباہی تھی، بہت بڑا سانحہ تھا..... یہ بات شیر خان اور شاہد علی سے پوشیدہ نہیں تھی کہ جھانسی تک اس سارے علاقے میں پولیس اور ملٹری انٹیلی جنس اور فوجی چوکس ہو گئے ہوں گے..... اگرچہ وہ سپیرے اور دیہاتی لباس میں تھے، اس کے باوجود بے حد محتاط رہ کر جھانسی تک سفر کرنا تھا۔

ٹرین آکر رُکی..... تینوں کمانڈو مجاہد الگ الگ ڈبوں میں ایک دوسرے کو دیکھتے ہوئے سوار ہو گئے..... ٹرین چل پڑی..... جھانسی تک پچاس کلو میٹر کا سفر تھا..... ٹرین جھانسی پہنچی تو کمانڈو شیر خان کو پلیٹ فارم پر کچھ خلاف معمول سا ماحول محسوس ہوا..... ٹرین کے رکتے ہی وہ ڈبے سے نکل کر ان ڈبوں کی طرف دیکھنے لگا جہاں مجاہد

شاہد اور بشیر علی سوار ہوئے تھے..... دوسرے مسافروں کے ساتھ وہ بھی ڈبوں سے باہر آگئے..... انہوں نے بھی دُور سے کمانڈو شیر خان کو دیکھ لیا تھا اور پہلے کی طرح یہاں بھی الگ الگ ہو کر پلیٹ فارم کے گیٹ کی طرف بڑھے۔

کمانڈو شیر خان کے تجربے نے بتادیا تھا کہ یہاں معاملہ کچھ گڑبڑ ہے، چنانچہ اس نے پلیٹ فارم کے گیٹ کی طرف جانے کی جلدی نہ کی اور دوسرے مسافروں کے پیچھے رُک رُک کر چلنے لگا..... اس نے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا..... وہ بھی کچھ فاصلے پر مسافروں کے ساتھ گیٹ کی طرف بڑھ رہے تھے..... ان کے آگے بڑھنے کے انداز سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ کمانڈو شیر خان کی طرح ان میں سے کسی نے خطرے کی بو محسوس نہیں کی..... پلیٹ فارم کے گیٹ کے قریب آکر اچانک کمانڈو شیر خان نے فوج کے دس بارہ سپاہیوں کو گیٹ کی دوسری طرف ڈیوڑھی میں کھڑے دیکھا..... دو فوجی افسر گیٹ سے نکلنے والے مسافروں کو بڑے غور سے دیکھ رہے تھے جس مسافر پر انہیں ذرا سا بھی شک پڑتا اسے روک کر ڈیوڑھی میں فوجی جوانوں کے حوالے کر دیتے..... فوجی سپاہیوں کے پاس پہلے سے دو مسافر چپ چاپ مگر گھبرائے ہوئے کھڑے تھے..... ظاہر ہے ان سے پوچھ گچھ کی جانے والی تھی۔

بھارت کے ایک بہت بڑے ڈیم کے ساتھ ان کے ایک اہم ترین زیر زمین خفیہ لیزر سیٹلائٹ پراجیکٹ کی تباہی ہوئی تھی..... پولیس اور فوج کی انٹیلی جنس جس قدر سخت اقدامات کرتی وہ حق بجانب تھی..... یہ ٹرین روہت گڑھ سے آرہی تھی اور اسی جگہ ڈیم غرق ہوا تھا..... فوج کی سخت سکیورٹی کو دُور ہی سے دیکھ کر کمانڈو شیر خان ایک طرف ہو کر کھسک گیا اور ایک لوہے کے چوکور ستون کی آڑ میں کھڑے ہو کر بشیر علی اور مجاہد شاہد علی کو تکنے لگا، کیونکہ وہ گیٹ کے بالکل قریب پہنچ چکے تھے..... وہاں پہنچ کر ان کی نظر فوجی سپاہیوں پر پڑی تھی، مگر اب دیر ہو چکی تھی..... وہ گیٹ پر آگئے تھے اور فوجی افسر نے بھی انہیں دیکھ لیا تھا..... بشیر علی تو عام دیہاتیوں کے لباس میں تھا اور

چونکہ اس علاقے کا رہنے والا تھا اس لئے وہاں کے دیہاتیوں کی زبان آسانی سے بول لیتا تھا۔

مجاہد شاہد علی سپیرے کے بھیس میں تھا اور اس علاقے کی دیہاتی زبان سے اتنا واقف نہیں تھا..... فوجی افسر نے بشیر علی کو گہری نگاہ سے دیکھا اور اسے دیہاتی سمجھ کر جانے دیا..... جب شاہد علی سپیرے کے بھیس میں اس کے قریب سے گزرنے لگا تو فوجی افسر نے اسے روک دیا..... اس نے شاہد علی سے پوچھا۔

"کہاں سے آرہے ہو؟"۔

"روہت گڑھ سے آرہا ہوں جور" شاہد علی نے اس علاقے کے سپیروں کی زبان بولنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا..... ہندو فوجی افسر بھی اسی علاقے کا رہنے والا تھا اور وہاں کے سپیرے کس لہجے میں بات کرتے ہیں یہ وہ جانتا تھا..... اس نے شاہد علی سے دوسرا سوال کیا۔

"تمہارا نام کیا ہے؟"۔

شاہد علی نے اپنا جو نام پہلے سے سوچ رکھا تھا وہ بتادیا..... فوجی افسر نے پوچھا۔

"روہت گڑھ میں تم کیا کرنے گئے تھے؟"۔

شاہد علی نے کہا۔

"مہاراج جی! وہاں جنگل میں سانپ پکڑنے گیا تھا جی"۔

فوجی افسر بھی ملٹری انٹیلی جنس کا افسر تھا..... سمجھ گیا کہ یہ سپیرا نہیں ہے بلکہ سپیرے کے بھیس میں کوئی اور ہی شخص چھپا ہوا ہے..... اس نے کہا۔

"تمہارا لہجہ سپیروں والا نہیں ہے..... سچ سچ بتادو کہ تم کون ہو اور کہاں سے آرہے ہو"۔

شاہد علی نے کہا۔

"مہاراج جی! میں سپیریا منگلا ہوں جور جا کر میرے ڈیرے والوں سے پوچھ لیں"۔

ہندو فوجی افسر نے فوجی جوانوں کو اشارہ کیا..... دو فوجی ایک دم آگے بڑھے اور انہوں نے مجاہد شاہد علی کو اسی وقت ہتھکڑی لگادی..... شاہد علی احتجاج کرنے لگا..... ہندو فوجی افسر نے سپاہیوں سے کہا۔

"اسے لے چلو"۔

دو فوجی سپاہی شاہد علی کو لے کر سٹیشن کی ڈیوڑھی سے باہر نکل کر ایک فوجی گاڑی میں سوار ہوگئے اور فوجی گاڑی آگے کو روانہ ہوگئی..... یہ سارا منظر کمانڈو شیر خان گیٹ سے دُور پلیٹ فارم پر آہنی ستون کی آڑ میں چھپ کر کھڑا دیکھ رہا تھا..... دوسری بار ایسا ہوا تھا کہ مجاہد شاہد علی اپنی ناسمجھی اور ناتجربہ کاری کی وجہ سے، دشمن کے ہتھے چڑھ گیا تھا، لیکن اس بار شاہد علی کا اتنا قصور نہیں تھا پلیٹ فارم کی فضا میں جو خطرے کی ہلکی اور بے معلوم سی بو رچی ہوئی تھی اس کو کمانڈو شیر خان ایسا کمانڈو ہی محسوس کر سکتا تھا۔

جھانسی کی خفیہ تنظیم کا مجاہد بشیر علی نکل گیا تھا..... مجاہد شاہد علی ملٹری پولیس کے قابو آگیا تھا..... یہ ایک افسوس ناک بات ہوئی تھی..... شیر خان جانتا تھا کہ شاہد علی موت کو سینے سے لگالے گا لیکن اپنے ساتھیوں اور جھانسی کی خفیہ تنظیم کے قاسم جان اور بشیر علی وغیرہ کا کبھی نام نہیں لے گا..... اس کے باوجود شیر خان کو اس کی زندگی کی فکر تھی..... شاہد علی کشمیر کے محاذ پر لڑنے والا ایک شیر دل مجاہد تھا..... اسے ہر حالت میں زندہ رہنا چاہئے تھا..... وہ دل میں دعا مانگنے لگا کہ شاہد علی کسی طرح دشمن کے چنگل سے فرار ہونے میں کامیاب ہو جائے۔

کمانڈو شیر خان اپنے بارے میں فکر مند تھا، کیونکہ وہ ابھی تک جھانسی ریلوے سٹیشن کی حدود کے اندر تھا اور اس نے محسوس کر لیا تھا کہ سٹیشن کے اِرد گرد جگہ جگہ ملٹری انٹیلی جنس اور سول پولیس کے سپاہی موجود تھے اور ہر آنے جانے والے سے سوال جواب کر رہے تھے..... جھانسی ریلوے سٹیشن کے گرد و نواح سے کمانڈو شیر خان

اتنا واقف نہیں تھا..... اسے اتنا ضرور معلوم تھا کہ اگر وہ ریل کی پٹڑی کے ساتھ ساتھ بمبئی ریلوے لائن پر میل ڈیڑھ میل تک چلتا رہے تو ایک چھوٹی نہر کا پل آتا ہے..... یہ نہر شہر جھانسی کی طرف جاتے ہوئے جھانسی کی مشہور رانی جھانسی کے قلعے کے عقب سے ہو کر گزرتی ہے..... وہاں شہر کا وہ مندر تھا جہاں سے ایک راستہ ان ٹیلوں کی طرف جاتا تھا جہاں مجاہدین جھانسی کا عارضی خفیہ ٹھکانہ تھا، چنانچہ وہ چپکے سے پلیٹ فارم کے نیچے ریل کی پٹڑی پر اتر گیا اور پیچھے بمبئی روہت گڑھ کی طرف چلنے لگا۔

وہ دیہاتی لباس میں تھا..... اس طرف پولیس کا کوئی سپاہی بھی نظر نہیں آرہا تھا..... انٹیلی جنس والا اگر کوئی تھا تو شیر خان بڑا محتاط ہو کر دیہاتیوں والی بے نیازی سے چل رہا تھا..... تاکہ کسی کو اس پر شک نہ پڑے..... ٹکٹ اس کی پرانی صدری کی جیب میں تھا..... کسی کے پوچھنے پر وہ ٹکٹ دکھا سکتا تھا..... اس نے ذہن میں یہ بھی سوچ لیا تھا کہ کسی کے پوچھنے پر اسے کیا کہنا ہوگا کہ وہ کہاں جا رہا ہے۔

وہ سٹیشن کی عمارت سے باہر نکل آیا تھا اور بمبے ریلوے لائن سے اتر کر کھیت کی پگ ڈنڈی پر چل رہا تھا..... سامنے سے آتی ہوئی ایک بیل گاڑی گزری..... دیہاتی گاڑی بان نے کمانڈو شیر خان کو رام رام بھیا کہا تو اس نے بھی جواب میں رام رام بھیا کہہ دیا..... ایک سوا ایک میل کا فاصلہ طے کرنے کے بعد ندی کا پل آگیا..... شیر خان ریلوے لائن سے اترا اور ندی کے ساتھ ساتھ رانی جھانسی کے تاریخی قلعے کی طرف چلنے لگا۔

اب وہ خطرے کے مقام سے کافی حد تک دُور ہو گیا تھا۔

پھر بھی وہ بہت محتاط تھا اور چاروں طرف سے باخبر ہو کر چل رہا تھا..... آدھ گھنٹہ چلنے کے بعد وہ تاریخی قلعے کی عقبی دیوار کے پاس پہنچ گیا..... یہاں سے اس نے ندی کو خدا حافظ کہا اور قلعے کی دیوار کے ساتھ ساتھ چلتا ایک بڑی سڑک پر آگیا جس کی دوسری طرف مندر تھا..... سڑک پر ٹریفک گزر رہی تھی..... پولیس کا کوئی سپاہی

نظر نہیں آرہا تھا۔

کمانڈو شیر خان نے ایک جگہ سے سڑک عبور کی اور مندر کی طرف چلا..... مندر میں پجاری لوگ آ جا رہے تھے..... ان میں عورتیں بھی تھیں اور مرد بھی تھے..... دوسرے لوگوں کے ساتھ وہ بھی مندر میں داخل ہو گیا اور تلاش کرتے کرتے اس نے مندر کا پچھلا دروازہ تلاش کر لیا اور اس میں سے گزر کر وہ سامنے جہاں دُور اونچے نیچے بھورے رنگ کے ٹیلے دکھائی دے رہے تھے، کی طرف چلنے لگا..... ان ٹیلوں کے درمیان ایک جگہ جھانسی کے مجاہدوں کا خفیہ ٹھکانہ تھا۔

کمانڈو شیر خان خفیہ ٹھکانے پر پہنچ کر مجاہد قاسم جان کو سارے حالات سے باخبر کرنا چاہتا تھا..... اسے یقین تھا کہ مجاہد بشیر علی بھی وہاں پہنچ چکا ہو گا..... جب وہ ٹیلوں کے خفیہ راستوں سے گزرتا ہوا خفیہ ٹھکانے پر پہنچا تو سب سے پہلے اسے بشیر علی ہی ملا..... اس نے پہلا جملہ یہ کہا۔

"شاہد علی کو فوج پکڑ کر لے گئی ہے..... میں نے خود اسے فوجی سپاہیوں کے ساتھ جیپ میں سوار ہوتے دیکھا ہے"۔

شیر خان نے جواب میں کہا۔

"میں نے بھی دیکھ لیا تھا..... سکیورٹی بڑی سخت تھی..... تم خوش قسمت تھے کہ گیٹ سے نکلنے میں کامیاب ہو گئے..... میں تو ڈیوڑھی میں فوج کو دیکھ کر وہیں رُک گیا تھا اور ایک ستون کی اوٹ میں چھپ کر شاہد علی کو فوجی افسر کے سوالوں کا جواب دیتے دیکھ رہا تھا..... بس کہیں نہ کہیں شاہد علی سے کوئی غلطی ہو گئی ہو گی اور فوجی اسے پکڑ کر لے گئے..... بشیر علی شیر خان کو کمانڈو قاسم جان کے پاس لے گیا..... قاسم جان نے شیر خان کو مشن کی کامیابی کی مبارک باد دی اور اس بات پر تشویش کا اظہار کیا کہ شاہد علی کو فوج پکڑ کر لے گئی ہے..... شیر خان قاسم جان کے سامنے بیٹھ گیا تھا۔

اس نے پوچھا۔

"آپ کے خیال میں فوج شاہد علی کو کہاں لے گئی ہو گی؟"۔

قاسم جان کچھ سوچ کر بولا۔

"فوج کا ہیڈ کوارٹر تو قلعے میں ہی ہے..... وہیں لے گئی ہو گی، کیونکہ ملٹری انٹیلی جنس کا انٹیروگیشن سینٹر بھی قلعے ہی میں ہے"۔

شیر خان نے کہا۔

"ہمیں شاہد علی کو وہاں سے نکالنے کی بھرپور کوشش کرنی ہو گی"۔

قاسم جان بولا۔

"تم فکر کیوں کرتے ہو..... شاہد علی کی حفاظت ہمارا فرض ہے..... ہم سب سے پہلے یہ کھوج لگائیں گے کہ اسے کس جگہ قید میں رکھا گیا ہے..... اس کے بعد اپنے تمام وسائل کو کام میں لاتے ہوئے اسے وہاں سے نکالنے کی کوشش کریں گے"۔

اس کے بعد قاسم جان کہنے لگا۔

"آج صبح صبح مجھے کشمیر کے محاذ سے کمانڈو ترابی کا خفیہ پیغام موصول ہوا ہے جس میں اس نے تمہیں اور مجاہد شاہد علی کو کسی اہم مشن کی خاطر کشمیر بلایا ہے..... شاہد علی تو اب تمہارے ساتھ نہیں جا سکتا..... میں چاہتا ہوں کہ تم کمانڈو ترابی سے جتنی جلدی جا کر مل سکتے ہو ملو..... یہ کوئی ایمرجنسی مشن ہے جس کے لئے اس نے خاص طور پر تم دونوں کو بلایا ہے"۔

کمانڈو شیر خان بولا۔

"میں آج رات ہی یہاں سے نکل جاؤں گا لیکن شاہد علی کی مجھے فکر رہے گی"۔

قاسم جان نے کہا۔

"اس کی فکر نہ کرو..... اگر شاہد علی زندہ ہے تو ہم کسی نہ کسی طرح اس کا کھوج لگا کر اسے چھڑا لائیں گے، لیکن تمہیں بھی یہاں سے نکلتے وقت بڑا ہوشیار رہنا پڑے گا..... تم لوگوں نے جو کام کر دکھایا ہے اس نے انڈین گورنمنٹ کو ہلا کر رکھ دیا ہے.....

سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ فوج نے شہر کو گھیرے میں نہ لے لیا ہو..... شاہد علی کا پکڑ جانا اس بات کا ثبوت ہے کہ فوج اور انٹیلی جنس مکھیوں کی طرح شہر کے اندر اور باہ بھنبھنا رہی ہے"۔

کمانڈو شیر خان کہنے لگا۔

"آپ مجھے کیا مشورہ دیتے ہیں..... مجھے ٹرین کے ذریعے سفر کرنا چاہئے نہیں؟"۔

قاسم جان نے کہا۔

"ٹرین میں سفر کرنا خطرناک ہوگا..... بشیر علی تمہارے ساتھ جائے گا..... رات کو جھانسی سے بار بردار ٹرک مال لے کر گوالیار آگرہ کی طرف چلتے ہیں..... بشیر علی تمہیں کسی ٹرک میں بٹھادے گا..... گوالیار یا آگرہ پہنچ کر تم بے شک دلی تک کو ٹرین پکڑ لینا"۔

رات کے گیارہ بجے بشیر علی کے ساتھ شیر خان خفیہ کمیں گاہ سے نکل کر ٹرک اڈے کی طرف چل پڑا..... بشیر علی کی ٹرک اڈے پر ایک ٹھیکیدار سے اچھی خاص واقفیت تھی..... اس نے کمانڈو شیر خان کو ایک بہت بڑے مال بردار ٹرک پر بٹھادیا گوالیار جارہا تھا..... اس کا ڈرائیور بھی مسلمان تھا..... اس نے شیر خان کو اپنی ساتھ وا سیٹ پر بٹھالیا..... ٹرک گوالیار آگرہ دلی جانے والی شاہراہ پر روانہ ہوگیا۔

ٹرک پر بہت بوجھ لدا ہوا تھا جس کی وجہ سے اس کی رفتار زیادہ نہیں تھی... کمانڈو شیر خان ٹرک میں بیٹھ تو گیا تھا لیکن وہ اس حقیقت سے بے خبر نہیں تھا کہ ٹرک دہلی بمبئی شاہراہ پر چل رہا ہے اور اس علاقے میں انتہائی خطرناک ہنگامی صورت حا پیدا ہوگئی ہے اور کسی بھی جگہ کم از کم گوالیار تک فوج یا پولیس ٹرک روک کر چیکنگ کر سکتی ہے، مگر شیر خان کے سامنے دوسرا کوئی راستہ نہیں تھا..... ایک مسئلہ یہ بھی کہ ٹرک صرف گوالیار تک جارہا تھا..... وہاں سے شیر خان کو دلی تک کے لئے کو

ٹرین وغیرہ پکڑنی تھی اور کچھ پتہ نہیں تھا کہ آدھی رات کے وقت کوئی ٹرین ملے گی بھی یا نہیں۔

ٹرک اگر عام رفتار سے چل رہا ہوتا تو وہ ڈیڑھ پونے دو گھنٹے کے اندر جھانسی پہنچ جاتا، لیکن زیادہ بوجھ کی وجہ سے اس کی رفتار کم ہوگئی تھی..... گوالیار تک خیریت رہی..... راستے میں کسی جگہ کسی فوجی یا پولیس کی چیک پوسٹ سے واسطہ نہ پڑا..... شیر خان نے مسلمان ٹرک ڈرائیور کو کہہ دیا تھا کہ وہ اسے گوالیار کے ریلوے سٹیشن کے قریب اتار دے..... اس نے ایسا ہی کیا..... ٹرک سے اُتر کر کمانڈو شیر خان سڑک پر ایک طرف ہوگیا..... اس نے بڑے غور سے سڑک کا جائزہ لیا..... رات کا پچھلا پہر شروع ہوچکا تھا..... سڑک ویران اور خالی پڑی تھی..... کچھ فاصلے پر ریلوے سٹیشن کی روشنیاں نظر آرہی تھیں۔

شیر خان خاموشی سے سڑک کے کنارے کنارے چلتا سٹیشن پر آگیا..... سٹیشن پر بھی زیادہ لوگ نہیں تھے..... بکنگ آفس کی کھڑکی کھلی تھی، اس وقت شیر خان عام لباس یعنی قمیض پتلون میں تھا اور پاؤں میں بوٹ پہن رکھے تھے..... کسی قسم کا اسلحہ یا چاقو وغیرہ اس کے پاس نہیں تھا..... جیب میں دو ڈھائی سو روپے تھے..... معلوم ہوا کہ صبح چھ بجے ایک ٹرین بھوپال سے آئے گی وہی دلی جائے گی..... شیر خان دلی کا ٹکٹ لے کر پلیٹ فارم پر آکر کونے کے بنچ پر بیٹھ گیا..... اسے کم از کم ڈھائی تین گھنٹے انتظار کرنا تھا..... پلیٹ فارم پر چونکہ چند ایک مسافر ہی بیٹھے تھے اور پولیس کا کوئی سپاہی بھی نہیں تھا اس لئے شیر خان کو یہ جگہ محفوظ نظر آئی تھی..... اسے کیا معلوم تھا کہ جس جگہ کو وہ محفوظ سمجھ رہا تھا وہی اس کے لئے سب سے زیادہ خطرناک ثابت ہوگی۔

اسے پلیٹ فارم پر بیٹھے دس پندرہ منٹ ہی ہوئے تھے کہ اچانک پولیس کی پوری گارد پلیٹ فارم پر نمودار ہوئی..... اس کے ساتھ ایک پولیس انسپکٹر بھی تھا..... کمانڈو شیر خان نے پولیس کو دیکھا تو خاموشی سے بنچ پر سے اٹھا اور دوسرے سرے کی طرف

چل پڑا..... وہ چند قدم ہی چلا تھا کہ پیچھے سے کسی نے آواز دی۔

"ٹھہر جاؤ..... کون ہو تم؟"۔

کمانڈو شیر خان بھاگنے کی پوزیشن میں نہیں تھا..... اس کے پیچھے پوری مسلح پولیس پارٹی تھی جو اس پر فائر کر سکتی تھی، کیونکہ حالات غیر معمولی اور ہنگامی تھے۔

شیر خان رُک گیا..... اس نے پیچھے دیکھا..... پولیس انسپکٹر تین سپاہیوں کے ساتھ اس کے پاس آکر بولا۔

"کون ہو تم؟"۔

شیر خان نے کہا۔

"مسافر ہوں..... دلی جانے والی ٹرین کے انتظار میں ہوں"۔

"کہاں سے آئے ہو؟" انسپکٹر نے پوچھا۔

کمانڈو شیر خان نے بڑے اعتماد کے ساتھ جواب دیا۔

"گوالیار میں رات کی ٹرین سے آیا تھا..... یہاں ایک دوست سے ملنا تھا..... یہاں آکر پتہ چلا کہ میرا دوست بمبئی گیا ہوا ہے، چنانچہ واپس سٹیشن پر آگیا ہوں او دلی جانے والی ٹرین کے انتظار میں ہوں"۔

پولیس انسپکٹر نے ایک سپاہی سے شیر خان کی تلاشی لینے کو کہا..... اس نے شیر خاں کی تلاشی لی اور بولا۔

"سر! دو ڈھائی سو روپے ہیں اور گوالیار سے دلی تک کا تھرڈ کلاس کا ٹکٹ ہے"۔

پولیس انسپکٹر شیر خان کو بڑی گہری نگاہوں سے دیکھ رہا تھا..... ایسے لگ رہا تھا کہ اسے شیر خان پر کچھ شک پڑ چکا ہے..... اس نے شیر خان سے اس کا نام پوچھا تو شیر خان نے کہا۔

"میرا نام عبدالغنی ہے..... میرا دلی میں سرجری کے سامان کا چھوٹا سا بزنس ہے"۔

"مگر تم دلی کے نہیں لگتے..... تمہارا اُردو بولنے کا لہجہ بتا رہا ہے کہ تم پنجابی ہو"۔

پولیس انسپکٹر یہ کہہ کر شیر خان کو گھورنے لگا..... شیر خان بولا۔

"میں اصل میں پنجاب کے شہر امرتسر میں پیدا ہوا تھا..... میرے والد صاحب کاروبار کے سلسلے میں وہاں مقیم تھے"۔

پولیس انسپکٹر نے کہا۔

"تمہیں ہمارے ساتھ پولیس سٹیشن چلنا ہوگا"۔

شیر خان نے ایک عام بھارتی شہری کی طرح احتجاج کرتے ہوئے کہا۔

"آپ مجھے کس جرم میں پولیس سٹیشن لے جا رہے ہیں"۔

پولیس انسپکٹر بولا۔

"یہ تمہیں تھانے پہنچنے کے بعد معلوم ہو جائے گا"۔

اور اس نے سپاہیوں کو حکم دیا کہ شیر خان کو پولیس سٹیشن لے چلو..... پولیس کی گاڑی گوالیار سٹیشن کے باہر کھڑی تھی..... شیر خان احتجاج کرتا چلا گیا مگر اس پر کسی نے دھیان نہ دیا..... سپاہیوں نے جو رائفلوں سے مسلح تھے شیر خان کو حراست میں لے کر پولیس وین میں بٹھایا اور گاڑی پولیس سٹیشن کی طرف روانہ ہو گئی..... شیر خان سمجھ گیا تھا کہ وہ مصیبت میں پھنس چکا ہے اور اگر اس نے راستے میں فرار ہونے کی کوشش نہ کی تو پھر اس کا بچنا محال ہو جائے گا۔

مگر پولیس کی ویگن بالکل بند تھی..... اس کے دائیں بائیں مسلح سپاہی بیٹھے تھے..... ویگن کا ایک ہی دروازہ تھا جو بند کر دیا گیا تھا اور وہاں بھی ایک رائفل بردار سپاہی بیٹھا پہرہ دے رہا تھا..... فرار ہونے کا کوئی راستہ نہیں تھا..... کمانڈو شیر خان کو اس بات کی پرواہ نہیں تھی کہ بھارتی فوجی پوچھ گچھ کے دوران اس پر تشدد کریں گے..... تشدد کو صبر اور استقامت سے برداشت کرنا کمانڈو شیر خان کی تربیت کا حصہ تھا اور اس نے دشمن کے ہر قسم کے تشدد کو ہمیشہ صبر اور حوصلے کے ساتھ برداشت کیا تھا اور کبھی کوئی راز دشمن کو نہیں بتایا تھا..... اسے اگر پریشانی تھی تو صرف اس بات کی

تھی کہ کشمیر کے محاذ پر اس کی ضرورت تھی..... اور کمانڈو ترابی نے خاص طور پر خ
پیغام جھانسی بھیج کر اسے اور مجاہد شاہد علی کو بلوایا تھا..... یقیناً یہ کوئی اہم ترین ا
خطرناک مشن تھا جس کی خاطر ان دونوں کمانڈوز کو محاذ پر بلوایا جارہا تھا..... مجاہد شا
علی تو دشمن کی حراست میں تھا..... اب کمانڈو شیر خان کے لئے لازمی ہو گیا تھا کہ
جتنی جلدی ہو سکے کشمیر کے محاذ پر کمانڈو ترابی سے جاکر ملاقات کرے، لیکن بد قسم
سے شیر خان خود پولیس کے پھندے میں پھنس گیا تھا..... ان ہی خیالوں میں اُلجھ
کمانڈو شیر خان بھارتی پولیس کے نرغے میں بیٹھا تھا اور فرار کی ترکیبوں پر غور کر ر
تھا..... پولیس کی ویگن گوالیار شہر کی سڑکوں پر سے گزرتی ہوئی پولیس سٹیشن کی طرف
جارہی تھی..... پولیس سٹیشن پہنچنے کے بعد کمانڈو شیر خان کو ایک کمرے میں لے جایا گ
جہاں پولیس انسپکٹر نے اس سے ابتدائی پوچھ گچھ شروع کر دی..... شیر خان نے اپنی
زبان بند رکھی اور اس کے سوائے کچھ نہ بتایا کہ وہ کشمیری مجاہد نہیں ہے اور دلی میں
کاروبار کرتا ہے اور اپنے دوست سے ملنے گوالیار آیا تھا..... پولیس انسپکٹر نے شیر خان
سے اس کا دلی کا ایڈریس پوچھا..... شیر خان کے گرد تفتیش کا دائرہ تنگ ہو رہا تھا..... و
جانتا تھا کہ اس کے بتائے ہوئے جعلی پتے پر دلی پولیس تحقیقات کرے گی اور انہیں
معلوم ہو جائے گا کہ یہ پتہ نقلی ہے..... لیکن کمانڈو شیر خان کو ہر حال میں کوئی نہ کوئی
پتہ بتانا ہی تھا۔

اس نے ایک جھوٹا پتہ بتادیا..... یعنی جس نام کا کوئی محلّہ دلی میں نہیں تھا.....
پولیس انسپکٹر نے ایڈریس نوٹ کیا اور چلا گیا..... اسی وقت اس نے دلی سی آئی ڈی
پولیس ہیڈ کوارٹر میں فون کیا اور شیر خان کا بتایا ہوا پتہ لکھوا کر ہدایت کی کہ اس پتے پر
معلوم کیا جائے کہ کوئی عبدالغنی نام کا بزنس مین رہتا ہے یا نہیں..... دوپہر سے پہلے
پہلے دلی پولیس ہیڈ کوارٹر سے فون آگیا اور پولیس انسپکٹر کو بتایا گیا کہ ایڈریس جھوٹا
ہے..... دلی میں اس نام کا کوئی محلّہ نہیں ہے اور عبدالغنی نام کا کوئی بزنس مین نہیں

رہتا..... اس اطلاع کے بعد گوالیار کے ہندو پولیس انسپکٹر کو یقین ہو گیا کہ یہ آدمی یعنی
کمانڈو شیر خان پاکستانی جاسوس ہے..... وہ شیر خان کی کوٹھڑی میں آکر کہنے لگا۔

"تمہارے جھوٹ کا پول کھل گیا ہے..... بہتر یہی ہے کہ تم سیدھی طرح ہمیں
بتادو کہ ڈیم کی تخریب کاری میں تمہارے ساتھ اور کون کون تھا اور یہ دہشت گرد کہاں
روپوش ہیں"۔

کمانڈو شیر خان سمجھ گیا کہ کھیل ختم ہو گیا ہے، لیکن اس نے یہ موقف اختیار کیا
کہ وہ کشمیری مجاہد ہے، پاکستانی جاسوس نہیں ہے اور گوالیار میں سیر و سیاحت کرنے آیا
تھا، مگر یہ کوئی مضبوط دلیل نہیں تھی..... کمانڈو شیر خان کو کوئی مضبوط دلیل دینے کی
ضرورت ہی نہیں تھی..... وہ جانتا تھا کہ بھارتی پولیس اس کی کسی بات کا یقین نہیں
کرے گی..... اب شیر خان کی ساری توجہ اس بات پر مرکوز تھی کہ فرار کیسے ہوا جائے۔

دوسری طرف ہندو پولیس انسپکٹر کو جب یقین ہو گیا کہ شیر خان پاکستانی جاسوس
ہی ہے تو اس نے بہتر یہی سمجھا کہ اسے ملٹری انٹیلی جنس کے حوالے کر دیا جائے،
کیونکہ یہ بڑا اہم کیس بن گیا تھا، چنانچہ پولیس انسپکٹر نے گوالیار ملٹری انٹیلی جنس کے
ڈائریکٹر کیپٹن بدری پرشاد کو فون کر کے اسے ساری بات بیان کی اور کہا کہ یہ بڑا
خطرناک پاکستانی جاسوس لگتا ہے اور اس کی زبان صرف ملٹری انٹیلی جنس ہی کھلوا سکتی
ہے..... کیپٹن بدری پرشاد نے جواب میں کہا۔

"تم لوگوں نے اگر کوئی پاکستانی جاسوس پکڑا تھا تو اسے فوراً فوج کے حوالے کیوں
نہیں کیا؟ اتنی دیر کیوں لگادی؟ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ حالات کس قدر سنگین
صورت اختیار کر چکے ہیں؟"۔

ہندو پولیس انسپکٹر نے ڈرتے ہوئے معذرت پیش کی اور کہا۔

"سر! مجھ سے غلطی ہو گئی..... میں ابھی پاکستانی جاسوس کو آپ کے ہیڈ کوارٹر
بھجوا رہا ہوں"۔

"پاکستانی جاسوس کو مسلح گارد کی حراست میں ہتھکڑی لگا کر بھیجنا..... اگر وہ راستے میں فرار ہو گیا تو تمہیں اور تمہارے سارے سٹاف کو جیل بھجوا دوں گا"۔

اور ملٹری انٹیلی جنس کے کیپٹن بدری پرشاد نے ٹیلی فون بند کر دیا..... ہندو پولیس انسپکٹر نے اسی وقت کمانڈو شیر خان کو ہتھکڑی لگوائی اور اسے پوری مسلح پولیس گارڈ کے ساتھ خود اپنی نگرانی میں لے کر ملٹری انٹیلی جنس کے ہیڈ کوارٹر میں پہنچ گیا..... گوالیار میں ملٹری پولیس کا ہیڈ کوارٹر بھی گوالیار کے قلعے میں ہی تھا..... کمانڈو شیر خان کو قلعے کی ایک کال کوٹھڑی میں بند کر دیا گیا..... چھوٹی سی اندھیری کوٹھڑی..... دیوار پر ایک بتی جل رہی تھی..... اس کی روشنی کوٹھڑی کے اندھیرے کو دُور نہیں کر رہی تھی..... فرش پر ایک طرف گھاس پھونس بچھا تھا..... شیر خان کی ہتھکڑی اتار دی گئی تھی مگر اس کے پاؤں میں لوہے کے دو کڑے ڈال دیئے گئے تھے جس سے چلنے میں اسے سخت دقت ہو رہی تھی۔

سنتری دروازے کو باہر سے تالا لگا کر شاید چلا گیا تھا یا باہر ہی بیٹھا پہرہ دے رہا تھا..... باہر سے کوئی آواز نہیں آ رہی تھی..... کوٹھڑی میں چھت کے پاس ایک روشن دان تھا جس میں لوہے کی سلاخیں لگی تھیں..... ان میں سے دن کی پھیکی پھیکی روشنی اندر آ رہی تھی..... اس سے کمانڈو شیر خان نے اندازہ لگا لیا کہ اس کوٹھڑی کی دوسری طرف کوئی اور کوٹھڑی نہیں ہے بلکہ کھلی جگہ ہے..... وہ دیوار سے لگ کر بیٹھ گیا اور سوچنے لگا کہ وہ اچانک کسی مصیبت میں پھنس گیا ہے، اس پر جو تشدد کیا جانے والا تھا شیر خان اس سے نہیں گھبراتا تھا..... اسے صرف اس بات کا افسوس ہو رہا تھا کہ اس کا کشمیر کے محاذ پر پہنچنا ضروری تھا..... کمانڈو ترابی نے اسے کسی نہایت اہم مشن کے لئے پیغام بھجوایا تھا، لیکن اب وہ دشمن کی قید میں تھا جہاں سے اسے ہر حالت میں فرار تو ضرور ہونا تھا لیکن اتنی جلدی فرار نہیں ہو سکتا تھا۔

ہندو پولیس انسپکٹر نے قلعے کے ملٹری انٹیلی جنس ہیڈ کوارٹر کے کیپٹن بدری

پرشاد کو جا کر رپورٹ کی کہ پاکستانی جاسوس کو بحفاظت قلعے میں پہنچا دیا گیا ہے..... اس وقت کیپٹن بدری پرشاد فون پر کسی سے بات کر رہا تھا..... چند لمحوں کے بعد اس نے فون بند کیا اور پولیس انسپکٹر سے کہا۔

"جھانسی میں بھی ایک پاکستانی جاسوس پکڑا گیا ہے..... لگتا ہے ان دونوں پاکستانی جاسوسوں کا تعلق اس گروہ سے ہے جس نے روہت گڑھ کا ڈیم اُڑایا ہے"۔

پولیس انسپکٹر بولا۔

"سر! ہم ان پاکستانی جاسوسوں سے ان کے گروہ کا پتا لگا لیں گے"۔

کیپٹن بدری پرشاد کچھ سوچتے ہوئے بولا۔

"بھگوان جانے یہ پاکستانی اور کشمیری مجاہد کس مٹی کے بنے ہوئے ہیں..... ٹارچر سہتے سہتے مر جاتے ہیں مگر زبان نہیں کھولتے..... کچھ نہیں بتاتے"۔

ہندو پولیس انسپکٹر نے کہا۔

"سر! ہمیں کوئی ایسی ترکیب سوچنی ہو گی جس سے سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے"۔

کیپٹن بدری پرشاد نے پولیس انسپکٹر کی طرف نظریں اٹھاتے ہوئے کہا۔

"ہم نے ان لوگوں پر سب طریقے آزما کر دیکھ لئے ہیں..... یہ کچھ نہیں بتاتے"۔

پولیس انسپکٹر بولا۔

"سر! آپ دو دن کے لئے اس پاکستانی جاسوس کو میرے سپرد کر دیں..... میں اس سے سارے راز اُگلوا لوں گا"۔

کیپٹن بدری پرشاد نے کہا۔

"مجھے کوئی اعتراض نہیں..... تم اپنا سیکرٹ آپریشن آج ہی سے شروع کر سکتے ہو"۔

ہندو پولیس انسپکٹر نے کمانڈو شیر خان کو اپنی عملداری میں لے لیا اور ایک گھنٹے

کے اندر اندر اسے پولیس ہیڈ کوارٹر کے خفیہ ٹارچر سینٹر میں پہنچادیا..... یہ ٹارچر سینٹر گوالیار شہر سے کچھ فاصلے پر جنگل میں ایک ٹیلے پر واقع تھا..... یہ ٹارچر سینٹر خفیہ پولیس والوں میں مردہ خانے کے نام سے مشہور تھا..... اس کی وجہ یہ تھی کہ یہاں جس شخص کو بھی پوچھ گچھ کے لئے لایا جاتا تھا اس کی لاش ہی وہاں سے باہر نکلتی تھی..... ہندو پولیس انسپکٹر جس نے کمانڈو شیر خان کو گرفتار کیا تھا اس ٹارچر سینٹر کا انچارج تھا..... یہاں ایک خفیہ ٹارچر سیل تھا..... سیل ایک کوٹھڑی کی شکل کا تھا..... اس کے اندر کیا ہوتا تھا..... سوائے چند ایک پولیس عہدیداروں کے اور کسی کو کچھ پتہ نہیں تھا..... رات کے وقت لوگوں نے اس کوٹھڑی سے انسانوں کی بڑی دردناک چیخیں بلند ہوتی ہی سنی تھیں۔

کمانڈو شیر خان کو گوالیار کے قلعے سے نکال کر اس نئے خفیہ ٹارچر سینٹر کے ٹارچر سیل میں لاکر بند کر دیا گیا..... شیر خان نے دیکھا کہ اس کشادہ کال کوٹھڑی کے کونے میں ایک قبر نما گڑھا کھودا ہوا تھا..... دیوار کے ساتھ تین چار آہنی زنجیریں لٹک رہی تھیں جن کے سروں پر لوہے کے کڑے لگے ہوئے تھے..... شیر خان سمجھ گیا کہ یہ اذیت دینے کے آلات ہی ہیں..... اس نے اپنے آپ کو ہر قسم کے تشدد کے لئے ذہنی اور جسمانی طور پر تیار کر لیا ہوا تھا..... اگر وہ کچھ سوچ رہا تھا تو یہی سوچ رہا تھا کہ وہاں سے فرار ہو کر کشمیر کے محاذ پر کیسے پہنچا جائے۔

اس خوفناک ٹارچر سیل میں شیر خان کو آئے دس پندرہ منٹ ہی گزرے تھے کہ پولیس انسپکٹر دو ہٹے کٹے آدمیوں کے ساتھ کوٹھڑی میں آگیا..... ایک مسلح سنتری رائفل لئے کوٹھڑی کے دروازے پر کھڑا ہو گیا..... ہندو پولیس انسپکٹر دیوار کے ساتھ لگے سٹول کو کھینچ کر کمانڈو شیر خان کے قریب ہو کر بیٹھ گیا اور بولا۔

"دیکھو بھائی! میں جانتا ہوں کہ تم لوگ اپنی جنم بھومی کی رکھشا کے لئے یہ سب کچھ کر رہے ہو..... تم کو میں برا نہیں کہتا..... تم اپنا فرض پورا کر رہے ہو، لیکن ذرا سوچو

کہ ہمیں بھی اپنی دھرتی ماتا کی رکھشا کرنی ہے..... ہمیں بھی اپنا فرض پورا کرنا ہے..... تم میرا مطلب سمجھ رہے ہو ناں؟"۔

اس نے کمانڈو شیر خان کی جانب ذرا جھک کر پوچھا..... کمانڈو شیر خان سب سمجھ رہا تھا کہ اس ہندو پولیس انسپکٹر کا اصل مطلب کیا ہے..... اس نے بڑے اعتماد کے ساتھ کہا۔

"میں تمہارا مطلب سمجھ رہا ہوں"۔

پولیس انسپکٹر بظاہر خوش ہو کر بولا۔

"بس میں یہی چاہتا ہوں کہ تم ہماری مجبوری کو سمجھ جاؤ..... اب دیکھو ناں، ہم بڑی آسانی سے تمہیں گولی مار کر اس گڑھے میں دبا سکتے ہیں..... ہمیں کوئی پوچھنے والا نہیں..... یہاں سے تم فرار بھی نہیں ہو سکتے..... ہم تمہیں اس طرح بھی ہلاک کر سکتے ہیں کہ ایک دن تمہارا ایک بازو کاٹ دیں..... دوسرے دن دوسرا بازو کاٹ ڈالیں..... تیسرے دن تمہاری ایک ٹانگ کاٹ دیں..... چوتھے دن اگر تم زندہ رہے تو تمہاری دوسری ٹانگ بھی کاٹ ڈالیں..... تم کچھ نہیں کر سکتے..... کیا تم کچھ کر سکتے ہو؟"۔

ہندو پولیس انسپکٹر ایک بار پھر کمانڈو شیر خان کی جانب جھک گیا تھا..... کمانڈو شیر خان نے آہستہ سے کہا۔

"میں تو کچھ نہیں کر سکتا..... لیکن میرا خدا جو چاہے کر سکتا ہے"۔

ہندو پولیس انسپکٹر نے کمانڈو شیر خان کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"شاباش! تم نے بالکل ٹھیک کہا..... خدا اگر چاہے تو سب کچھ کر سکتا ہے، لیکن شاید تم بھول گئے ہو کہ بھارت میں تمہارے خدا کا نہیں ہمارے بھگوان کا حکم چلتا ہے اور ہمارے بھگوان نے ہی ہمیں حکم دیا کہ اگر تم ہمیں کچھ نہیں بتاؤ گے تو ہم تمہارے جسم کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کر کے اس گڑھے میں پھینک دیں، لیکن مجھے تم سے ہمدردی ہے..... تم نوجوان ہو..... ابھی تم نے جوانی کی کئی بہاریں دیکھنی ہیں"۔

کمانڈو شیر خان نے جھنجھلاتے ہوئے کہا۔

"تم مجھ سے جو پوچھنا چاہتے ہو وہ تمہیں کبھی نہیں بتاؤں گا چاہے تم میرے جسم کے ایک ہزار ایک ٹکڑے کر دو..... اب آگے بات کرو"۔

ہندو پولیس انسپکٹر نے بڑی مکاری کے ساتھ کہا۔

"نہیں نہیں بھیا! میں ایسا ہرگز نہیں کروں گا..... میں تو تمہارا ہمدرد ہوں..... میں تو تمہیں زندہ دیکھنا چاہتا ہوں..... بس میری ایک چھوٹی سی بات مان لو..... مجھے صرف یہ بتا دو کہ تمہارے دوسرے ساتھی روہت گڑھ کا ڈیم تباہ کرنے کے بعد کہاں چھپے ہوئے ہیں"۔

پولیس انسپکٹر نے شیر خان کے شانے کو آہستہ سے دباتے ہوئے کہا۔

"میں تمہیں اپنا وچن دیتا ہوں کہ میں کسی کو نہیں بتاؤں گا کہ تم نے اپنے ساتھیوں کے نام پتے مجھے بتائے تھے..... میں تمہیں اسی وقت آزاد کر دوں گا اور میرے آدمی خود تمہیں پاکستان کا پارڈر کراس کرا دیں گے"۔

کمانڈو شیر خان مسکرا دیا..... کہنے لگا۔

"تم جس مکر و فریب سے کام لے رہے ہو میں اسے اچھی طرح جانتا ہوں..... یا رکھو..... تمہارا کوئی ہتھکنڈا مجھ پر نہیں چلے گا"۔

پولیس انسپکٹر نے سٹول پر سے اٹھتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے..... اگر تمہاری یہی مرضی ہے تو میں کیا کر سکتا ہوں"۔

اس نے قریب کھڑے ہٹے کٹے آدمیوں کو اشارہ کیا..... انہوں نے اسی لمحے شیر خان کو پکڑ کر اس کے دونوں ہاتھوں میں زنجیر کے ساتھ لگے ہوئے آہنی کڑے ڈالے اور اسے دیوار کے ساتھ لٹکا دیا..... کمانڈو شیر خان اس سے بھی زیادہ اذیت ناک تشدد برداشت کرنے کے لئے تیار تھا..... شیر خان دیوار کے ساتھ اسی طرح لٹکا ہوا تھا کہ اس کے دونوں پاؤں فرش سے دو فٹ اونچے تھے..... اس کے دونوں بازو پھیلے

ہوئے تھے..... ایک ہٹے کٹے آدمی نے اپنی کمر کے گرد لپٹا ہوا چمڑے کا ہنٹر کھولا اور اسے شیر خان کے جسم پر برسانا شروع کر دیا۔

شیر خان خاموشی سے ہنٹر کی ضربیں سہتا رہا..... تربیت کے مطابق اس نے سانس کو کنٹرول میں کر کے اپنے جسم کو سن کرنا شروع کر دیا تھا تاکہ تشدد کی اذیت کا احساس کم سے کم ہو..... جب ہٹا کٹا آدمی کافی ہنٹر برسا چکا تو پولیس انسپکٹر نے اشارے سے اسے روک دیا اور وہ لوگ شیر خان کو دیوار کے ساتھ لٹکا ہوا چھوڑ کر چلے گئے..... شیر خان کے جسم کا سارا بوجھ اس کی کلائیوں پر پڑ رہا تھا جو آہستہ آہستہ سن ہونے لگی تھیں، لیکن سن ہونے کے علاوہ یہ خطرہ بھی تھا کہ دونوں کلائیاں شیر خان کے بازو سے الگ ہو سکتی تھیں، لیکن ہندو پولیس انسپکٹر شیر خان پر ایک اور ترکیب بھی آزمانا چاہتا تھا..... کچھ دیر بعد وہ دوبارہ کوٹھڑی میں آ گیا..... دونوں جلاد اس کے ہمراہ تھے..... شیر خان کو ایسے لگ رہا تھا کہ اس کی دونوں کلائیاں اس کے بازوؤں سے الگ ہونے ہی والی ہیں..... پولیس انسپکٹر نے اشارہ کیا..... ہٹے کٹے جلاد نما آدمی نے آگے بڑھ کر شیر خان کو دیوار سے اتار دیا اور اس کی کلائیاں لوہے کے کڑوں میں سے نکال دیں..... شیر خان بے بسی کی حالت میں فرش پر ڈھیر ہو گیا۔

پولیس انسپکٹر اس کے پاس بیٹھ کر شیر خان کی کلائی کو بڑی محبت سے سہلاتے ہوئے بولا۔

"بھائی! میں اتنے خوبصورت صحت مند ہاتھوں کو تمہارے بازوؤں سے الگ ہوتے نہیں دیکھ سکتا، لیکن اگر تم نے مجبور کیا تو پھر تمہارے ہاتھوں کے ساتھ تمہارا سر بھی تمہاری گردن سے الگ کیا جا سکتا ہے..... کیا خیال ہے؟"۔

اس نے شیر خان کا چہرہ ٹھوڑی سے پکڑ کر اوپر اٹھاتے ہوئے پوچھا۔

شیر خان کی توانائی واپس آ چکی تھی..... اس نے کہا۔

"تم میری گردن ایک بار تو کیا اگر دس بار بھی میرے جسم سے الگ کر دو گے تب

بھی میں تمہیں کچھ نہیں بتاؤں گا"۔

پولیس انسپکٹر مکاری سے مسکرانے لگا، بولا۔

"بھائی میں تو تمہاری بھلائی کے لئے ہی کہہ رہا تھا..... اگر تمہاری یہی مرضی ہے
تو پھر میں کیا کہہ سکتا ہوں..... تم جانو تمہارا خدا جانے"۔

پولیس انسپکٹر اپنے جلادوں کو لے کر کوٹھڑی سے نکل گیا۔

کوٹھڑی کو بند کر دیا گیا..... کمانڈو شیر خان کی کلائیوں کی ہڈیاں پھوڑے کی طرح
دُکھ رہی تھیں..... اس نے وہیں بیٹھے بیٹھے دونوں ہاتھوں کو اپنی بغلوں میں دبایا اور
مزید سمٹ کر بیٹھ گیا اور خدا کو یاد کرنے لگا..... اس وقت بھی شیر خان کے ذہن میں
یہی ایک سوال گردش کر رہا تھا کہ وہ وہاں سے کس طرح فرار ہونے کے بعد کشمیر کے
محاذ پر پہنچ سکتا ہے؟"۔

دو گھنٹوں کے بعد شیر خان کو کھانے کے لئے دو سوکھی روٹیاں اور پانی کا ایک کٹورا
دیا گیا..... شیر خان نے خاموشی سے روٹیاں زہر مار کیں اور سوچنے لگا کہ اس عذاب گاہ
سے کیسے فرار ہوا جائے، لیکن وہاں سے فرار کا کوئی راستہ نہیں تھا..... سارا دن گزر
گیا..... رات کو اسے پھر دو سوکھی روٹیاں اور پانی کا کٹورا دیا گیا..... رات کا پہلا پہر گزر
رہا ہو گا کہ کوٹھڑی کا دروازہ کھلا اور وہی دو جلاد ایک سٹریچر گھسیٹتے کوٹھڑی میں داخل
ہوئے..... سٹریچر کے اوپر ایک بے حس و حرکت انسانی جسم پڑا تھا جس پر چادر ڈالی
ہوئی تھی..... یہ کوئی لاش ہی ہو سکتی تھی..... شیر خان نے سوچا..... سٹریچر کے اندر
آتے ہی کوٹھڑی میں ایک ناگوار بو پھیلنے لگی تھی..... دونوں جلادوں نے لاش کے اوپر
سے چادر ہٹا دی..... بجلی کی مدھم روشنی میں کمانڈو شیر خان نے دیکھا کہ یہ کسی مرد کی
بالکل عریاں لاش تھی جس نے پھولنا شروع کر دیا ہوا تھا اور یہ بدبو اس کے جسم میں
سے ہی نکل رہی تھی..... دونوں آدمیوں نے لاش کو گڑھے میں اتر کر لٹا دیا..... اس
کے بعد شیر خان کے دونوں ہاتھ اور پاؤں رسی سے باندھے اور اسے اٹھا کر گڑھے میں

ش کے اوپر پھینک دیا۔

کمانڈو شیر خان پھولی ہوئی لاش کے اوپر جا کر گرا..... اس کے فوراً بعد دونوں
لادوں نے ایک طرف سے پتھر کی بھاری سل کو کھینچ کر گڑھے کے اوپر رکھ کر گڑھے
بند کر دیا..... پتھر کی بھاری سل کے رکھنے کے بعد اس قبر نما گڑھے میں اندھیرا
چھا گیا..... کمانڈو شیر خان پھولی ہوئی بدبودار لاش کے اوپر پڑا تھا..... ہاتھ پیر بندھے
ہونے کی وجہ سے وہ لاش پر سے اٹھ نہیں سکتا تھا..... بڑی مشکل سے وہ کھسک کھسک
کر گڑھے کی دیوار کے ساتھ لگ گیا، مگر اس کا آدھا جسم لاش کے اوپر ہی تھا..... پتھر کی
سل کے بند ہو جانے کے بعد گڑھے میں اتنی بو جمع ہونے لگی تھی کہ شیر خان کے لئے
سانس لینا مشکل ہو رہا تھا..... اس قسم کی اذیت اس نے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی، لیکن
اس اذیت کو بھی صبر و استقامت سے برداشت کرنا تھا۔

اس کے ساتھ ہی ساتھ کمانڈو شیر خان فرار کے بارے میں بھی مسلسل سوچ رہا
تھا..... ایک لمحے کے لئے بھی اس کے ذہن میں سے یہ خیال محو نہیں ہوا تھا کہ اسے
کشمیر کے محاذ پر پہنچنا ہے..... حالانکہ وہاں سے فرار بظاہر ناممکن لگتا تھا، لیکن ایک جانباز
کمانڈو سچے مسلمان کی طرح اپنی صلاحیتوں اور اللہ کی رحمت سے کبھی مایوس نہیں
ہوتا..... ہر مسلمان کی طرح ایک مسلمان کمانڈو کا بھی یہ ایمان ہوتا ہے کہ حالات خواہ
کتنے ہی خراب کیوں نہ ہو جائیں، اگر دل میں ایمان کی شمع روشن ہے اور روح کی قوت
عمل زندہ ہے تو اللہ تعالیٰ غیب سے ایسے اسباب پیدا کر دیتا ہے کہ جس کا انسان کو وہم و
گمان تک نہیں ہوتا..... شرط صرف یہ ہے کہ انسان کا عمل اللہ اور صرف اللہ کی
خوشنودی کے لئے ہو اپنی غرض اور مفاد کے واسطے نہ ہو۔

کمانڈو شیر خان بھی ایک سچا مسلمان کمانڈو تھا..... اس کا کردار ہمیشہ بے داغ اور
پاک رہا تھا..... وہ صرف اللہ اور اس کے دین اسلام کی سربلندی کے لئے مصروف جہاد
تھا..... جب سے وہ جہاد میں شریک ہوا تھا اس نے ہر عمل اللہ کے لئے کیا تھا اور اس

کے کسی بھی عمل میں اس کی ذاتی غرض شامل نہیں ہوئی تھی..... یہی وجہ تھی کہ ا
نے مشکلات پر ہمیشہ فتح پائی تھی..... اسے اب بھی یقین تھا کہ اللہ کا حکم اسے کافرو
کے خلاف لڑنے کے لئے کشمیر کے محاذ پر بلا رہا ہے اور دنیا کی کوئی طاقت اسے وہا
جانے سے نہیں روک سکتی۔

کمانڈو شیر خان قرآن پاک میں اللہ کے اس فرمان کو بھی نہیں بھولا تھا کہ خ
صرف ان کی مدد کرتا ہے جو اپنی مدد آپ کرتے ہیں..... اللہ پاک کے اس فرمان
عمل کرتے ہوئے کمانڈو شیر خان نے اپنی تمام کھوئی ہوئی توانائیوں کو یکجا کیا..... و
میں کلمہ پاک پڑھا اور لاش کے اوپر دیوار سے لگ کر بیٹھے بیٹھے اندھیرے میں اوپر
جانب دیکھا۔

اوپر گڑھے کا منہ پتھر کی بھاری سل سے بند تھا اور گڑھے میں گھپ اند
تھا..... شیر خان کی کلائیاں ابھی تک دور کر رہی تھیں، مگر اسے اس درد کو بھول
ہمت سے کام لینا تھا..... وہ لاش پر گھٹنے ٹکا کر بیٹھ گیا..... اس نے سب سے پہلے ایک
خاص تکنیک سے اپنے بندھے ہوئے ہاتھ آزاد کئے پھر اپنے پاؤں کھولے، اس کے بع
شیر خان نے دونوں ہاتھوں سے پتھر کی سل کو ہلانے کی کوشش کی..... پتھر کی سل ا
جگہ سے ذرا بھی نہ ہلی..... کمانڈو شیر خان ہمت ہارنے والے لوگوں میں سے نہیں
تھا..... کلائیوں کی درد کی وُجہ سے وہ جسم کی پوری طاقت سے کام نہیں لے رہا تھا..
اس کے باوجود وہ مسلسل کوشش کرتا رہا۔

آخر کار پتھر کی سل اپنی جگہ سے کھسکنے لگی۔

سل کو کھسکتا دیکھ کر کمانڈو شیر خان کے اندر ایک نیا حوصلہ ایک نیا ولولہ پ
ہو گیا تھا..... کافی دیر تک کوشش کرنے کے بعد وہ پتھر کی سل کو اتنا کھسکانے میں
کامیاب ہو گیا کہ وہ گڑھے سے باہر نکل سکتا تھا..... گڑھے سے باہر نکلتے ہی اسے کا
حد تک لاش کی تیز بو سے نجات مل گئی، لیکن اس کے ذہن میں کچھ اور ہی پروگرا

تھا..... اس کا یہ منصوبہ کامیاب ہو چاہے نہ ہو، لیکن اس نے اپنے سوچے ہوئے
منصوبے پر عمل کرنے کا فیصلہ کر لیا ہوا تھا۔

گڑھے سے باہر آنے کے بعد اس نے پتھر کی سل کو گڑھے کے منہ سے مزید
کھسکانا شروع کر دیا..... وہ جان بوجھ کر سل کو اس طرح کھسکا رہا تھا کہ اس کی آواز پیدا
ہو..... کوٹھڑی میں گھپ اندھیرا چھایا ہوا تھا..... صرف سلاخ دار روشن دان میں سے
تاروں کی بہت پھیکی بے معلوم سی روشنی اندر آ رہی تھی جو چھت کے نیچے آتے آتے
غائب ہو جاتی تھی..... کوٹھڑی میں بمشکل کچھ دکھائی دیتا تھا..... دو تین مرتبہ جب سل
کے کھسکانے کی آواز پیدا ہوئی تو کوٹھڑی کے بند دروازے کے باہر جو سنتری پہرے پر
کھڑا تھا اس نے چونک کر دروازے کی طرف دیکھا..... آواز کوٹھڑی کے اندر سے
آ رہی تھی..... کوٹھڑی میں بند قیدی کی نگرانی کی ذمے داری اس کی تھی..... سنتری یہ
بھی جانتا تھا کہ قیدی کو لاش والے گڑھے میں بند کیا گیا ہے..... تیسری بار اس نے اندر
سے آتی آواز کو سنا تو دروازے کے ساتھ کان لگا دیئے..... اندر سے ایک بار پھر ہلکے
ہلکے شور کی آواز آئی..... سنتری نے دروازہ کھولا اور رائفل سیدھی کئے کوٹھڑی میں
داخل ہو کر آنکھیں کھول کر دیکھنے لگا۔

کمانڈو شیر خان اسی لمحے کا انتظار کر رہا تھا..... وہ سنتری کے اندر داخل ہونے سے
پہلے ہی دروازے کے پاس دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑا ہو گیا تھا..... سنتری اندھیرے
میں اس کے بالکل قریب سے ہو کر گزرا..... اس کی آنکھیں گڑھے پر لگی ہوئی
تھیں..... کوٹھڑی کی تاریکی میں سنتری گڑھے کے منہ سے تھوڑی سی کھسکی ہوئی سل
ابھی نظر نہیں آئی تھی..... کمانڈو شیر خان اس سے زیادہ سنتری کو مہلت نہیں دے
سکتا تھا..... اسے جو کچھ کرنا تھا اسی لمحے اسی گھڑی کر گزرنا تھا۔

جیسے ہی سنتری جھک کر اس کے قریب سے گزرا کمانڈو شیر خان نے اپنے جسم کی
پوری طاقت کو جمع کرتے ہوئے سنتری کی گردن پر پیچھے سے اتنی زور سے ہاتھ مارا کہ

وہ منہ کے بل آگے جا گرا..... رائفل اس کے ہاتھ سے چھوٹ گئی..... شیر خان نے
اس پر چھلانگ لگادی..... اس کا ٹارگٹ سنتری کی گردن تھا جو شیر خان کے بائیں بازو
کے شکنجے میں تھی اور وہ اسے زور زور سے جھٹکے دے رہا تھا..... دبلے پتلے سنتری کی
گردن دوسرے جھٹکے ہی سے ٹوٹ گئی تھی..... جب شیر خان کو یقین ہو گیا کہ سنتری
کے جسم میں جان نہیں رہی تو اس نے اسے گھسیٹ کر گڑھے میں پھینکا..... پتھر کی
سل سے گڑھے کو بند کیا اور اس کی رائفل اٹھا کر ادھ کھلے دروازے میں سے جھانک
کر باہر دیکھا۔

باہر ایک بلب روشن تھا جس کی روشنی زیادہ نہیں تھی..... یہ آمنے سامنے کی
دو تین کوٹھڑیوں کے درمیان کی جگہ تھی..... وہاں کوئی نہیں تھا..... شیر خان رائفل
ایک ہاتھ میں پکڑے کوٹھڑی سے باہر نکلا اور بائیں جانب جو گلی سی تھی ادھر دبے پاؤں
چلنے لگا، ہر طرف خاموشی تھی..... دس پندرہ قدم چلنے کے بعد ایک زینہ آگیا جو اوپر
جاتا تھا..... زینے کی بائیں جانب ایک کوٹھڑی تھی جس کے باہر ایک بڑا ڈرم پڑا تھا.....
شیر خان آہستہ آہستہ زینے پر چڑھنے لگا..... زینے کے اوپر ایک دروازہ تھا جو بند تھا.....
شیر خان نے ہاتھ سے ٹٹول کر دیکھا..... دروازے کی کنڈی لگی ہوئی تھی..... اس نے
بڑی احتیاط سے کنڈی اتار کر دروازے کے ایک پٹ کو کھولا تو اسے ٹھنڈی ہوا کے
جھونکے کے ساتھ آسمان پر چمکتے تارے دکھائی دیئے..... یہ اس خفیہ ٹارچر سینٹر کی
چھت تھی..... وہ چھت پر دبے پاؤں چلتا اس کی پچھلی منڈیر تک گیا اور دیکھا کہ
دوسری جانب ٹیلے کی ڈھلان تھی جس پر اُگی ہوئی جنگلی جھاڑیاں نیچے تک چلی گئی
تھیں..... تاروں کی روشنی میں شیر خان اس منظر کو صاف دیکھ رہا تھا..... چھت کی
دیوار ٹیلے کی ڈھلان سے پندرہ بیس فٹ ہی اونچی تھی۔

اس کے پاس سوچنے غور کرنے اور اندازے لگانے کا وقت نہیں تھا..... اس نے
سب سے پہلے رائفل اوپر سے نیچے جھاڑیوں پر پھینکی اور پھر اللہ کا نام لے کر خود بھی

چھلانگ لگادی..... وہ اس طرح سے کودا تھا جیسے اس کو اس قسم کی جگہوں پر سے کودنے
کی تربیت دی گئی تھی..... وہ جھاڑیوں پر گرا اور گرتے ہی گیند کی طرح لڑھکتا چلا گیا.....
چھ سات جھاڑیوں کے اوپر سے لڑھکتا ہوا وہ کافی نیچے جا کر رُک گیا..... اس نے ایک
جھاڑی کو اپنے ہاتھوں سے پکڑ لیا تھا..... وہ کھڑا ہوا اور اس جانب دیکھنے لگا جس طرف
اس نے رائفل گرائی تھی..... رائفل کی اسے ابھی ضرورت تھی..... دس پندرہ سیکنڈ
کی تلاش کے بعد اسے ایک جھاڑی میں اُلجھی ہوئی رائفل مل گئی..... اس نے رائفل
اٹھالی اور تیزی سے ڈھلان پر سے اترتا ہوا زمین پر آیا اور ٹیلے والے ٹارچر سینٹر کی مخالف
سمت کو دوڑنا شروع کر دیا۔

شیر خان کو اس قدر معلوم تھا کہ یہ ٹارچر سینٹر گوالیار شہر سے کچھ فاصلے پر واقع
تھا..... آگے کیا تھا اور وہ کہاں جا رہا ہے؟ اس کی اسے کچھ خبر نہیں تھی..... اس نے
دوڑتے دوڑتے بائیں جانب دیکھا..... کافی فاصلے پر اسے گوالیار شہر کی روشنیاں دکھائی
دے رہی تھیں..... وہ کھیتوں میں دوڑ رہا تھا..... کھیت ختم ہوئے تو آگے ایک ندی
آگئی..... تاروں کی روشنی میں ندی کا پاٹ چمکیلا خاکستری رنگ کا نظر آرہا تھا..... ندی
کافی چوڑی تھی..... شیر خان نے دائیں بائیں نگاہ ڈالی..... اسے وہاں کوئی پل وغیرہ
دکھائی نہ دیا..... اس نے رائفل پھینکی اور ندی میں چھلانگ لگادی..... وہ تیزی سے
دوسرے کنارے کی طرف تیرنے لگا۔

دوسرے کنارے کے درختوں کی تاریکی میں ڈوبے ہوئے خاکے اس کے قریب
ہوتے جا رہے تھے..... تیرتے تیرتے وہ ندی کے دوسرے کنارے پر پہنچ کر ندی سے
باہر نکل آیا اور سامنے والے درختوں میں گھس گیا..... یہ کوئی گھنا جنگل نہیں تھا.....
درختوں کے دو تین جھنڈ ہی تھے..... شیر خان ان درختوں میں سے بھی دوسری
طرف نکل آیا..... آگے پھر کھیت اور اونچی نیچی جھاڑیاں تھیں..... وہ ایک بار پھر
دوڑنے لگا..... اس کا خیال تھا کہ آگے ضرور کوئی گھنا جنگل ہوگا..... وہاں وہ چھپ کر

رات گزار دے گا اور پھر دوسرے دن کسی طرف نکل جانے کی کوشش کرے گا
دوڑتے دوڑتے وہ تین چار کھیتوں میں سے نکل گیا..... اچانک اس کے کانوں میں
گاڑی کے انجن کی سیٹی کی آواز پڑی..... یہ آواز کافی دُور سے آئی تھی..... دوڑ
دوڑتے وہ ریلوے لائن پر پہنچ گیا..... وہاں ریل کی دو پٹڑیاں بچھی ہوئی تھیں.....
یہ ڈبل ٹریک تھا..... اس نے بائیں جانب دیکھا۔

دُور بہت ہی روشنیاں جھلملا رہی تھیں..... یہ گوالیار کا ریلوے سٹیشن ہی ہو
تھا..... اس نے دائیں جانب دیکھا، اس جانب بھی کافی فاصلے پر ریلوے انجن کی
لائٹ کی روشنی دکھائی دی..... شیر خان وہاں رُک نہیں سکتا تھا..... وہ ریلوے لا
کے ساتھ ساتھ دائیں جانب یعنی سٹیشن کی مخالف سمت کو چل پڑا..... ریل گاڑی ا
طرف سے آرہی تھی..... ایک دو بار پھر انجن کی سیٹی کی آواز آئی..... آواز دُور
آرہی تھی..... گاڑی ابھی کافی دُور تھی..... شیر خان اب دوڑنے کی بجائے تیز تیز چ
رہا تھا..... تاروں کی دُھندلی روشنی میں ریلوے ٹریک کی دونوں جانب کھیت ہی کھیت
تھے..... جنگل شاید آگے جا کر شروع ہوتا تھا..... شیر خان چلتا چلا جا رہا تھا کہ جیسے
کہیں سے جنگل شروع ہو گا وہ اس میں گھس کر کسی درخت پر رات بسر کر دے گا یا اگ
ایسا نہ کر سکا تو جنگل میں جتنا آگے نکل سکتا ہے نکل جائے گا..... ریلوے لائن پر ا
انجن کی روشنی پڑنے لگی تھی..... لیکن یہ روشنی بڑی آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہ
تھی..... کوئی ٹرین بڑی دھیمی رفتار سے آرہی تھی۔

جب ریلوے انجن کی روشنی اور قریب آگئی تو شیر خان لائن سے نیچے اتر گیا تاکہ
وہ انجن کی روشنی میں کسی کو نظر نہ آجائے..... اب انجن کے چھک چھک کی آواز بھی
آنے لگی تھی..... انجن آہستہ آہستہ چلا آرہا تھا..... اس خیال سے کہ جب ٹرین اس کے
قریب سے گزرے گی تو ڈبوں کی روشنی اس پر پڑے گی اور وہ مسافروں کو دکھائی دینے
لگے گا..... شیر خان ریلوے لائن کے قریب ہی ایک جھاڑی کی اوٹ میں ہو کر بیٹھ گیا

کہ گاڑی گزر جائے تو پھر آگے بڑھے گا..... انجن لائن پر بڑی تیز روشنی ڈالتا اور شور
مچاتا معمولی رفتار کے ساتھ اس کے سامنے سے گزر گیا۔

اس وقت کمانڈو شیر خان کو معلوم ہوا کہ یہ مسافر گاڑی نہیں تھی بلکہ مال گاڑی
تھی..... گاڑی کی سپیڈ بھی ہلکی تھی..... اچانک شیر خان کے دماغ میں ایک خیال
آگیا..... وہ اٹھا اور ریل کی پٹڑی کے ساتھ ساتھ جس طرف گاڑی جا رہی تھی اس
طرف دوڑنے لگا..... وہ بڑے غور سے مال گاڑی کے ڈبوں کو دیکھ رہا تھا..... مال گاڑی
اس سے تھوڑے فاصلے پر اونچی جگہ پر چلی جا رہی تھی..... مال گاڑی کے ڈبے بند
تھے..... شیر خان نے تاروں کی روشنی میں دیکھ لیا کہ مال گاڑی کے ایک ڈبے کا آدھا
دروازہ کھلا تھا..... وہ دوڑتا ہوا ریلوے لائن پر چڑھ گیا اور مال گاڑی کے بالکل ساتھ
ساتھ دوڑنے لگا..... جب کھلے دروازے والا ڈبہ اس کے سامنے سے گزرنے لگا تو
شیر خان نے دیکھا کہ لوہے کی ایک زنجیر ڈبے کے کے باہر لٹک رہی تھی۔

ٹرین کی رفتار اتنی زیادہ نہیں تھی کہ وہ اس پر چڑھ نہ سکتا..... شیر خان زنجیر کو پکڑ
کر ساتھ ساتھ دوڑ رہا تھا..... دوڑتے دوڑتے وہ ڈبے کے اور قریب ہو گیا اور پھر زنجیر
کو کمند بنا کر اس کے ذریعے ڈبے میں گھس گیا..... ڈبے میں گھستے ہی وہ آہنی فرش پر بیٹھ
گیا اور آنکھیں پوری طرح سے کھول کر اندر جائزہ لینے لگا..... ڈبے کے کونے میں
ایک جانب کچھ سامان بھرا ہوا تھا..... شیر خان اٹھ کر اس کے قریب گیا..... یہ بانس
کے بڑے بڑے گٹھے تھے جو فرش سے لے کر آدھی دیوار تک اوپر کو چلے گئے تھے.....
شیر خان دوڑ کر مال گاڑی کے دروازے میں آگیا..... ڈبے کا آدھا دروازہ بند تھا.....
آدھا کھلا تھا..... معلوم نہیں اس آدھے دروازے کو کیوں کھلا رکھا گیا تھا..... یہ لوہے کا
کافی بڑا دروازہ تھا اور اس کا پٹ اندر کو آیا ہوا تھا..... پہلے شیر خان کو خیال آیا کہ وہ کسی نہ
کسی طرح آدھے دروازے کو بھی بند کر دیتا ہے..... پھر یہ سوچ کر اس نے ایسا نہ کیا کہ
گاڑی کے ساتھ گارڈ ضرور ہو گا..... دروازے کو بند دیکھ کر اس کو شک پڑ سکتا ہے کہ

گاڑی چلی تھی تو آدھا دروازہ کھلا تھا..... پھر یہ کس نے بند کر دیا۔

اس نے دروازہ کھلا ہی رہنے دیا۔

دراصل کمانڈو شیر خان نے مال گاڑی کے ڈبے میں ہی چھپے رہنے کا فیصلہ کر تھا..... اس کے خیال میں یہ ایک محفوظ جگہ تھی اور اس کا ایک فائدہ یہ بھی تھا کہ اگر مال گاڑی گوالیار تک نہیں جا رہی تو وہ اس کے ذریعے گوالیار شہر کی خطرناک حدود نکلنے میں کامیاب ہو جائے گا..... اس نے دروازے میں سے سر نکال کر سٹیشن کی طرف دیکھا..... سٹیشن کی روشنیاں آہستہ آہستہ قریب ہوتی جا رہی تھیں..... کمانڈو شیر خا کے لئے یہ بات بھی تسلی کا باعث تھی کہ مال گاڑیاں ریلوے سٹیشنوں کے عام بارو پلیٹ فارموں پر کھڑی نہیں ہوا کرتیں بلکہ ریلوے یارڈ میں ایک الگ تھلگ ایسے پلیٹ فارم پر کھڑی ہوتی ہیں جہاں کوئی پولیس والا بھی نہیں ہوتا اور سی آئی ڈی والو کی موجودگی کا بھی امکان نہیں ہوتا۔

اب وہ دل میں یہی دعا مانگ رہا تھا کہ یہ گاڑی صرف گوالیار تک ہی نہ جا رہی ہو..... گاڑی کی رفتار ویسی ہی دھیمی تھی جس رفتار سے وہ چلی آ رہی تھی..... خدا جانے اس کے انجن میں کوئی خرابی تھی یا اس کے ڈرائیور کو ہدایت کی گئی تھی کہ گوالیار اسٹیشن کے قریب پہنچ کر رفتار کو آہستہ کر دے..... مال گاڑی کی رفتار سے شیر خان اندا لگانے کی کوشش کر رہا تھا کہ یہ گاڑی گوالیار کے سٹیشن پر رُکتی ہے یا نہیں، مگر اسے کوئی اندازہ نہیں ہو رہا تھا..... مال گاڑی اسی ایک رفتار سے چلی جا رہی تھی..... نہ وہ تیز ہوئی تھی نہ ہلکی ہوئی تھی..... گوالیار کا سٹیشن قریب آتا جا رہا تھا..... شیر خان بانس کے گٹھوں کے پیچھے چھپ کر بیٹھ گیا..... مال گاڑی ریلوے یارڈ میں داخل ہو گئی..... ریل کی پٹڑیوں پر سے گاڑی کے پہیوں کے کراس کرنے کی گڑگڑاہٹ کی آواز آنے لگیں..... اس کے ساتھ ہی ریلوے یارڈ کے کھمبوں پر چلتے مرکری لیمپوں کی روشنی بھی ڈبے کے دروازے میں سے اندر پڑنے لگی۔

کافی دیر تک گاڑی یارڈ میں بچھی ہوئی ریل کی پٹڑیوں پر سے گزرتی رہی..... پھر ے میں بہت سی روشنیاں پڑنے لگیں..... مال گاڑی گوالیار کے سٹیشن کے قریب سے گزر رہی تھی..... گاڑی کی رفتار ویسی کی ویسی تھی..... وہ مدہم نہیں ہو رہی ی..... اس سے شیر خان کو حوصلہ ہوا کہ ٹرین گوالیار سے گزر جائے گی، لیکن اس کی یدوں پر اوس پڑ گئی..... مال گاڑی کی رفتار مزید کم ہونا شروع ہو گئی تھی..... اب بے کے دروازے میں سے روشنیاں اندر سے ہو کر نہیں گزر رہی تھیں..... شیر خان ٹھ کر دروازے میں آ گیا..... اس نے دیکھا کہ گاڑی ریلوے سٹیشن کے شمالی یارڈ میں سے گزر رہی تھی اور اس کی رفتار سے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ یارڈ میں اپنے مخصوص پلیٹ ارم پر جا کر کھڑی ہونے والی ہے۔

شیر خان سوچنے لگا کہ اسے کیا کرنا چاہئے؟

پہلے اسے خیال آیا کہ مال گاڑی کے ڈبے کے اندر ہی بانس کے گٹھوں کے پیچھے چھپ کر بیٹھا رہے..... مال گاڑی زیادہ دیر تو وہاں رکے گی نہیں..... پھر خیال آیا کہ ہو سکتا ہے یہ گاڑی صرف گوالیار تک ہی آ رہی ہو اور جب گاڑی رُکے تو مزدور اندر سے بانس کے گٹھے اتارنے آ جائیں گے اور اسے دیکھ لیں گے..... آخر اس نے یہی فیصلہ کیا کہ گاڑی کے رُکتے ہی اسے ڈبے سے چھلانگ لگا کر اتر جانا چاہئے اور کسی جگہ چھپ کر گاڑی کے دوبارہ چلنے کا انتظار کرنا چاہئے۔

وہ یہ سوچ ہی رہا تھا کہ اچانک انجن نے اوپر تلے دو تین بار سیٹی دی، گاڑی کی سپیڈ آہستہ آہستہ تیز ہونے لگی..... شیر خان خوش ہوا کہ ٹرین یہاں نہیں رُکے گی..... آگے نکل جائے گی..... اور یوں وہ خطرے کے علاقے سے دُور سے دُور ہوتا چلا جائے گا، چنانچہ ایسا ہی ہوا..... مال گاڑی کی رفتار آہستہ آہستہ تیز ہوتی گئی اور وہ گوالیار کے سٹیشن کو پیچھے چھوڑتی ہوئی آگے نکل گئی..... گوالیار کے بعد اگلا بڑا سٹیشن آگرہ تھا جس کے درمیان دھولپور کا جنکشن آتا تھا..... دھولپور بھی گوالیار سے کافی فاصلے پر تھا.....

شیر خان نے سوچ لیا تھا کہ اگر یہ ٹرین صرف دھولپور تک ہی جائے گی، جس کا امکان نہیں تھا تو پھر بھی وہ گوالیار سے کافی آگے نکل چکا ہوگا اور وہاں سے آگرہ اور دلی پہنچنے کا کوئی نہ کوئی انتظام کرے گا۔

شیر خان تین کپڑوں میں تھا..... جیب میں ایک پیسہ بھی نہیں تھا، جو کچھ تھا وہ ہندو پولیس انسپکٹر نے گوالیار کے پولیس سٹیشن میں رکھوالیا تھا، مگر شیر خان کو اس کی فکر نہیں تھی..... فکر اگر تھی تو صرف یہ تھی کہ کہیں وہ اپنی کسی غلطی سے دوبارہ پولیس کے ہتھے نہ چڑھ جائے..... اس لئے اسے بے حد محتاط رہنے کی ضرورت تھی..... مال گاڑی کی ایک نپی تلی رفتار ہوتی ہے..... وہ اس رفتار پر جا رہی تھی..... ابھی رات آدھی بھی نہیں گزری تھی..... اس کا اندازہ شیر خان نے آسمان پر نکلے ہوئے ستاروں کو دیکھ کر لگالیا تھا..... دھولپور تک کئی چھوٹے چھوٹے سٹیشن آئے اور گزر گئے..... دھولپور بڑا شہر تھا..... کافی دیر کے بعد اس شہر کی روشنیاں نظر آنا شروع ہو گئیں..... مال گاڑی دھولپور کو بھی پیچھے چھوڑ کر نکل گئی..... اب آگے آگرے کا مشہور تاریخی شہر تھا۔

آخر آگرہ بھی آگیا..... ٹرین آگرہ سٹیشن پر بھی نہ رُکی..... شیر خان سمجھ گیا کہ گاڑی اب دلی پہنچ کر ہی رُکے گی..... یہ اس کے لئے امید افزا بات تھی..... وہ بانسوں کے گٹھوں کے پیچھے بیٹھا سوچتا رہا کہ دلی پہنچنے کے بعد اسے کیا کرنا چاہئے..... دلی میں مجاہدین کی تنظیم کے آدمی ضرور تھے مگر ان کا شیر خان کو علم نہیں تھا..... کافی سوچ بچار کے بعد شیر خان نے دل میں ایک منصوبہ بنالیا تھا..... متھرا کے سٹیشن کے یارڈ میں ٹرین کچھ دیر کے لئے رُک گئی..... شاید انجن پانی وغیرہ لے رہا تھا..... شیر خان ڈبے کے اندر ہی چھپا رہا..... مال گاڑی نے وہاں کافی دیر لگادی..... پھر کہیں جا کر آگے روانہ ہوئی..... اب وہ چلتی چلی گئی..... رات ڈھل چکی تھی اور آسمان پر صبح کا نور پھیلنے لگا تھا کہ گاڑی دلی کے مضافات میں داخل ہو گئی۔

دلی بہت بڑا جنکشن تھا..... مال گاڑی نے رُکتے رُکتے بھی آدھا گھنٹہ لگادیا..... اس وقت تک صبح ہو چکی تھی..... سورج نکل آیا تھا..... گاڑی ایک بہت بڑے شیڈ کے باہر خالی پلیٹ فارم پر آکر ٹھہر گئی..... شیر خان جلدی سے اٹھ کر دروازے کے پاس آیا اور باہر جھانک کر دیکھا..... اس وقت وہاں قریب قریب کوئی آدمی نہیں تھا..... شیر خان چپکے سے ڈبے سے اتر آیا اور دوڑ کر سامنے لگے تاروں کے جنگلے میں سے گزر کر دوسری طرف یارڈ کی دیوار کے ساتھ ساتھ چلنے لگا..... ایک جگہ سے اسے باہر جانے کا راستہ مل گیا اور وہ باہر سڑک پر آگیا۔

اس نے خدا کا شکر ادا کیا کہ کم از کم دلی خیریت سے پہنچ گیا تھا..... اب یہاں سے اسے آگے جموں کشمیر جانا تھا..... یہ اپنی جگہ پر ایک الگ مشکل مرحلہ تھا..... مشکل اس وجہ سے تھا کہ شیر خان کی جیب خالی تھی..... نہ بس کا کرایہ تھا نہ ریل کا کرایہ تھا اور ریل میں بغیر ٹکٹ سفر کرنے میں پکڑے جانے کا خطرہ تھا..... دلی شہر کی سڑکوں پر بے پناہ ٹریفک رواں دواں تھی..... یہ شہر بھارت کا دارالحکومت تھا..... اس کی آبادی میں بڑی تیزی سے اضافہ ہوا تھا..... زندگی بے حد تیز ہو گئی تھی..... کمانڈو شیر خاں کچھ دُور تک تو سڑک کے کنارے کنارے چلتا رہا..... جب سامنے بڑا چوک آگیا تو وہ ایک جگہ بیٹھ گیا اور سوچنے لگا کہ اسے کیا کرنا چاہئے..... اچانک اسے سردار لاہوری سنگھ کا خیال آگیا..... سردار لاہوری سنگھ کا تعلق بھارت میں خالصتان کی تحریک کے اہم کارکنوں سے تھا اور کشمیری مجاہدین کے ساتھ مل کر بھی کام کرتا رہا تھا..... دلی میں ایک بار شیر خان کی اس سے ملاقات ہو چکی تھی..... یہ ملاقات ایک گردوارے میں ہوئی تھی..... اس گردوارے کا شیر خان کو علم تھا کہ وہ دلی میں کس جگہ پر واقع ہے..... اس وقت سردار لاہوری سنگھ ہی اس کے کام آسکتا تھا..... شیر خان اٹھا اور اس علاقے کی طرف چل پڑا جہاں گردوارہ تھا۔

✿ ✿ ✿

اس گردوارے کا محل وقوع ہم مصلحتاً صیغہ راز میں ہی رکھنا چاہتے ہیں اور یہ بالکل نہیں بتائیں گے کہ وہ دلی کے کس علاقے میں تھا..... بہر حال وہ دلی ریلوے سٹیشن سے کافی دُور تھا..... شیر خان کی جیب خالی تھی..... وہ رکشا ٹیکسی پر نہیں جا سکتا تھا..... پیدل ہی چل پڑا..... اسے گردوارے میں پہنچتے پہنچتے ایک گھنٹہ لگ گیا..... گردوارے کو دیکھتے ہی اس نے پہچان لیا کہ یہ وہی گردوارہ ہے..... اس وقت گردوارے کے اندر پوتر گردبانی کا پاٹھ ہو رہا تھا..... شیر خان نے جوتے اتار کر ایک جگہ پاؤں دھوئے اور گردوارے کے صحن میں چل پھر کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگا..... اسے ایک جگہ ایک سکھ سیوادار دکھائی دیا جو فرش دھو رہا تھا..... شیر خان نے اس کے پاس جا کر ست سری اکال کہا اور سردار لاہوری سنگھ کے بارے میں پوچھا..... سکھ سیوادار نے مشکوک نگاہوں سے شیر خان کو دیکھا اور بولا۔

"تمہیں لاہوری سنگھ سے کیا کام ہے؟ تم کہاں سے آئے ہو"۔

کمانڈو شیر خان بولا۔

"میں اس کا دوست ہوں اور اس سے بڑا ضروری ملنا ہے..... فکر نہ کرو..... میں سی آئی ڈی کا آدمی نہیں ہوں"۔

سیوادار نے ایک چوبارے کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"وہاں چلے جاؤ"۔

شیر خان برآمدے میں آ کر چوبارے کی سیڑھیاں چڑھنے لگا..... اوپر دروازہ بند تھا..... اندر سے دو آدمیوں کے باتیں کرنے کی آواز آ رہی تھی..... شیر خان نے آہستہ سے دستک دی..... آدمیوں کے باتیں کرنے کی آواز بند ہو گئی..... کسی نے پوچھا۔

"کون ہے بھئی؟"۔

شیر خان نے آواز پہچان لی..... یہ سردار لاہوری سنگھ کی آواز تھی..... شیر خان نے کہا۔

"میں ہوں سردار جی..... شیر خان"۔

دوسرے لمحے دروازہ کھل گیا..... سامنے سردار لاہوری سنگھ کھڑا تھا..... شیر خان کو دیکھتے ہی بولا۔

"میرا شیر خان یار کہاں سے آ گیا..... بھئی واہ"۔

دونوں بازو کھول کر اس نے شیر خان کو گلے لگا لیا..... پھر اسے اندر کمرے میں لے آیا..... چھوٹا سا کمرہ تھا..... ایک چارپائی بچھی تھی..... لاہوری سنگھ نے اپنے آدمی کو رخصت کرتے ہوئے کہا۔

"بھوپندر سیاں! نیچے جاتے ہوئے سیوادار کو اوپر بھیج دینا"۔

بھوپندر سنگھ یعنی دوسرا سردار چلا گیا..... لاہوری سنگھ نے بڑے غور سے شیر خان کا جائزہ لیا اور بولا۔

"شیر خان! خیر تو ہے؟ اس وقت اچانک کیسے اور کہاں سے آ گئے؟"۔

شیر خان نے کہا۔

"یہ بڑی لمبی کہانی ہے"۔

سردار لاہوری سنگھ ایسا آدمی تھا کہ اس پر شیر خان اعتماد کر سکتا تھا..... اس نے اسے مختصر کر کے ساری روداد بیان کر دی..... لاہوری سنگھ بے اختیار بولا۔

"شاباش شیر جوان! شاباش!"۔

اتنے میں سیوادار اوپر آگیا..... لاہوری سنگھ نے اسے کہا۔

"جلدی سے دو آدمیوں کے لئے چائے اور گرم گرم پوڑیاں لے آؤ"۔

اس کے بعد دونوں انقلابی دوست باتیں کرنے لگے..... شیر خان نے لاہوری سنگھ کو روہت گڑھ کے ڈیم کی تباہی کے بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا..... بس اسے یہی کہا تھا کہ وہ اور مجاہد شاہد علی ایک خاص مشن پر گئے تھے کہ دونوں پکڑے گئے..... شاہد علی کا کچھ پتہ نہیں کہ جھانسی میں ہے یا پولیس اسے کہاں لے گئی ہے۔

"بس میں کسی نہ کسی طرح فرار ہو کر یہاں پہنچ گیا ہوں اور اب مجھے واپس کشمیر جانا ہے"۔

لاہوری سنگھ نے کہا۔

"اس کا انتظام ہو جائے گا..... تم سب سے پہلے ایسا کرو کہ جب تک چائے پوڑی نہیں آتی اتنی دیر میں یہ سامنے غسل خانہ ہے، اندر جا کر نہاؤ..... میرے کپڑے تمہیں آجائیں گے..... کپڑے بدل لو..... جاؤ"۔

کمانڈو شیر خاں نے غسل کیا..... اس کے بعد سردار لاہوری سنگھ کی دھوبی کی دُھلی ہوئی پتلون اور قمیض پہنی اور تازہ دم ہو کر اس کے سامنے بیٹھ گیا..... شیر خان کی کلائیوں کا درد اب کافی حد تک ختم ہو گیا تھا..... سیوادار ناشتہ لے آیا..... دونوں دوستوں نے ناشتہ کیا..... ناشتے کے بعد لاہوری سنگھ کہنے لگا۔

"جب تک تم میرے پاس گردوارے میں ہو تمہاری طرف کوئی آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھ سکتا..... باقی رہا جموں کشمیر جانے کا معاملہ تو اس کے لئے ایسا ہے کہ رات کے وقت دلی سے فرنٹیر میل پنجاب کی طرف جاتی ہے..... وہ تمہیں منہ اندھیرے امرتسر پہنچا دے گی..... نابھہ سے لے کر جالندھر تک سی آئی ڈی جگہ جگہ موجود ہوتی ہے..... یہاں تم بالکل نہ اترنا..... سیدھا امرتسر جا کر اترنا..... امرتسر سے تمہیں جموں کی لاری مل جائے گی..... میں خود تمہیں امرتسر تک چھوڑ آتا لیکن حالات کچھ ایسے ہیں کہ

میرا چوبیس گھنٹے دلی میں رہنا ضروری ہے"۔

رات کو لاہوری سنگھ خود شیر خان کو فرنٹیر میل پر چڑھانے اس کے ساتھ گیا..... دلی سے امرتسر تک کا ٹکٹ وہ خود خرید کر لایا..... اس کے علاوہ اس نے شیر خان کو ضروری اخراجات کے لئے دو سو روپے الگ بھی دیئے..... جب تک فرنٹیر میل دلی سٹیشن پر کھڑی رہی لاہوری سنگھ بھی پلیٹ فارم پر موجود رہا..... فرنٹیر میل ساری رات چلتی رہی..... جب نابھہ کا سٹیشن آیا تو پو پھٹ چکی تھی..... شیر خان جاگ رہا تھا..... وہ ڈبے میں برتھ پر ہی لیٹا رہا..... نابھہ سے جالندھر تک کا علاقہ بڑا حساس علاقہ تھا، کیونکہ یہاں سے جموں کو ٹرین بھی جاتی تھی اور لاریاں بھی آتی جاتی رہتی تھیں..... ٹرین جالندھر سے بھی خیریت کے ساتھ گزر گئی۔

امرتسر کے سٹیشن پر شیر خان اترا گیا اور سر جھکائے ہوئے لیکن چاروں طرف سے خبردار ہو کر خاموشی سے سٹیشن سے باہر نکل آیا..... وہ جموں جانے والی لاریوں کے اڈے پر آگیا..... یہاں سے وہ ایک لاری میں سوار ہو کر جموں کی طرف روانہ ہو گیا..... کمانڈو شیر خان سے ہم کچھ دیر کے لئے جدا ہوتے ہیں اور مجاہد شاہد علی کی طرف چلتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ وہ کس حال میں ہے۔

یہ تو آپ پڑھ چکے ہیں کہ اسے جھانسی سے گرفتار کیا گیا تھا اور جھانسی کے قلعے میں لے جایا گیا تھا..... وہاں اس سے باقاعدہ پوچھ گچھ شروع ہو گئی..... اسے ہر قسم کی اذیت کا نشانہ بنایا گیا، لیکن مجاہد شاہد علی نے کچھ بھی بتانے سے انکار کر دیا..... اس نے یہ تسلیم کر لیا کہ وہ سپیرا نہیں ہے..... کشمیری مجاہد ہے مگر اس کا روہت ڈیم کی تباہی سے کوئی تعلق نہیں ہے..... انٹیلی جنس کے چیف نے پوچھا۔

"اگر تمہارا روہت ڈیم کی تباہی سے کوئی تعلق نہیں ہے تو تم جھانسی میں سپیرے کا بھیس بدل بدل کر کیا کر رہے تھے؟"۔

شاہد علی نے کہا۔

"میں اپنے ایک دوست سے ملنے بمبئی گیا ہوا تھا..... واپس کشمیر کے لئے روانہ ہونے لگا تو سنا کہ روہت گڑھ کے ڈیم کو اُڑا دیا گیا ہے..... مجھے معلوم تھا کہ پولیس نے اندھا دھند پکڑ دھکڑ شروع کر دی ہو گی اور جس پر ذرا سا بھی شک پڑا اسے کشمیری مجاہد سمجھ کر پکڑ لے گی..... بس اس خیال سے میں نے سپیروں والا حلیہ بنایا اور بمبئی سے چل پڑا"۔

لیکن جھانسی کے انٹیلی جنس چیف نے مجاہد شاہد علی کے بیان پر بالکل یقین نہیں کیا تھا..... جب اسے یہ خبر ملی کہ گوالیار میں بھی ایک مجاہد پکڑا گیا ہے تو اس کو پکا یقین ہو گیا کہ اس کشمیری مجاہد شاہد علی کا تعلق اس گروہ سے ہے جس نے روہت ڈیم کو تباہ برباد کر کے بھارت کی اور بھارت کی انٹیلی جنس کی عزت خاک میں ملا دی ہے..... اس نے مجاہد شاہد علی کے گرد سکیورٹی انتظامات مزید سخت کر دیئے اور اسے فوراً نجیب آباد کے پتھر گڑھ قلعے کے سب سے بدنام اور خوفناک ٹارچر سینٹر میں پہنچا دیا۔

نجیب آباد کے پتھر گڑھ قلعے کے ٹارچر سیل کا انچارج انٹیلی جنس کا ڈی آئی جی گوپال کالیکر ایک مرہٹہ تھا جو وہاں کالے جلاد کے نام سے مشہور تھا..... بھاری بھر کم گوپال کالیکر کا رنگ کالا تھا اور وہ اذیتیں دے دے کر کئی بے گناہ ملزموں کو ہلاک کر چکا تھا..... اس کے نزدیک کسی مشتبہ ملزم کو اذیتیں دے کر ہلاک کرنا ایسا ہی تھا جیسے کوئی کسی مکھی کو مسل دے..... بڑا سنگ دل اور بے رحم آدمی تھا..... اس کے ٹارچر کرنے کا طریقہ ایسا بھیانک اور تکلیف دہ ہوتا تھا کہ جس بے چارے نے کوئی جرم نہیں بھی کیا ہوتا تھا تو وہ گھبرا کر اقبال جرم کر لیتا تھا۔

مجاہد شاہد علی کو اسی کالے جلاد گوپال کالیکر کے حوالے کر دیا گیا اور اسے اوپر سے حکم دیا گیا کہ اس کشمیری مجاہد کا تعلق روہت ڈیم تباہ کرنے والی کمانڈو پارٹی سے ہے چنانچہ اس سے ہر حالت میں اس کے گروہ کے دوسرے لوگوں کا اتا پتہ معلوم کیا جائے..... کالے جلاد کالیکر نے پہلے ہی دن مجاہد شاہد علی کو زنجیروں سے باندھ کر اتنا

پیٹا کہ وہ بے ہوش ہو گیا اور اسے شام کو ہوش آیا..... ہوش آنے کے بعد کالے جلاد نے شاہد علی سے باقاعدہ پوچھ گچھ شروع کر دیا..... کہنے لگا۔

"میں کس قسم کا جلاد ہوں اس کا نمونہ میں نے تمہیں دیکھا دیا ہے، لیکن یہ میں نے صرف اپنے ہاتھ کھولنے کے لئے کیا ہے..... اصل ڈرامہ بعد میں شروع ہو گا..... تمہاری جان صرف اسی صورت میں بچ سکتی ہے کہ چپکے سے مجھے اپنے ساتھیوں کے نام اور پتے بتا دو کہ وہ کہاں کہاں چھپے ہوئے ہیں..... اگر تم نے یہ سب کچھ بتا دیا تو میرا تم سے وعدہ ہے کہ تمہیں چھوڑ دوں گا"۔

اس قسم کی باتیں مجاہد شاہد علی کے لئے بھی کوئی نئی بات نہیں تھی..... اپنے کمانڈو مشن کے دوران وہ بد قسمتی سے یا اپنی کسی غلطی سے پکڑا گیا تھا تو اس کے ساتھ بھارت کے عقوبت خانوں میں ایسا ہی وحشیانہ سلوک ہوتا رہا تھا، چنانچہ مجاہد شاہد علی نے صاف انکار کرتے ہوئے کہا۔

"میں کشمیری مجاہد ضرور ہوں لیکن میں کشمیر کے محاذ پر بھارتی فوج سے لڑتا ہوں..... بھارت کے دوسرے شہروں میں دھماکے کرنا میرا کام نہیں ہے..... اس لئے میرا روہت گڑھ ڈیم کی تباہی سے کوئی تعلق نہیں ہے"۔

لیکن گوپال کالیکر جلاد بھلا کیسے یقین کر لیتا..... اس نے مجاہد شاہد علی پر اذیت کے نت نئے وحشیانہ طریقے آزمانے شروع کر دیئے..... اوپر سے اگر کالیکر جلاد کو یہ ہدایت نہ ملی ہوتی کہ اس کشمیری مجاہد کو مارنا نہیں ہے بلکہ آخری دم تک اس سے اس کے ساتھیوں کا پتہ چلانے کی کوشش کرنی ہے تو کالیکر جلاد مجاہد شاہد علی کو پہلی رات ہی اذیت دے دے کر مار چکا ہوتا۔

نجیب آباد کے قلعے پتھر گڑھ کے بارے میں ہم یہ بتاتے چلیں کہ یہ قلعہ اسی علاقے کی ایک سرکش بھاٹ قوم کے ڈاکوؤں کی وجہ سے بہت مشہور رہ چکا تھا..... کسی زمانے میں سلطانہ ڈاکو نے بھی اس پرانے قلعے کو اپنی آماجگاہ بنا رکھا تھا، بعد میں جب

ہندوستان آزاد ہوا تو انڈین گورنمنٹ نے اسے اپنی تحویل میں لے لیا اور آج کل یہا
صوبے کی انٹیلی جنس پولیس نے اپنا خاص انٹیروگیشن سینٹر بنایا ہوا تھا اور مرہٹہ ڈی آ
جی انٹیلی جنس اس اذیت گاہ کا انچارج تھا..... یہاں ان خطرناک ملزموں کو لایا جاتا تھا
ہر قسم کی اذیت برداشت کر جاتے تھے مگر اپنی زبان نہیں کھولتے تھے۔

قلعہ پتھر گڑھ کے قریب ہی وہ جنگل تھا جس کا شمار انڈیا کے خوفناک اور خطرناک
جنگلوں میں ہوتا تھا..... سلطانہ ڈاکو تو اب نہیں رہا تھا لیکن اس کا ایک شاگرد برجو بھا
قتل و غارت اور ڈاکہ زنی کے بعد اکثر اس جنگل میں روپوش ہو جایا کرتا تھا..... ا
جنگل میں اس نے پولیس سے بچنے کے لئے اپنے کئی خفیہ ٹھکانے بنائے ہوئے تھے...
سلطانہ ڈاکو کی طرح ڈاکو برجو بھاٹ کی بھی علاقے میں بڑی دہشت تھی اور پولیس بھ
اس کا مقابلہ کرنے سے کتراتی تھی۔

یہ اتفاق کی بات ہے کہ جس وقت مجاہد شاہد علی کو پوچھ گچھ کے لئے قلعہ پتھ
گڑھ میں لایا گیا تھا تو اس قلعے میں ان دنوں ڈاکو برجو بھاٹ کے گروہ کا ایک ڈاکو بھ
پولیس نے پکڑ کر بند کر رکھا تھا اور جلاد گوپال کالیکر اس سے بھی پوچھ گچھ کر رہا تھا کہ
برجو ڈاکو کا خفیہ ڈیرہ جنگل میں کہاں کہاں پر ہے..... اس ڈاکو برجو بھاٹ کے ساتھی
نام رام دت تھا..... قلعے کی جس کوٹھڑی میں مجاہد شاہد علی کو قید کیا گیا تھا اس کی ساتھ
والی کوٹھڑی میں برجو ڈاکو کا ساتھی رام دت بھی بند تھا..... وہ کوٹھڑی جہاں پوچھ گچھ
کے دوران تشدد کیا جاتا تھا وہاں سے کچھ فاصلے پر قلعے کے مشرقی حصے میں تھی.....
پہلے ہی دن جب مجاہد شاہد علی کو جلاد کالیکر نے اندھا دھند پیٹنے کے بعد بے ہوشی کی
حالت میں اس کی کوٹھڑی میں پھینک دیا تھا تو ایک ڈیڑھ گھنٹے بعد جب شاہد علی اپنے
ہوش و حواس میں آیا تو ساتھ والی کوٹھڑی سے کراہنے اور جلاد کالیکر کو گالیاں دینے کی
آواز آ رہی تھی۔

یہ برجو ڈاکو کا ساتھی رام دت تھا جس پر تشدد کے بعد اسے اس کی کوٹھڑی میں

لا کر ڈال دیا گیا تھا..... شاہد علی کے ساتھ ہی ساتھ ڈاکو رام دت پر بھی تشدد اور پوچھ
گچھ کا سلسلہ شروع ہو گیا..... شاہد علی ہر قسم کا اذیت ناک تشدد برداشت کرتا رہا مگر
اس نے اپنی زبان بند رکھی..... دوسری طرف ڈاکو رام دت کا برا حال تھا..... اسے
طرح طرح کی اذیتیں دینے کے بعد جب کوٹھڑی میں لا کر ڈال دیا جاتا تو وہ دیر تک
کراہتا رہتا اور پولیس انچارج گوپال کالیکر کو گالیاں دیتا رہتا..... اس طرح دو دن اور دو
راتیں گزر گئیں..... دوسری طرف ڈاکو برجو بھاٹ بھی اپنے ساتھی رام دت کو پولیس
کے چنگل سے نکالنے کے لئے بے چین تھا اور موقع کے انتظار میں تھا..... تیسرے دن
کا ذکر ہے کہ مجاہد شاہد علی اپنی کوٹھڑی میں تشدد کی وجہ سے کچھ نڈھال سا ہو کر پڑا
تھا..... ساتھ والی کوٹھڑی میں رام دت ڈاکو کو ابھی ابھی اذیتیں دینے کے بعد لا کر بند
کیا گیا تھا اور وہ کراہ بھی رہا تھا اور پولیس کو گالیاں بھی دے رہا تھا..... شاہد علی کی
کوٹھڑی کا دروازہ بند تھا..... اتنے میں رات کی خاموش فضا فائرنگ کے دھماکوں سے
گونجنے لگی..... یہ سٹین گنوں اور تھری ناٹ تھری کی رائفلوں کے دھماکے تھے جن کی
آواز بڑے قریب سے آ رہی تھی..... فائرنگ اندھا دھند اور مسلسل ہو رہی تھی.....
شاہد علی جاگ رہا تھا..... اسے ایسے لگا جیسے پتھر گڑھ کے قلعے پر کسی بہت بڑی فوج نے
حملہ کر دیا ہے۔

یہ مختصر سی فوج برجو ڈاکو کے گروہ کی تھی جس نے اپنے ساتھی رام دت کو جیل
سے نکالنے کے لئے اچانک یلغار کر دی تھی اور خونی ڈاکو بے تحاشا گولیاں برساتے قلعے
کی شکستہ دیوار میں سے قلعے کے اندر داخل ہو گئے تھے..... اگر یہ ملٹری انٹیلی جنس کا
سینٹر ہوتا تو یہاں فوج تعینات ہوتی..... جس کا مقابلہ کرنا برجو ڈاکو کے بس میں نہیں
تھا..... یہ پولیس انٹیلی جنس کا سینٹر تھا جہاں پولیس کی محدود مسلح نفری تعینات تھی اور
پولیس پہلے ہی برجو ڈاکو کے نام سے دہشت زدہ تھی..... برجو ڈاکو نے قلعے میں داخل
ہوتے ہی چھ سات سپاہیوں کو بھون ڈالا..... باقی جان بچا کر ادھر ادھر چھپ گئے او

یونہی نام رکھنے کو ہوائی فائرنگ کرنے لگے۔

برجوڈاکو کے لئے میدان صاف تھا..... ویسے بھی وہ آندھی کی طرح آیا تھا۔ اس کے مخبروں نے اسے بتادیا تھا کہ رام دت کون سی کوٹھڑی میں بند ہے..... وہ سیدھا گن کی بوچھاڑیں برساتا اپنے آدمیوں کے ساتھ سیدھا رام دت کی کوٹھڑی کے پاس آگیا..... رائفلوں کے بٹ مار کر کوٹھڑی کا تالا توڑ دیا گیا..... رام دت پہلے ہی فائرنگ کی آوازیں سن کر برجو گورو دیو کی جے..... گورو برجو کی جے کے نعرے لگا رہا تھا..... مجاہد شاہد علی یہ ساری آوازیں اپنی کوٹھڑی میں بیٹھا سن رہا تھا..... وہ سمجھ گیا کہ ساتھ والی کوٹھڑی میں جو ڈاکو قید ہے اس کو چھڑانے کے لئے اس کے ساتھی گئے ہیں..... کوٹھڑی کے باہر برجو ڈاکو نے چلا کر کہا۔

"رام دت! باہر آجا میں آگیا ہوں"۔

اس کے بعد رام دت کی آواز آئی۔

"گورو! مجھے پتہ تھا تم ضرور آؤ گے"۔

شاہد علی کو اپنی کوٹھڑی کے آگے سے آدمیوں کے دوڑنے بھاگنے کی آ آئی..... ساتھ ہی اس نے سنا کہ رام دت نے بلند آواز میں کہا۔

"گورو برجو! اس کوٹھڑی میں بھی کوئی قیدی ہے..... مجھے وہ بھی ڈاکو لگتا ہے۔ اس کو بھی ساتھ لے چلو"۔

اس کے بعد برجو ڈاکو کی آواز بلند ہوئی۔

"اس کو بھی لے چلو"۔

پھر مجاہد شاہد علی کی کوٹھڑی کا بھی تالا ٹوٹ گیا..... دھڑاک سے دروازہ کھلا باہر بجلی کی روشنی میں شاہد علی نے ایک دراز قد آدمی کو دیکھا جس نے منہ پر کالا لپیٹ رکھا تھا..... اس کے ہاتھ میں سٹین گن تھی..... اس کے ساتھ رام دت دوسرے مسلح ڈاکو بھی تھے..... دراز قد آدمی نے جو برجو ڈاکو ہی تھا شاہد علی سے کہا۔

"مہاشے! تم بھی آجاؤ ہمارے ساتھ"۔

شاہد علی نے یہ موقع غنیمت جانا اور کوٹھڑی سے نکل کر ان ڈاکوؤں کے ساتھ گیا..... ڈاکو گولیاں برساتے قلعے کی شکستہ دیوار میں سے نکل کر درختوں میں اس جگہ گئے جہاں دو جیپیں اور کچھ گھوڑے کھڑے تھے..... رام دت نے شاہد علی کو بھی اسی یپ میں اپنے ساتھ بٹھالیا جس میں برجو ڈاکو اور دو اور ڈاکو بیٹھے تھے..... ان کے بیٹھتے جیپ ایک دم سٹارٹ ہوئی اور نجیب آباد کے خطرناک جنگل کی طرف دوڑنے ں..... پیچھے دوسری جیپ تھی اور اس کے پیچھے باقی ڈاکو گھوڑے دوڑاتے اور فائرنگ رتے چلے آرہے تھے۔

یہ سب کچھ اتنی جلدی ہو گیا تھا کہ شاہد علی کو یقین نہیں آرہا تھا کہ وہ قلعے کی قید سے آزاد ہو گیا ہے..... گھنے جنگل میں داخل ہونے کے بعد ڈاکوؤں نے فائرنگ بند ردی..... اندھیری رات میں ڈاکوؤں کی دونوں جیپیں اور گھوڑے آگے ہی آگے ڑھتے جارہے تھے..... کافی فاصلہ طے کرنے کے بعد جیپیں ایک جگہ درختوں کے پاس اکر رُک گئیں..... برجو ڈاکو جیپ سے اُترا..... اس نے اپنے ساتھی رام دت کو ساتھ یا..... رام دت نے مجاہد شاہد علی کو ساتھ لیا اور اندھیرے میں درختوں کے اس جھنڈ ں طرف چلے گئے جہاں دو تین جگہوں پر لالٹینیں جل رہی تھیں..... یہاں ایک جھونپڑے کے آگے بڑی چارپائی بچھی ہوئی تھی..... وہاں بھی کچھ ڈاکو موجود تھے..... وہ سب اپنے ساتھی رام دت کو دیکھ کر بڑے خوش ہوئے..... اس کے گلے لگ کر ملے ور پھر ایک ڈاکو نے شاہد علی کی طرف دیکھ کر کہا۔

"گورو! یہ نمونہ کہاں سے پکڑ لائے ہو؟"۔

رام دت نے شاہد علی کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"اسے بھی اپنا ساتھی ہی سمجھو..... اس سالے کالیکر نے اسے بھی بہت پیٹا ہے"۔

برجو ڈاکو نے اس دوران اپنی سٹین گن کندھے سے اتار کر ہاتھ میں لے لی اور

رام دت سے کہا۔

"رامو! اپنے دوست کو اندر لے آؤ"۔

مجاہد شاہد علی نے دل میں سوچا کہ کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ وہ گڑھے سے نکل کنوئیں میں گر پڑا ہو..... یہ سارے ڈاکو ہندو قوم کے تھے..... وہ مسلمان تھا اور کشمی مجاہد تھا جو ان کی فوج کے خلاف جہاد کر رہا تھا..... بہر حال اب وہ ان کے ساتھ تھا..... یہ بات اس نے دل میں طے کر لی تھی کہ وہ انہیں اپنے کشمیری حریت ہونے کا بالکل نہیں بتائے گا۔

وہ برجو ڈاکو اور رام دت کے ساتھ جھونپڑے میں چلا آیا..... جھونپڑے میں ایک مٹی کے تیل کی لالٹین روشن تھی..... زمین پر چھوٹی دری بچھی تھی..... ا چارپائی بھی تھی جس پر سادہ سا بستر لگا تھا..... چارپائی کے پاس دو موڑھے پڑ تھے..... برجو ڈاکو چارپائی پر بیٹھ گیا..... رام دت اور شاہد علی سامنے موڑھوں پر گئے..... برجو ڈاکو نے سرہانے کے نیچے سے سگریٹ کا پیکٹ نکال کر سگریٹ سلگایا رام دت سے ہا۔

"اس کالیکر نے تمہیں بڑی تکلیفیں دی ہوں گی..... مجھے معلوم ہے، مگر را دت..... میں بھی اسے نہیں چھوڑوں گا..... سمجھ لو کہ اس کی زندگی کے دن بہ تھوڑے رہ گئے ہیں"۔

اتنے میں ایک ڈاکو چائے کے گلاس لے کر آیا..... وہ سب چائے پینے لگے..... برجو ڈاکو نے اچانک مجاہد شاہد علی کی طرف متوجہ ہو کر پوچھا۔

"کیا نام ہے تمہارا؟"۔

شاہد علی نے کہا۔

"میرا نام حیدر خاں ہے"۔

برجو ڈاکو نے پوچھا۔

"کہاں کے رہنے والے ہو..... کیا کرتے ہو"۔

شاہد علی کمانڈو نے پہلے ہی سے سب کچھ سوچ رکھا تھا..... اس نے کہا۔

"میں بمبئی میں پرانے فرنیچر کی خرید و فروخت کا دھندا کرتا ہوں..... علاقے کا تھانیدار ایک بار میری دکان پر آیا..... اس کو ایک صوفہ سیٹ پسند آ گیا..... کہنے لگا یہ میرے فلیٹ پر پہنچا دو..... میں نے قیمت بتائی تو بولا، مجھ سے قیمت مانگتے ہو، جانتے نہیں میں کون ہوں..... میں نے کہا کہ جانتا ہوں کہ آپ علاقے کے تھانیدار ہیں، لیکن یہ میرا دھندا ہے..... میں صوفہ سیٹ کی قیمت لئے بغیر آپ کو نہیں لے جانے دوں گا..... اس نے مجھے بہن کی گالی دی تو مجھے طیش آ گیا اور میں نے اسے اٹھا کر فرش پر پٹخ دیا"۔

"شاباش شاباش!" برجو ڈاکو بے اختیار بول اٹھا۔

"پھر کیا ہوا؟" رام دت نے پوچھا۔

شاہد علی نے کہا۔

"بس تھانیدار میرا دشمن ہو گیا..... دو روز بعد پولیس کی گارد لے کر میری دکان پر آیا بولا..... ہمیں اطلاع ملی ہے کہ تم ہیروئن بیچتے ہو اور اس کے ساتھ ہی پولیس نے میری دکان کی تلاشی لینی شروع کر دی..... خدا جانے کہاں سے ایک سپاہی نے ہیروئن کی تھیلی باہر نکالی اور کہا..... سر! یہ ہے ہیروئن جو اس نے یہاں چھپائی ہوئی تھی..... اسی وقت پولیس مجھے گرفتار کر کے لے گئی..... تھانیدار تو مجھ سے اپنی بے عزتی کا بدلہ لینا چاہتا تھا..... اس نے جلاد کالیکر سے مل کر مجھے پتھر گڑھ کے قلعے میں پہنچا دیا جہاں اسی روز سے مجھ پر تشدد کیا جا رہا تھا..... یہ تو بھلا ہو بھائی رام دت کا کہ اس کو میرا خیال آ گیا اور یہ مجھے بھی وہاں سے نکال کر لے آیا..... بس یہ میری داستان ہے"۔

برجو ڈاکو نے کہا..... "ٹھیک ہے..... اب تم دوسرے جھونپڑے میں جا کر سو جاؤ..... باقی باتیں کل ہوں گی"۔

برجوڈاکو نے اپنے ایک ڈاکو ساتھی کے ہمراہ مجاہد شاہد علی کو باہر بھیج دیا..... جب شاہد علی چلا گیا تو برجو نے رام دت سے کہا۔

"رامو! تمہارا کیا خیال ہے..... یہ کہیں پولیس کا آدمی تو نہیں ہے؟"۔

رام دت بولا۔

"گورو! کیسی باتیں کرتے ہو..... اگر یہ آدمی پولیس کا مخبر ہوتا تو تمہیں جیل توڑتے دیکھ کر دہائی دینے لگ جاتا کہ مجھے بھی ساتھ لے چلو..... یہ لوگ مجھے مار ڈالیں گے، مگر اس نے تو کچھ بھی نہیں کہا..... بلکہ اُلٹا میں اسے اپنی مرضی سے ساتھ لے آیا ہوں کہ بے چارہ میری طرح پھنس گیا ہے..... کیوں نہ اسے بھی جلاد کالیکر سے مکتی دلادوں"۔

برجوڈاکو نے سگریٹ کا کش لگاتے ہوئے کہا۔

"تم چاہے کچھ کہو..... مجھے اس آدمی پر شک ہے..... یہ جھوٹ بول رہا تھا..... یہ آدمی اصل میں کوئی اور ہی ہے..... ٹھیک ہے..... اب تم بھی جا کر آرام کرو..... صبح دیکھا جائے گا"۔

شاہد علی کمانڈو ساتھ والی جھونپڑی کے اندر دری پر لیٹا سوچ رہا تھا کہ کہیں اُلٹی آنتیں گلے نہ پڑ جائیں..... پولیس کی قید سے تو نکل آیا ہوں..... ان لوگوں کو میری اصلیت کا پتہ چل گیا کہ میں کشمیری مجاہد ہوں تو میرے لئے مشکل پیدا ہو سکتی ہے..... ہو سکتا ہے کہ برجو ڈاکو کسی پولیس آفیسر کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے اسے پولیس کے حوالے کر دے..... شاہد علی نے فیصلہ کیا کہ وہ ان ڈاکوؤں کے ڈیرے سے بھی صبح موقع پا کر بھاگ جائے گا..... ابھی تک ڈاکو لوگ اس کے ساتھ اچھا سلوک کر رہے تھے اور بظاہر اسے ہر قسم کی چلنے پھرنے کی آزادی تھی۔

شاہد علی جب دن چڑھے اٹھا اور جھونپڑی سے باہر آیا تو باہر دو ڈاکو سٹین گن لئے ایسے کھڑے تھے جیسے پہرہ دے رہے ہوں..... مجاہد شاہد علی کا ماتھا ٹھنکا، مگر اس نے

یہی ظاہر کیا کہ جیسے کوئی خاص بات نہیں ہوئی..... جب وہ منہ ہاتھ دھونے کے لئے قریبی تالاب کی طرف چلا تو دونوں ڈاکو اس کے دائیں بائیں ہو کر اس کے ساتھ چلنے لگے..... مجاہد شاہد علی سمجھ گیا تھا کہ برجو ڈاکو نے اسے اپنی حراست میں لے لیا ہے..... اس نے انجان بنتے ہوئے کہا۔

"تم لوگ میرے ساتھ کیوں چلنے لگے ہو؟"۔

ان میں سے ایک ڈاکو نے ہنس کر کہا۔

"گورو کا آرڈر ہے کہ ہم تمہاری رکھشا کریں"۔

وہ شاہد علی کی رکھشا نہیں بلکہ نگرانی کر رہے تھے..... یہ فیصلہ برجو ڈاکو نے صبح صبح رام دت کے ساتھ مشورہ کرنے کے بعد کیا تھا..... اس نے رام دت کو منہ اندھیرے اپنے جھونپڑے میں بلا کر کہا تھا۔

"رامو! ہم پتھر گڑھ قلعے میں اپنا مخبر بھیج کر پتہ کرائیں گے کہ تمہاری کوٹھڑی کے ساتھ والی کوٹھڑی میں جو قیدی بند تھا وہ کون تھا اور اس کو کس جرم میں وہاں لایا گیا تھا"۔

رام دت نے کہا۔

"گورو اس کی کیا ضرورت ہے؟"۔

برجو بولا۔

"مجھے شک ہے کہ یہ آدمی پاکستانی جاسوس ہے اور اسے جاسوسی کرنے کے جرم میں قلعے میں بند کیا گیا تھا اور اس سے پوچھ گچھ ہو رہی تھی"۔

رام دت نے کہا۔

"گورو! اگر یہ بات سچ بھی نکلی تو ہمیں اس سے کیا لینا دینا"۔

برجو نے کہا۔

"اگر ثابت ہو گیا کہ یہ شخص جو اپنا نام حیدر خان بتاتا ہے واقعی پاکستانی جاسوس

ہے تو ہم اسے حکومت کے حوالے کر کے حکومت کی خوشنودی حاصل کر سکتے ہیں"۔

"اس سے ہمیں کیا فائدہ ہو گا؟" رام دت نے کہا۔

برجوڈاکو بولا۔

"تم ان باتوں کو نہیں سمجھتے..... یہ خوشنودی آگے چل کر کسی مشکل میں ہمارے کام آسکتی ہے"۔

"پھر اب تم کیا چاہتے ہو؟" رام دت نے پوچھا۔

برجوڈاکو کہنے لگا۔

"پہلا کام تم یہ کرو کہ اس شخص کے جھونپڑے کے باہر اپنے آدمیوں کا پہرہ بٹھادو..... وہ تالاب پر دن میں صرف ایک بار جائے اور ہمارے دو آدمی اسلحہ لے کر اس کے ساتھ ہوں..... اس کے سوا اس شخص کو جھونپڑے سے باہر نکلنے کی اجازت نہیں ہو گی..... اس دوران میں اپنے مخبر کو قلعہ پتھر گڑھ بھیج دیتا ہوں تاکہ وہ اچھی طرح پتہ معلوم کرے کہ یہ شخص حیدر خان اصل میں کون ہے"۔

"ٹھیک ہے گورو..... ایسا ہی ہو گا" رام دت نے کہا۔

چنانچہ اس کے فوراً بعد مجاہد شاہد علی کے جھونپڑے کے باہر دو مسلح ڈاکو پہرہ دینے کے لئے آگئے..... شاہد علی سمجھ گیا کہ وہ گڑھے سے نکل کر سچ مچ کنوئیں میں آگرا ہے..... جب وہ منہ ہاتھ دھو کر تالاب سے واپس آیا تو اس نے دیکھا کہ اس کی جھونپڑی کو چھ سات مسلح ڈاکوؤں نے گھیرے میں لے لیا ہوا تھا..... وہ شاہد علی کی طرف گھور گھور کر دیکھ رہے تھے..... شاہد علی خاموشی سے جھونپڑی میں آکر دری پر بیٹھ گیا..... ایک ڈاکو وہیں اس کے لئے چائے کا گلاس اور ایک روٹی لے آیا..... ناشتے کے بعد اس نے جھونپڑی سے باہر آنے کی کوشش کی تو ایک ہٹا کٹا دراز قد ڈاکو سٹین گن تان کر اس کے سامنے آگیا۔

"بابو! اندر ہی بیٹھے رہو..... گورو کا حکم ہے کہ تمہیں جھونپڑی سے باہر نہ نکلنے

جائے"۔

ان ڈاکوؤں سے بحث بیکار تھی..... شاہد علی حالات کو سمجھ گیا تھا..... وہ چپکے سے ھونپڑی میں واپس آکر دری پر لیٹ گیا اور وہاں سے فرار کا کوئی کارگر طریقہ سوچنے گا..... دوسری طرف برجوڈاکو نے صبح صبح ہی ایک آدمی کو شاہد علی کے بارے میں علومات حاصل کرنے کے لئے قلعہ پتھر گڑھ کی طرف بھیج دیا..... اس آدمی نے اپس آکر برجو کو بتایا کہ یہ آدمی پاکستانی جاسوس ہے اور قلعے میں اس کے دوسرے ساتھیوں کے بارے میں پوچھ گچھ ہو رہی تھی..... اس نے یہ بھی بتایا کہ پولیس کی ھاری نفری مفرور رام دت اور حیدر خاں کی تلاش میں جنگل کی طرف آنے ہی والی ہے۔

برجوڈاکو نے یہ سنتے ہی پہلا کام یہ کیا کہ شاہد علی کے پاؤں میں لوہے کے موٹے ڑے ڈلوا دیئے کہ وہ بھاگ نہ سکے اور اس کے دونوں ہاتھ بھی پیچھے باندھ دیئے..... شاہد علی نے مدافعت کی کوشش کی مگر وہ نہتا تھا اور وہاں رائفلیں اور سٹین گنیں لئے دس بارہ ڈاکو اس کو گھیرے میں لئے کھڑے تھے..... یہ سب کے سب خونی لوگ تھے..... شاہد علی کسی موقع کے انتظار میں خاموش ہو گیا..... برجوڈاکو نے اسی وقت اپنے گروہ کو کوچ کا حکم دے دیا..... شاہد علی کو چھ سات ڈاکوؤں نے اپنی حراست میں لے کر جیپ میں سوار کرادیا اور ڈاکوؤں کا یہ گروہ دیکھتے دیکھتے جنگل سے ڈیرا ڈنڈا اٹھا کر ایک طرف کو روانہ ہو گیا۔

سارا دن ڈاکو جنگل کی گھاٹیوں اور دشوار گزار راستوں پر سفر کرتے رہے..... شام کے قریب انہوں نے ایک بڑی نہر پار کی اور ایک پہاڑی غار میں آکر پڑاؤ ڈال دیا..... شاہد علی کو ایک چھوٹے سے غار میں بند کر کے باہر دو ڈاکوؤں کا پہرہ بٹھادیا گیا..... اس دوران شاہد علی نے رام دت یا برجوڈاکو سے ملنے کی بہت کوشش کی تاکہ اس سے دریافت کرے کہ اس کے ساتھ یہ سلوک کس لئے کیا جارہا ہے لیکن ان سے

ملاقات کی اجازت نہ دی گئی..... شاہد علی بری طرح پھنس گیا تھا، لیکن وہ مایوس ہوا تھا..... وہ ہر لمحے وہاں سے فرار کے طریقوں پر غور کرتا رہتا تھا..... ابھی تک سے فرار کی کوئی ترکیب اس کے ذہن میں نہیں آئی تھی..... اتنا وہ سمجھ گیا تھا کہ ڈاکو کو پتہ چل گیا ہے کہ وہ کشمیری مجاہد ہے اور وہ حکومت یا پولیس سے کوئی مراعات حاصل کرنے کے لئے اسے بہت جلد پولیس کے حوالے کردے گا..... علی اس سے پہلے پہلے اس کے چنگل سے نکل جانا چاہتا تھا..... لیکن اس کے آس پاس وقت چھ سات مسلح ڈاکو موجود رہتے تھے اور پھر اس کے پاؤں میں لوہے کے کڑے ڈال دیئے گئے تھے جن کی وجہ سے بھاگنا تو درکنار شاہد علی کو چلنے میں بھی سخت د ہو رہی تھی۔

شاہد علی کے پاؤں میں جو لوہے کے موٹے کڑے ڈالے گئے تھے وہ چابی لگنے کھلتے تھے اور چابی لگنے سے ہی بند ہو جاتے تھے..... شاہد علی نے غار کے اندر ہوئے انہیں کھولنے کی کوشش کی مگر وہ کامیاب نہ ہو سکا..... اگر اس کے پاس لو کوئی تار ہوتا تو وہ کڑوں کے تالے کھول سکتا تھا، مگر وہاں لوہے کی تار اسے کہیں ملی..... رات کو اس کے ہاتھوں کی رسی کھول دی جاتی تھی..... اس نئے پڑاؤ پر آ ڈاکوؤں کو دو دن گزر گئے تھے..... تیسرے دن رات کو ڈاکو کہیں سے ایک طوائف لائے اور وہاں رقص و سرود کی محفل برپا ہو گئی..... مجرا شروع ہو گیا اور شرا لنڈھائی جانے لگی..... چھوٹے سے غار کے اندر بیٹھے شاہد علی کو طوائف کے گانے ڈاکوؤں کے ہاؤ ہو کی آوازیں آ رہی تھیں..... جس غار میں شاہد علی کو قید کیا گیا تھا کے دہانے کو درختوں کے موٹے تنے رکھ کر بند کر دیا گیا تھا..... باہر چار مسلح ڈاکو پہرہ لگا دیا گیا تھا..... جو ڈاکو شاہد علی کیلئے اچار والی ذور و ٹیاں اور پانی لے کر آتا وہ دوسر ڈاکوؤں کی مدد سے درخت کے بھاری تنہ ہٹا کر غار میں داخل ہوتا اور شاہد علی آگے روٹی رکھ کر اسی طرح واپس چلا جاتا اور غار کے منہ کو اسی طرح بند کر دیا جاتا۔

رات کے وقت شاہد علی کے ہاتھ کھلے ہوتے تھے..... صرف پاؤں میں آہنی کڑے ہوتے تھے، جس کی وجہ سے وہ بھاگ تو نہیں سکتا تھا لیکن قدم قدم چل سکتا تھا..... اس نے سوچا کہ اگر وہ کھانا لانے والے ڈاکو کو ہلاک بھی کر دے تو باہر جو چار ڈاکو رائفلیں اور سٹین گنیں لئے پہرہ دے رہے ہیں ان سے بچ کر نہیں نکل سکتا تھا..... اگر یہ لوگ خونخوار ڈاکو تھے تو شاہد علی بھی کوئی معمولی قیدی نہیں تھا..... وہ ہر لمحے اس تلاش میں رہتا کہ وہاں سے فرار ہونے کا کوئی ذرا سا موقع ہی مل جائے..... آخر اسے یہ موقع مل گیا۔

جس رات ڈاکوؤں نے شراب اور مجرے کی محفل سجائی اس رات شاہد علی چوکس ہو کر غار میں بیٹھا رہا..... اس کے کان باہر طوائف کے گانے اور ڈاکوؤں کی ہاؤ ہو کی آوازوں پر لگے ہوئے تھے..... اسے معلوم تھا کہ یہ لوگ بے تحاشا شراب لنڈھائیں گے اور جو ڈاکو غار کے باہر پہرہ دے رہے ہیں وہ بھی شراب کی بہتی گنگا میں دو چار ڈبکیاں ضرور لگائیں گے..... اس کا اندازہ درست ثابت ہوا..... غار کے باہر جو ڈاکو پہرہ دے رہے تھے وہ مجرے کی محفل میں تو نہ گئے لیکن انہوں نے شراب کی دو تین بوتلیں وہیں منگوالیں اور اپنی الگ منڈلی لگا لی اور شراب پینی شروع کر دی۔

شاہد علی اندھیرے میں غار کے دہانے کے پاس آ کر درخت کے موٹے موٹے شہتیر نما ٹہنوں کے قریب بیٹھ گیا اور باہر والے ڈاکوؤں کی آوازیں غور سے سننے لگا..... وہ سمجھ گیا تھا کہ پہرہ دینے والے چاروں ڈاکو بھی شراب پی رہے ہیں..... اب وہ ان کے مدہوش ہونے کا انتظار کر رہا تھا..... اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ اگر ان ڈاکوؤں نے شراب پی پی کر اپنی سدھ بدھ کھو دی تو وہ لوہے کے کڑوں سمیت وہاں سے جنگل میں نکل جائے گا اور قدم قدم چلتے ہوئے دن نکلنے تک جتنی دور جا سکا چلا جائے گا..... اس کے بعد جو ہو گا دیکھا جائے گا۔

وہاں مال مفت دل بے رحم والا معاملہ تھا..... ڈاکو شراب خرید کر تو لائے نہیں

تھے..... پتہ نہیں شراب کے کس ٹھیکے پر دھاوا بول کر وہ شراب کی بوتلیں بوری بھر کر لے آئے تھے اور بے دریغ پی رہے تھے..... شاہد علی کی ساری توجہ غار کے باہر بیٹھ کر پینے والے ڈاکوؤں پر لگی ہوئی تھی..... یہ چاروں ڈاکو پہلے تو تھوڑی تھوڑی پی رہے..... جب ذرا نشہ چڑھا تو انہوں نے بھی شراب لنڈھانی شروع کر دی..... انہیں شراب چڑھ گئی..... پہلے ان کی باتیں شاہد علی کی سمجھ میں آ رہی تھیں..... پھر انہوں نے نشے میں خدا جانے کیا بک بکاہٹ شروع کر دی..... آہستہ آہستہ ان کی آوازیں دھیمی ہونے لگیں..... غار کے باہر سامنے والے درخت کے ساتھ ایک لالٹین راہ کو روشن کر کے لٹکا دی جاتی تھی۔

شاہد علی نے درخت کے موٹے ٹہنیوں کی شاخوں اور پتوں کو ہاتھ سے ہٹا کر باہر نگاہ ڈالی..... اس نے دیکھا کہ چاروں ڈاکو نشے میں دُھت ہیں..... دو ڈاکو تو پی پی کر شاید بے ہوش ہو گئے تھے..... ایک شراب کی بوتل ہاتھ میں لئے زمین پر بیٹھا آگے پیچھے جھول رہا تھا..... تیسرا ڈاکو بھی بوتل تھامے زمین پر بیٹھا تھا اور مدہوشی میں کچھ کہتا جا رہا تھا اور ساتھ ساتھ بوتل منہ کے ساتھ لگا کر گھونٹ بھی بھرتا جاتا تھا..... دوسری جانب سے طوائف کے مجرا گانے کی آواز برابر آ رہی تھی..... دوسرے ڈاکوؤں کے شور شرابے کی آوازیں بھی آ رہی تھیں..... شاہد علی اس انتظار میں تھا کہ یہ باقی کے دو ڈاکو بھی بے ہوش ہو جائیں تو وہ باہر نکلے..... شراب ایسی واہیات شے ہے کہ آدمی تھوڑی سی بھی پیئے تو اس کی مت ماری جاتی ہے اور زیادہ چڑھا جانے کے بعد تو آدمی کو کچھ ہوش نہیں رہتا..... آخر باقی کے دو ڈاکو بھی اپنی اپنی بوتل خالی کرنے کے بعد وہیں لڑھک گئے..... اس سے بہتر سنہری موقع شاہد علی کو شاید کبھی نہیں مل سکتا تھا..... وہ اٹھا، پوری احتیاط اور پوری طاقت کے ساتھ اس نے درخت کے ایک ترچھے لگے ہوئے بھاری ٹہن کو ایک طرف کھسکا کر اتنی جگہ بنالی کہ وہ اس میں سے رینگ کر گزر سکتا تھا..... دوسرے لمحے وہ غار سے باہر تھا۔

چاروں ڈاکو شراب کے نشے میں دھت بے ہوش پڑے تھے..... سامنے والے درخت میں لالٹین روشن تھی..... وہ اس کی روشنی سے اپنے آپ کو بچاتا ہوا بائیں جانب سے ہو کر قدم قدم کر کے چلتا اونچے اونچے درختوں کی ڈھلان پر آ گیا..... ڈھلان اترتے وقت اس کی رفتار اپنے آپ تیز ہو گئی اور لوہے کے کڑے اس کے ٹخنوں سے ٹکرانے لگے جس سے تکلیف شروع ہو گئی..... شاہد علی بیٹھ گیا..... چاروں ہاتھ پاؤں پر ڈھلان اُترنے لگا..... اس طریقے سے وہ بڑی جلدی ڈھلان اتر گیا..... اب اس کے سامنے اندھیرا خطرناک جنگل تھا جس میں سے اسے قدم قدم چل کر راستہ طے کرنا تھا..... بہت جلد اس کو معلوم ہو گیا کہ قدم قدم بھی زیادہ دیر تک نہ چل سکے گا..... لوہے کے کڑے اس کے ٹخنوں سے ٹکرا ٹکرا کر درد پیدا کر رہے تھے، مگر اس کی مجبوری تھی..... وہ رُک نہیں سکتا تھا..... خواہ اس کے ٹخنے لہولہان ہو جائیں..... اسے چلتے جانا تھا اور ڈاکوؤں کی کمیں گاہ سے دُور نکل جانا تھا۔

وہ زیادہ تیز چل بھی نہیں سکتا تھا..... اس کے باوجود وہ چلتا چلا گیا..... اس نے سن رکھا تھا کہ نجیب آباد کا یہ جنگل خونخوار درندوں اور خطرناک موذی سانپوں اور دوسرے حشرات الارض سے بھرا پڑا ہے، مگر جب جان پر بنی ہوئی ہو تو آدمی موت کے سامنے سے بھی گزر جاتا ہے..... شاہد علی کو اگر کوئی چیز تکلیف دے رہی تھی اور اس کو آہستہ چلنے پر مجبور کر رہی تھی، وہ اس کے پاؤں میں پڑے ہوئے آہنی کڑے تھے یہ خطرہ بھی اس کے سر پر منڈلا رہا تھا کہ اگر کوئی ڈاکو مجرا سنتے سنتے اٹھ کر اس کی خبر گیری کرنے غار کی طرف آ گیا اور اس پر اس کے فرار کا راز کھل گیا تو وہاں شور مچ جائے گا اور ڈاکو اس کے پیچھے نکل آئیں گے..... پولیس سے تو وہ بچ کر نکل جایا کرتا تھا مگر ان ڈاکوؤں سے بچ کر نکلنا محال تھا کیونکہ یہ لوگ جنگل کے چپے چپے سے واقف تھے..... وہ جنگل کا گھیراؤ ڈال کر اسے بڑی آسانی سے پکڑ سکتے تھے..... جبکہ اس سے بھاگا بھی نہیں جاتا تھا..... مگر یہ اس کی خوش قسمتی تھی کہ اپنی کمیں گاہ میں تقریباً سارے

کے سارے ڈاکو شراب میں مدہوش تھے اور طوائف کے مجرا گانے کی آواز بھی ا
دور تک سنائی دیتی رہی تھی جواب سنائی نہیں دے رہی تھی..... اگر کوئی شے اس
کام آ رہی تھی تو اس کا اپنے خدا کی ذات پر بھروسہ اور اپنی سخت جانی تھی..... ایک با
اسے لگا جیسے اس کے ٹخنوں سے خون بنے لگا ہے، وہ بیٹھ گیا..... اس نے اپنے ٹخنے
ہاتھ پھیرا..... خون نہیں نکل رہا تھا مگر اس کے ٹخنوں کی ہڈیاں جیسے سوج
تھیں..... اندھیرے میں اسے اپنے قریب ہی گھاس پر کوئی شے دکھائی دی.....
نے ہاتھ لگا کر دیکھا..... وہ کھدر کا ایک کرتہ یا دیہاتی قسم کی صدرتی تھی جس کا آ
حصہ بارشوں کی وجہ سے پڑے پڑے گل سڑ گیا تھا..... شاہد علی نے اسے اٹھا کر ا
جھاڑا تو اس کا ایک اور ٹکڑا الگ ہو کر نیچے گر پڑا..... یہ کھدر کا گلا سڑا کرتہ اس و
بہت بڑی نعمت تھا..... اس نے اس کے دو حصے کئے اور ایک حصہ پاؤں کے ایک کڑ
کے گرد اور دوسرا حصہ دوسرے پاؤں کے کڑے کے گرد اچھی طرح سے لپیٹ دیا
اب وہ اٹھ کر چلا تو اس کو سکون محسوس ہوا..... لوہے کے کڑے اس کے ٹخنوں
ٹکرا کر درد پیدا نہیں کر رہے تھے۔

اس کے بعد شاہد علی نے اپنی رفتار تیز کر دی۔

سمت کا اسے کچھ اندازہ نہیں تھا کہ وہ کس طرف کو جا رہا ہے..... معمولی سا اندا
تھا کہ اس کا رخ مشرق کی طرف ہے..... یہ جنگل ایسا تھا کہ کہیں تو درختوں کے
جھنڈ آ جاتے تھے اور کہیں کھلی زمین آ جاتی تھی..... کہیں کوئی گھاٹی آ جاتی تھی.....
کہیں کوئی پہاڑی نالہ آ جاتا تھا..... زمین پہاڑی بھی تھی اور میدانی بھی تھی..... جنگل
گہرا سکوت چھایا ہوا تھا..... ابھی تک اسے کسی جنگلی درندے کی نہ تو آواز سنائی دی
اور نہ کسی سے اس کا آمنا سامنا ہوا تھا..... آہنی کڑوں پر کپڑا لپیٹ دینے کی وجہ سے
جھاڑیوں اور اونچی اونچی گھاس اور اونچے نیچے میدان میں سے جلدی جلدی گزرنے
تھا۔ پھر بھی آہنی کڑوں کی وجہ سے اس کی رفتار ایک حد تک ہی محدود تھی۔

ایک جگہ کھلی زمین آئی تو اس نے نظریں اٹھا کر اوپر آسمان کو دیکھا..... آسمان پر
تارے چمک رہے تھے..... ان تاروں سے اس نے اندازہ لگایا کہ ابھی رات ڈھلنی
شروع نہیں ہوئی ہے..... وہ چاہتا تھا کہ جلدی سے یہ جنگل ختم ہو اور وہ کسی دیہات یا
ریلوے لائن پر پہنچ جائے..... ریلوے لائن پر آ کر وہ کسی نہ کسی سٹیشن پر پہنچنے کے بعد
ڈاکوؤں سے محفوظ ہو سکتا تھا، لیکن ایک خطرہ یہ بھی تھا کہ اس کے پاؤں میں پڑی ہوئی
بیڑیوں کو دیکھ کر ہر کوئی یہ سمجھنے میں حق بجانب ہو گا کہ وہ جیل سے بھاگا ہوا کوئی خونی
قاتل ہے..... وہ سوچنے لگا کہ ان بیڑیوں یعنی لوہے کے کڑوں سے کس طرح نجات
حاصل کی جا سکتی ہے..... بیڑیاں چابی لگا کر کھلتی تھیں..... ان میں چھوٹے چھوٹے چابی
کے سوراخ بنے ہوئے تھے..... شاہد علی مشکل سے مشکل اور پیچیدہ سے پیچیدہ تالا
کھولنے میں مہارت رکھتا تھا..... یہ فن اسے ٹریننگ میں سکھا دیا گیا تھا، مگر اس فن پر
عمل کرنے کے لئے کم از کم لوہے کی ایک باریک تار کی ضرورت تھی جو اس کے پاس
نہیں تھی..... آہنی کڑے اتنے مضبوط تھے کہ اسے کوئی لوہار ہی چھینی اور ہتھوڑے کی
مدد سے کاٹ سکتا تھا۔

خدا خدا کر کے جنگل کا ایک حصہ ختم ہو گیا اور آگے ایک بہت بڑی نہر آ گئی جو
دریا معلوم ہو رہی تھی..... شاید وہ کوئی دریا ہی تھا..... شاہد علی نے دریا میں چھلانگ
لگا دی اور دوسرے کنارے کی طرف تیرنے لگا..... ڈاکوؤں اور اپنے درمیان دریا کے
آ جانے سے شاہد علی اپنے آپ کو محفوظ سمجھنے میں حق بجانب تھا..... تیرتے تیرتے وہ
دریا کے دوسرے کنارے پر آ گیا..... اس نے کنارے پر آتے ہی کھڑے ہو کر سامنے
نگاہ ڈالی..... تاروں کی روشنی میں اسے سامنے بھی ایک جنگل نظر آیا..... اس نے دریا
کے ساتھ ساتھ جنوب کو جانے کی بجائے سامنے جنگل کی جانب چلنا شروع کر دیا.....
کچھ دُور چلنے کے بعد اسے جنگل میں ایک روشنی سی جھلملاتی نظر آئی..... روشنی دیکھ کر
شاہد علی کو کم از کم اتنی تسلی ضرور ہوئی کہ وہ کسی انسانی بستی کے قریب پہنچ گیا تھا جہاں

وہ کسی نہ کسی دیہاتی کو اس کے مکان یا جھونپڑے سے جگا کر اس کی مدد حاصل کر سکتا
اور پاؤں کی بیڑیوں سے نجات حاصل کر سکتا ہے..... یہ خیال بعد میں اس کے ذہ
میں آیا تھا کہ وہ گرفتار بھی ہو سکتا ہے۔

جیسے جیسے وہ جھلملاتی روشنی کے قریب ہو رہا تھا روشنی زیادہ صاف ہوتی جارہ
تھی..... ذرا اور قریب پہنچا تو معلوم ہوا کہ یہ درختوں کے نیچے ایک جھونپڑا ہے جس
کے باہر بانس کے ساتھ مٹی کے تیل کی لالٹین لٹک رہی ہے..... وہاں کوئی انسان نظ
نہیں آرہا تھا..... جھونپڑی بھی خالی تھی..... جھونپڑی کے باہر ایک مٹی کا چھوٹا
چبوترہ تھا..... شاہد علی تھک کر چور ہو رہا تھا..... وہ لالٹین کی روشنی سے ہٹ کر ایک
درخت کی اوٹ میں بیٹھ گیا..... سوچنے لگا کہ اگر یہاں کوئی آدمی نہیں ہے تو یہ لالٹین
کس نے روشن کی ہے اور کس مقصد کے لئے روشن کر رکھی ہے..... بیٹھنے سے اسے
سکون سا آگیا تھا..... آہنی کڑوں کے گرد اس نے جو چیتھڑے لپیٹے تھے وہ کھل گئے
تھے..... وہ انہیں آہستہ آہستہ دوبارہ ٹھیک طرح سے لپیٹنے لگا..... اتنے میں اسے
جھاڑیوں میں سرسراہٹ سی سنائی دی..... شاہد علی نے اس طرف دیکھا جس طرف
سے اسے سرسراہٹ کی آواز آتی محسوس ہوئی تھی..... پہلے تو وہ یہی سمجھا کہ یہ کوئی
ریچھ یا شیر ہے..... وہ درخت پر چڑھنے کی سوچ رہا تھا کہ اسے جھاڑیوں کے درمیان
ایک انسانی سایہ نظر آیا جو جھونپڑے کی طرف آرہا تھا۔

جب یہ انسانی سایہ لالٹین کی روشنی میں آیا تو اس نے دیکھا کہ یہ ایک جٹا دھاری
جوگی ہے جس کے سر کے لمبے لمبے بال ہیں..... جسم پر صرف گھٹنوں کے اوپر تک
سا بندھا ہوا ہے..... ایک ہاتھ میں ڈول یا لوٹا ہے، دوسرے ہاتھ میں نیزہ تھاما ہوا
جس کی انی لالٹین کی روشنی میں چمک رہی ہے..... شاہد علی ایسی جگہ بیٹھا تھا کہ اس جو
کو جھونپڑی کی طرف جاتے ہوئے اس کے قریب سے ہی گزرنا تھا..... جوگی اسی
طرف بڑھا چلا آرہا تھا..... شاہد علی احتیاط کے طور پر اٹھ کر ایک طرف ہونے لگا

واز پیدا ہوئی..... اس آواز کو سنکر جوگی وہیں رُک گیا..... اس نے شاہد علی والے
رخت کی طرف منہ پھیر کر پوچھا۔

"کون ہو بھئی؟"۔

جوگی کی آواز میں نرمی اور ملائمت تھی..... شاہد علی نے سوچا کہ اس جوگی کے
امنے جانے میں کوئی حرج نہیں ہے..... شاید یہ اس کی کوئی مدد ہی کر سکے..... وہ اٹھ
رجوگی کے سامنے آگیا..... جوگی نے شاہد علی کو غور سے دیکھا اور بولا۔

"بابا تم کون ہو..... یہاں کیا کر رہے ہو؟"۔

شاہد علی نے کہا۔

"مہاراج! میں جنگل میں راستہ بھول گیا ہوں..... رات آگئی تو ڈر کر یہاں
چھپ گیا"۔

جوگی ایک لمحہ خاموش رہا..... پھر بولا۔

"تو پھر وہاں کیوں کھڑے ہو..... آجاؤ میری کٹیا میں آجاؤ"۔

شاہد علی کو حوصلہ ہوا کہ یہ جوگی اس کی ضرور مدد کرے گا اور کچھ نہیں تو کم از کم
اس کو کسی قریبی شہر کا راستہ ضرور بتادے گا..... وہ جوگی کے پیچھے پیچھے چلتا اس کی
جھونپڑی کے پاس آگیا..... جوگی نے بانس پر سے لالٹین اتاری اور جھونپڑی میں
داخل ہو کر لالٹین ایک طرف رکھ دی..... شاہد علی بھی جھونپڑی میں داخل ہو چکا
تھا..... جوگی شاہد علی کے گیلے کپڑوں کو دیکھنے لگا..... تب اس کی نظر اس کے ٹخنوں پر
پڑی اور بولا۔

"یہ تم نے اپنے پاؤں میں کیا ڈال رکھا ہے؟"۔

شاہد علی جوگی کے سامنے زمین پر بیٹھ گیا..... سوچنے لگا کہ وہ جوگی کے آگے
اپنے پاؤں میں پڑی ہوئی بیڑیوں کے بارے چاہے کچھ بھی وضاحت کیوں نہ کرے اور
کتنا ہی کیوں نہ چھپائے جوگی فوراً سمجھ جائے گا کہ وہ ایک مفرور قاتل ہے جو جیل توڑ کر

بھاگا ہے..... شاہد علی نے حقیقت بیانی سے کام لیتے ہوئے جوگی سے کہا۔

"مہاراج! میں جنگل میں اپنے دوست کے ساتھ شکار کھیلنے آیا تھا..... ایک
اچانک شیر نکل آیا..... ہم دوڑ پڑے اور یوں ایک دوسرے سے الگ ہوگئے..... م
جنگل میں راستہ بھول گیا اور ڈاکوؤں کے ایک گروہ نے مجھے پکڑ لیا..... انہوں نے میر
پاؤں میں بیڑیاں ڈال کر مجھے ایک غار میں بند کر دیا..... آج رات مجھے موقع مل گیا
میں بیڑیوں سمیت فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا..... بس یہ ہے میری اصل داستان"

جوگی بڑے غور سے شاہد علی کی کہانی سنتا رہا..... پھر کہنے لگا۔

"تمہیں یہ لوہے کی بیڑیاں تو بہت تکلیف دے رہی ہوں گی"۔

شاہد علی بولا۔

"کوئی بات نہیں..... میں نے ان کے گرد کپڑا لپیٹ لیا ہے"۔

جوگی بولا۔

"نہیں نہیں بچہ! میں ابھی اس کا بندوبست کرتا ہوں..... یہاں قریب ہی ایک
لوہار رہتا ہے..... میں اسے بلاتا ہوں..... وہ چھینی ہتھوڑے سے ابھی یہ بیڑیاں کا
دے گا..... پھر تم آرام کرنا..... صبح ہوتے ہی میں خود تمہیں اگلے گاؤں چھوڑ آؤں گا"

اتنا کہہ کر جوگی اٹھا اور جھونپڑے سے نکل گیا..... جاتے جاتے شاہد علی سے
گیا کہ بچہ! جنگل میں اکیلے آگے نہ جانا..... اس جنگل میں رات کو ایک آدم خور
پھرتا ہے..... جوگی کے جانے کے بعد شاہد علی نے لالٹین کی روشنی میں اِدھر اُد
دیکھا کہ شاید کہیں سے کوئی لوہے کی تار کا ٹکڑا مل جائے اور وہ بیڑیوں کے تالے کھو
کر ان سے نجات حاصل کر لے..... جوگی کا نیزہ جھونپڑی کی دیوار کے ساتھ لگا
تھا..... اس کے ساتھ لپٹی ہوئی کوئی چیز چمک رہی تھی..... شاہد علی نے اٹھ کر دیکھ
وہ لوہے کی باریک تار تھی جو جوگی نے نیزے کی انی کے گرد لپیٹ رکھی تھی۔

شاہد علی نے تھوڑی سی کوشش کے بعد تار نیزے سے الگ کر لی..... پھر اس

نوک کو سیدھا کیا اور بیٹھ کر اسے ایک آہنی کڑے کے تالے کے سوراخ میں ڈالا اور
اسے ایک خاص ترکیب سے گھمانے اور پھیرنے لگا..... دوسرے ہی لمحے تالا کھل
گیا..... اس نے فوراً بیڑی الگ کر دی..... اسی طرح شاہد علی نے دوسری بیڑی کا تالا
کھول کر اسے بھی الگ کر دیا..... اس نے خدا کا شکر ادا کیا کہ اسے اس مصیبت سے
نجات ملی۔

وہ جھونپڑی سے نکل کر باہر جو چبوترہ تھا اس پر بیٹھ گیا اور جوگی کی واپسی کا انتظار
کرنے لگا..... ایک تو وہ رات کے اندھیرے میں اب جنگل میں سفر نہیں کرنا چاہتا تھا
کیونکہ اسے جوگی نے کہہ دیا تھا کہ آگے جنگل میں رات کو آدم خور شیر پھرتا ہے.....
دوسرے وہ جوگی سے یہ معلوم بھی کرنا چاہتا تھا کہ وہ کس جگہ پر ہے اور آگے کون سا بڑا
شہر ہے..... کچھ دیر کے بعد شاہد علی کو دو آدمیوں کے باتیں کرنے کی آواز آئی۔ ایک
آواز جوگی کی تھی اور دوسری آواز کسی اور آدمی کی تھی..... پہلے تو اس کو یہی خیال آیا کہ
جوگی لوہار کو ساتھ لے کر آرہا ہوگا، لیکن اس قسم کے حالات میں ہر کسی پر اعتبار کر لینا
ایک عقلمند کمانڈو کے مسلک کے خلاف بات تھی..... شاہد علی کے دل میں بھی کچھ
شک سا پیدا ہو گیا۔

وہ چبوترے سے ہٹ کر کچھ فاصلے پر ایک درخت کے پیچھے چھپ کر بیٹھ
گیا..... اندھیرے میں دو انسانی سائے اُبھرے..... ان میں ایک جوگی تھا اور دوسرا کوئی
اور آدمی تھا..... وہ دھیمی آواز میں باتیں کرتے شاہد علی کے ذرا قریب سے گزرے تو
اس نے سنا جوگی دوسرے آدمی کو کہہ رہا تھا۔

"وہ جھونپڑی کے اندر ہی ہوگا..... کہیں جائے گا نہیں..... فکر نہ کرو"۔

شاہد علی کا شک درست ثابت ہوا..... یہ جوگی اپنے ساتھ سفید کپڑوں میں
پولیس کا کوئی آدمی لایا تھا جو یقیناً مسلح بھی تھا..... شاہد علی دبے پاؤں اٹھا اور اس نے
اندھیرے میں جس قدر اسے نظر آرہا تھا سامنے کی جانب دوڑنا شروع کر دیا..... وہ کچھ

دُور ہی بھاگا تھا کہ پیچھے سے پستول کے فائر کے دھماکے کی آواز آئی..... سارا جنگل گ
اُٹھا..... جوگی اور اس کے ساتھ آیا ہوا پولیس کا آدمی اسے جھونپڑی میں نہ پا کر اس
پیچھے پیچھے آ رہے تھے..... پستول کا فائر جوگی کے ساتھ آئے ہوئے پولیس کے آ
نے ہی کیا تھا۔

مگر شاہد علی اب ان کے ہاتھ آنے والا نہیں تھا..... اس کے پاؤں کی بیڑ
اتر چکی تھیں اور وہ اندھا دھند جھاڑیوں کو پھلانگتا درختوں میں بھاگ رہا تھا.....
جنگل سے وہ واقف نہیں تھا لیکن شمالی بھارت کے جنگلوں کی وہ کافی خاک چھان چ
اور جنگلوں کی راتوں کے اندھیرے اور سناٹے اس کے لئے اجنبی نہیں تھے.....
کوئی خطرہ تھا تو صرف اس بات کا تھا کہ کسی طرف سے کوئی شیر یا چیتا نہ نکل آئے
جنگل میں پستول کے فائر کے دو اور دھماکے ہوئے، مگر یہ فائر بہت پیچھے ہوئے
جس سے شاہد علی کو اندازہ ہو گیا کہ اس کا پیچھا کرنے والے بہت پیچھے رہ گئے ہیں ا
ان سے کافی آگے نکل آیا ہے..... شاہد علی اب دوڑنے کی بجائے تیز تیز چلنے لگا۔

فائر کے دھماکوں کو بمشکل ایک منٹ گزرا ہو گا کہ اسے شیر کی دھاڑ سنائی دی۔
شیر کے دھاڑنے کی آواز اسی طرف سے آئی تھی جدھر سے فائرنگ ہوئی تھی.....
دو تین بار گرجا اور اس کے بعد جنگل میں سناٹا چھا گیا..... ایسے معلوم ہو رہا تھا کہ
نے اپنے شکار کو دبوچ لیا ہے..... اس کا شکار جوگی تھا یا اس کے ساتھ آیا ہوا پولیس
آدمی تھا؟ اس بارے میں شاہد علی کو کچھ معلوم نہیں تھا، لیکن اتنا ضرور ہوا تھا کہ ا
کے بعد جنگل میں فائر کی آواز نہیں آئی تھی۔

کمانڈو شاہد علی نے اندھیرے جنگل میں اپنا سفر جاری رکھا..... یہاں تک
آسمان پر پو پھٹنے کے آثار نمودار ہونے لگے..... آہستہ آہستہ ستارے ماند پڑتے
گئے..... پھر سارے آسمان پر صبح کا نور پھیل گیا اور جنگل کے درخت ٹیلے اور جھاڑیا
صاف نظر آنا شروع ہو گئیں، جس وقت شاہد علی کمانڈو گھنے جنگل سے نکلا اس وق

دن کافی نکل آیا تھا۔

دُور کھیتوں کے پار اسے ایک بستی کے مکان دکھائی دیئے..... وہ اسی طرف چل
پڑا..... وہ یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ وہ کس مقام پر نکل آیا ہے اور وہاں سے قریبی شہر
کون سا ہے..... یہ بستی کافی بڑا گاؤں تھا..... ایک مسجد کے مینار دیکھ کر اسے کچھ حوصلہ
ہوا..... مسجد کے امام صاحب سے وہ بات کر سکتا تھا..... اس وقت مسجد میں نمازی نہیں
تھے..... امام صاحب اپنے حجرے کے باہر صف پر بیٹھے کچھ لکھ رہے تھے..... کمانڈو
شاہد علی نے جا کر سلام کیا اور ادب سے بیٹھ گیا..... امام صاحب نے نظریں اٹھا کر شاہد
علی کو دیکھا اور کہا۔

"پردیسی معلوم ہوتے ہو..... کہاں سے آئے ہو؟"۔

شاہد علی نے کہا۔

"محترم! دلی سے ایک دوست کے ساتھ شکار کھیلنے آیا تھا..... جنگل میں راستہ
بھول گیا..... ساری رات بھٹکتا رہا..... دن کی روشنی ہوئی تو یہ بستی دیکھ کر آپ کے
پاس حاضر ہو گیا ہوں..... میری جیب میں کچھ نہیں..... مجھے کسی طرح دلی
پہنچا دیں..... آپ کا احسان کبھی نہیں بھلاؤں گا"۔

امام صاحب نے کہا۔

"میاں اس میں احسان والی کون سی بات ہے..... انسان ہی انسان کے کام آتا ہے
اور ایک مسلمان کو تو مصیبت میں دوسرے مسلمان کی ضرور مدد کرنی چاہئے..... میں
تمہارے لئے ناشتہ منگواتا ہوں"۔

امام صاحب نے ایک لڑکے کو آواز دے کر بلایا اور کہا۔

"اندر جا کر کہو ہمارے ایک مہمان آئے ہیں ان کے لئے ناشتہ بھجوا دیں"۔

کمانڈو شاہد علی نے پوچھا۔

"جناب! اس بستی کا کیا نام ہے اور یہاں سے کون سا شہر قریب ہے؟"۔

امام صاحب نے کہا۔

"اس بستی کا نام رُکن آباد ہے اور یہاں سے قریب ترین شہر مراد آباد ہے جو دو
میل کے فاصلے پر ہے"۔

تب شاہد علی کو پتہ چلا کہ وہ کہاں سے کہاں نکل آیا ہے..... امام صاحب نے شاہد
علی کو ناشتہ کرایا..... کچھ پیسے دے کر کہا۔

"میاں! یہ دلی تک کے لئے کافی ہوں گے معاف کر دینا دل میں تمہاری اتنی ہی
خدمت کر سکتا ہوں"۔

شاہد علی نے کہا۔

"آپ کی اتنی ہی مدد میرے لئے بہت ہے..... میں آپ کا بے حد شکر گزار ہوں"۔

امام صاحب بولے۔

"بھلوالی کا سٹیشن یہاں سے چار پانچ میل پر ہے..... وہاں سے تمہیں مراد آباد
جانے والی گاڑی مل جائے گی"۔

کمانڈو شاہد علی نے امام صاحب کا شکریہ ادا کیا اور مسجد سے نکل آیا..... گاؤں کے
باہر سے اسے سٹیشن تک یکہ مل گیا..... بھلوالی کا ریلوے سٹیشن چھوٹا سا تھا..... اس نے
مراد آباد کا ٹکٹ لیا اور گاڑی کا انتظار کرنے لگا..... ایک پسنجر ٹرین کافی دیر کے بعد آکر
رُکی..... شاہد علی اس میں بیٹھ کر مراد آباد کی طرف روانہ ہو گیا۔

مراد آباد سے وہ دلی والی گاڑی میں سوار ہو کر دلی پہنچا تو سورج غروب ہو رہا
تھا..... وہیں اسے معلوم ہوا کہ پنجاب کی طرف جانے والی گاڑی رات نو بجے روانہ
ہو گی..... کمانڈو شاہد علی نے باہر آکر امرتسر تک کا ٹکٹ لیا اور واپس پلیٹ فارم پر آکر
ایک کونے میں بیٹھ گیا..... مراد آباد میں اس نے تھوڑا بہت کھانا وغیرہ کھا لیا تھا.....
پنجاب کی طرف جانے والی گاڑی ایک گھنٹہ لیٹ تھی..... وہ رات کے سوا دس بجے
آئی..... شاہد علی ایک زیادہ رش والے ڈبے میں مسافروں کے درمیان چھپ کر بیٹھ

گیا..... یہ گاڑی صبح کے وقت امرتسر پہنچی..... وہاں سے وہ جموں جانے والی لاری میں
سوار ہو گیا۔

کمانڈو شاہد علی کو ہم جموں کی طرف جانے والی لاری میں چھوڑ کر کمانڈو شیر خان
کی طرف آتے ہیں..... وہ کشمیر پہنچ چکا تھا اور کمانڈو ترابی کو روہت ڈیم والے اپنے
کامیاب کمانڈو آپریشن کی ساری کہانی اس نے سنا دی تھی..... اب دونوں کو کمانڈو شاہد
علی کے بارے میں تشویش تھی..... کمانڈو ترابی کہنے لگا۔

"میں چاہتا ہوں کہ اس مشن میں شاہد علی بھی تمہارے ساتھ جائے..... اس کی
وجہ یہ ہے کہ وہ علاقے کے جنگلاتی ماحول سے اچھی طرح واقف ہے..... کچھ وقت اس
کا انتظار کر لیتے ہیں، اگر وہ نہ آیا تو پھر ہم اپنے مشن پر روانہ ہو جائیں گے"۔

دوسرے روز کمانڈو شاہد علی صبح صبح پہنچ گیا..... کمانڈو ترابی اور شیر خان اس کے
گلے لگ کر ملے..... شاہد علی نے اپنے پکڑے جانے اور فرار کی کہانی مختصر کر کے سنائی
اور کمانڈو ترابی سے پوچھا۔

"بھائی ترابی! وہ کون سا مشن ہے جس کے لئے خاص طور پر ہمیں پیغام بھجوا کر
بلوایا گیا تھا"۔

کمانڈو ترابی نے شیر خان کی طرف دیکھا، کیونکہ کمانڈو ترابی نے شیر خان کو مشن
کے بارے میں ساری تفصیل بتا دی ہوئی تھی..... اس نے کمانڈو شاہد علی کی طرف
متوجہ ہو کر کہا۔

"بات یہ ہے کہ بھارتی فوج ہماری کشمیر کانفرنس کے ایک بہت اہم لیڈر کو اغوا
کر کے کسی نامعلوم مقام پر لے گئی ہے..... اس سے ہماری تحریک آزادی کو بہت بڑا
دھکا لگا ہے..... اگر ہم نے فوری طور پر خواجہ صاحب کو بھارتی فوج کی قید سے نہ نکالا تو
خطرہ ہے کہ بھارتی فوج انہیں اذیتیں دے کر ہلاک کر دے گی"۔

شیر خان نے کمانڈو ترابی کی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

"ہمارے اتنے بڑے لیڈر کا اغوا ساری دنیا میں ہماری بدنامی کا باعث ہو گا..... لوگ یہ کہنے میں حق بجانب ہوں گے کہ ہم اپنے اتنے اہم لیڈر کی بھی حفاظت نہ کر سکے"۔

کمانڈو شاہد علی کہنے لگا۔

"خواجہ صاحب کو کس جگہ فوج نے قید کر رکھا ہے؟"۔

کمانڈو ترابی نے کہا۔

"ہمارے آدمی بڑی سرگرمی سے اس بات کا کھوج لگا رہے ہیں..... کل تک ہمیں پتہ چل جائے گا کہ خواجہ صاحب کو بھارتی فوج نے کہاں رکھا ہوا ہے"۔

کمانڈو شیر خان اور کمانڈو شاہد علی بڑی توجہ سے کمانڈو ترابی کی باتیں سن رہے تھے..... کمانڈو ترابی کہہ رہا تھا۔

"خواجہ صاحب ہماری تحریک آزادی کے سب سے سینئر لیڈر اور مجاہد ہیں..... وہ ہماری تحریک کی تمام سیکرٹ منصوبہ بندیوں کے رازدار ہیں..... اس میں کوئی شک نہیں کہ خواجہ صاحب موت کو ہنسی خوشی اپنے سینے سے لگا لیں گے، لیکن ان کی زبان سے ایک بھی راز نہیں اگلوایا جا سکے گا..... اس کے باوجود خواجہ صاحب کا دشمن اور وہ بھی بھارت ایسے دشمن کی قید میں رہنا خود خواجہ صاحب کے لئے بھی اور ہمارے لئے بھی خطرناک ثابت ہو سکتا ہے"۔

کمانڈو ترابی ایک لمحے خاموش رہنے کے بعد بولا۔

"آج کے جدید میڈیکل دور میں ایسے ایسے انجکشن دریافت ہو چکے ہیں جن کے لگانے کے بعد انسان کا شعور سو جاتا ہے اور تحت الشعور بیدار ہو جاتا ہے اور وہ اپنی زندگی کے گہرے راز بھی بتا دیتا ہے..... اس وجہ سے بھی ہمیں جتنی جلدی ممکن ہو سکے خواجہ صاحب کو دشمن کی قید سے نکال لانا ہو گا"۔

شیر خان نے پوچھا۔

"بھارت نے خواجہ صاحب کو کشمیر کی وادی میں ہی کسی فوجی کیمپ میں قید کر رکھا ہو گا"۔

کمانڈو ترابی نے کہا۔

"ہو سکتا ہے انہیں وادی سے نکال کر بھارت کے کسی دوسرے شہر میں پہنچا دیا گیا ہو..... بہر حال یہ کل تک ہمیں معلوم ہو جائے گا"۔

اس دوران ایک مجاہد نے آ کر خبر دی کہ بھارت تین بڑی توپیں مجاہدین کے خلاف استعمال کرنے کے لئے لا رہا ہے جنہیں کارگل سیکٹر میں نصب کیا جائے گا۔

کمانڈو ترابی نے پوچھا۔

"کیا یہ توپیں وادی میں پہنچ گئی ہیں؟"۔

مجاہدین نے بتایا کہ یہ تینوں توپیں جو بہت بڑی ہیں سپیئر پارٹس کی شکل میں فوجی ٹرکوں پر رکھ کر جموں سے روانہ کر دی گئی ہیں۔

ترابی نے کہا۔

"ٹھیک ہے..... دشمن کی یہ توپیں راستے میں ہی نیست و نابود کر دی جائیں گی"

کمانڈو شاہد علی بولا۔

"میرا خیال ہے ہمیں نکیال سیکٹر کی پہاڑیوں میں گھات لگانی ہو گی"۔

شیر خان نے اپنی رائے ظاہر کرتے ہوئے کہا۔

"نکیال سیکٹر وادی کشمیر کے اندر ہے..... اگر ہم اپنے مشن میں کسی وجہ سے کامیاب نہ ہو سکے تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ دشمن مجاہدین کے خلاف استعمال کی جانے والی توپیں کارگل سیکٹر میں پہنچا دے گا، کیونکہ نکیال کی پہاڑیوں کے آگے اسے کوئی دیکھنے والا نہیں ہو گا"۔

کمانڈو ترابی کہنے لگا۔

"شیر خان بالکل ٹھیک کہہ رہا ہے..... ہمیں بہت پیچھے کسی جگہ گھات لگانی ہو گی"۔

کمانڈو شاہد علی بولا۔

"ہمیں یہ یاد رکھنا چاہئے کہ ان تین فوجی ٹرکوں کی حفاظت کے لئے اس کے آگے پیچھے سکیورٹی کا زبردست انتظام ہو گا اور بارودی سرنگوں کا کھوج لگانے والی گاڑی بھی آگے آگے ہو گی اور اس کے علاوہ پوری بٹالین بھی ساتھ ہو گی"۔

کمانڈو ترابی نے کہا۔

"خواہ کچھ بھی ہو..... ہمیں جان کی بازی لگا کر ان بھارتی توپوں کو تباہ کرنا ہو گا..... ہم راکٹ لانچروں کا استعمال کریں گے"۔

شیر خان نے کہا۔

"پہلے یہ طے ہو جانا چاہئے کہ ہمیں کس مقام پر گھات لگانی ہو گی"۔

کمانڈو ترابی نے وادی کشمیر کا نقشہ نکال کر سامنے پھیلا دیا اور اسے غور سے دیکھتے ہوئے ایک جگہ انگلی رکھ کر بولا۔

اس پہاڑی کے فوجی گاڑیاں دو چکر لگا کر نیچے وادی میں اترتی ہیں اور جب دو چکر ختم ہو جاتے ہیں تو سڑک ایک چھوٹے سے پہاڑی پل پر سے گزرتی ہے..... یہ پل دو پہاڑیوں کے درمیان واقع ہے..... اس کے نیچے دو ڈھائی سو فٹ کی گہرائی میں پہاڑی نالہ بہتا ہے..... اس پہاڑی نالے میں نوکیلی چٹانیں جگہ جگہ زمین سے باہر نکلی ہوئی ہیں..... اس پل کی لمبائی ساٹھ ستر فٹ سے زیادہ نہیں ہے..... ہمیں یہ پل عین اس وقت اڑا دینا چاہئے جب بڑی توپوں والے تینوں ٹرک اس کے اوپر سے گزر رہے ہوں..... پہاڑیوں میں کسی جگہ گھات لگانے میں اس بات کا امکان موجود ہے کہ ہم بڑی توپوں والی گاڑیوں کو تباہ نہ کر سکیں..... یا زیادہ سے زیادہ ایک ٹرک کو تباہ کر دیں اور باقی توپیں ہمارے ہاتھ سے بچ کر نکل جائیں..... اس مشن کا تقاضا یہی ہے کہ ایک ہی حملے میں بڑی توپوں والی تینوں کی تینوں گاڑیاں تباہ کر دی جائیں"۔

کمانڈو شیر خان بولا۔

"ہمیں اس پل کا پورا پورا جائزہ لینا پڑے گا، اس کے بعد ہی کوئی فیصلہ ہو سکتا ہے"

کمانڈو ترابی نے کہا۔

"میں نے اور شاہد علی نے اس پل کو اچھی طرح سے دیکھا ہوا ہے..... تمہیں دکھانے کے لئے ہمارے پاس اتنا وقت نہیں ہے، کیونکہ ہمیں جو اطلاع ملی ہے اس کے مطابق بڑی توپوں کو لے کر فوجی ٹرک جموں سے روانہ ہو چکے ہیں جو کل سورج غروب ہونے سے پہلے اس پل پر سے گزریں گے"۔

شیر خان نے پوچھا۔

"تم دونوں اس پل کو دیکھ چکے ہو اور ضرور اس کے آس پاس کے ماحول سے بھی واقف ہو گے..... تمہارے خیال میں ہمیں وہاں کیا حکمت عملی اختیار کرنی چاہئے؟"۔

مجاہد شاہد علی نے اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

"بھارتی فوج کا بڑا اہم کانوائے اس پل پر سے گزرنے والا ہے..... ظاہر ہے فوج نے پل کو یونہی کھلا نہیں چھوڑ رکھا ہو گا..... پل کی دونوں جانب سکیورٹی کا پورا انتظام ہو گا..... ہو سکتا ہے ایک دو فوجی ہیلی کاپٹر بھی حفاظت کی خاطر کانوائے کے اوپر پرواز کر رہے ہوں؟..... ان حالات میں ہمیں اتنی جلدی وہاں بارودی سرنگیں یا ریموٹ لگانے کا موقع نہیں مل سکے گا"۔

"تو پھر تمہارے خیال میں ہمیں کیا کرنا چاہئے؟" ترابی نے پوچھا۔

شاہد علی نے کہا۔

"اس صورت حال میں ہم صرف راکٹ لانچروں پر ہی انحصار کر سکتے ہیں"۔

"میرا بھی یہی خیال ہے" ترابی نے کہا۔

تمہارا کیا خیال ہے شیر خان؟" شاہد علی نے پوچھا۔

"میرا خیال ہے کہ تمہارا مشورہ بالکل صحیح ہے..... ان حالات میں صرف راکٹ لانچر ہی ہمیں کام دے سکتا ہے، لیکن اس میں دو بہت بڑی قباحتیں ہیں"۔

"مثلاً" کمانڈو ترابی نے پوچھا۔

شیر خان نے کہا۔

راکٹ لانچر کا راکٹ زیادہ فاصلہ ہو تو اپنے نشانے سے اِدھر اُدھر ہو جاتا ہے..... اس کے لئے ہمیں پل کے زیادہ سے زیادہ قریب ہو کر گھات لگانی ہو گی"۔

"ہم ایسا ہی کریں گے..... کمانڈو ترابی نے کہا" جہاں تک ہمارا تعلق ہے ہم تینوں صحیح نشانے پر لانچر سے راکٹ فائر کرنے کی پوری صلاحیت رکھتے ہیں..... ہمیں رات کے اندھیرے میں بھی ٹارگٹ پر صحیح فائر کرنے کا تجربہ ہے..... مجھے یقین ہے کہ ہم نے اگر ٹھیک پوزیشنوں میں گھات لگائی ہو گی تو پل کو بڑی توپوں والے تینوں ٹرکوں سمیت اُڑا دیں گے..... ہمیں زیادہ انتظار نہیں کرنا چاہئے..... ہمارے پاس اتنا وقت نہیں ہے..... شیر خان نے ٹارگٹ نہیں دیکھا ہوا تھا..... اس نے پوچھا۔

"یہاں سے پل کتنی دُور ہے؟"۔

کمانڈو ترابی نے کہا۔

"اگر ہم صبح منہ اندھیرے یہاں سے نکل پڑیں تو کل دوپہر تک وہاں پہنچ جائیں گے"۔

مجاہد شاہد علی بولا۔

"ہمیں اتنا وقفہ نہیں ڈالنا چاہئے..... میرا مشورہ یہ ہے کہ ہم آج آدھی رات کی تاریکی میں روانہ ہو جاتے ہیں تاکہ صبح ہونے سے پہلے ٹارگٹ پر پہنچ کر پل کے آس پاس مناسب پوزیشنیں سنبھال سکیں"۔

"میں تمہاری تائید کرتا ہوں" شیر خان نے کہا۔

کمانڈو ترابی نے کہا۔

"مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے..... راکٹ لانچر اور دوسرا اسلحہ ہمارے پاس سٹور میں موجود ہے..... ہم آج ہی رات کو چل پڑتے ہیں"۔

اس کے بعد انہوں نے اپنے مشن کی تیاریاں شروع کر دیں..... کمانڈو ترابی نے

اس وقت بانہال سیکٹر کے اپنے مجاہدین کے سینٹر سے موبائل پر رابطہ قائم کیا اور خا
زبان میں پوچھا کہ بڑی توپوں کو لے کر جانے والے فوجی کانوائے کی کیا پوزیشن
ہے..... دوسری طرف سے اسے خفیہ اشاراتی زبان میں بتایا گیا کہ فوجی کانوائے
رات کے پچھلے پہر وہاں سے گزرنے کی توقع ہے..... کمانڈو ترابی نے خفیہ زبان میں
تاکید کی کہ جیسے ہی کانوائے گزرے ہمیں اس بارے میں اطلاع کر دی جائے۔

انہوں نے چھ راکٹ لانچروں کا انتخاب کیا اور انہیں اچھی طرح سے چیک
کر لیا..... سب ٹھیک پوزیشن میں تھے..... فالتو لانچر اس لئے ساتھ رکھ لئے تھے کہ اگر
عین وقت پر ایک لانچر جام ہو جائے تو اس کی جگہ دوسرے سے کام لیا جا سکے..... بیس
راکٹ تین الگ الگ تھیلوں میں ایک ایک راکٹ لانچر کے ساتھ ڈال دیئے گئے.....
اس کے علاوہ انہوں نے ایک ایک سٹین گن ایک ایک پستول اور کچھ دستی بم بھی ساتھ
رکھ لئے..... پانی سے بھری ہوئی دو چھاگلیں اور گڑ والے چنوں کا ایک تھیلا بھی ساتھ
لے لیا..... کمانڈو چاقو تو کشمیر کے محاذ پر ان میں سے ہر مجاہد کے پاس ہوتا ہی تھا.....
جب یہ ساری تیاریاں مکمل ہو گئیں تو رات کے بارہ بجے تینوں کمانڈو مجاہد خچروں
سوار ہو کر اپنے ٹارگٹ کی طرف روانہ ہو گئے..... وہ ایسے پہاڑی راستوں پر سف
کر رہے تھے جو بھارتی فوجی یونٹوں کی پوزیشنوں اور کیمپوں سے کافی فاصلے پر وا
تھے..... ایک خچر پر اسلحہ لدا ہوا تھا جسے ان کا ایک مجاہد احمد اللہ چلا رہا تھا۔

صبح ہونے سے کچھ دیر پہلے وہ پل کی قریبی پہاڑیوں میں پہنچ گئے..... کمانڈو ترابی
اور مجاہد شاہد علی ان جنگلاتی پہاڑیوں کے نشیب و فراز سے بخوبی واقف تھے..... کمانڈ
ترابی گائیڈ کر رہا تھا..... جب سورج نکلا اور پہاڑیوں میں دن کی روشنی پھیل گئی تو کمانڈ
ترابی نے ایک پہاڑی کی ڈھلان پر چٹان کے پاس کھڑے ہو کر نشیب میں دُور بین لگا کر
دیکھا اور پھر دُور بین شیر خان کو دیتے ہوئے کہا۔

"شیر خان! یہ وہ پل ہے، دیکھو"۔

کمانڈو شیر خان نے دُور بین لگا کر نیچے دیکھا..... نیچے اسے دو پہاڑیوں کے
میان ایک چھوٹا سا پل دکھائی دیا جس کی دونوں جانب جنگلے لگے ہوئے تھے..... دو
جی پل کے ایک سرے پر اور دو فوجی پل کے دوسرے سرے پر سٹین گنیں لئے
کس ہو کر کھڑے تھے اور دو فوجی پل پر آہستہ آہستہ ٹہلتے ہوئے پل کی نگرانی کر رہے
تھے..... شیر خان نے دور بین مجاہد شاہد علی کی طرف کرتے ہوئے کمانڈو ترابی سے کہا۔

"اس وقت پل پر صرف چھ انڈین فوجی نظر آ رہے ہیں"۔

کمانڈو ترابی نے کہا۔

"ہاں..... لیکن پل کی دونوں جانب مشین گنوں کی پوسٹیں بھی ہوں گی..... ان
لات کے پیش نظر میں نے تمہیں پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ ہم پل کے قریب جا کر کوئی
شن نہ کر سکیں گے..... ہمیں جو کچھ کرنا ہو گا پل سے دُور رہ کر کرنا ہو گا اور اس مقصد
کے لئے راکٹ لانچر ہی ہمارے لئے ایک بہترین ہتھیار تھا"۔

شاہد علی نے دُور بین کمانڈو ترابی کو واپس دیتے ہوئے کہا۔

"ہم پل کی جنوب کی جانب ہیں..... ہمیں اس جانب ایسی جگہوں پر گھات لگا کر
ھنا ہو گا جہاں سے پل کا فاصلہ کم سے کم ہو، تاکہ ہمارے راکٹ لانچر کا نشانہ خطا نہ جائے"۔

کمانڈو ترابی نے کہا۔

"میں ان پہاڑیوں کے تمام نشیب و فراز کو جانتا ہوں..... ہم ایسی جگہوں پر گھات
ائیں گے جہاں سے پل تین مختلف زاویوں سے ہمارے راکٹ لانچروں کی زد میں
گا..... اگر ہم نے پورے ہوش و حواس کے ساتھ راکٹ فائر کئے تو ہم فوجی گاڑیوں
یت پل کو اُڑانے میں کامیاب ہو جائیں گے"۔

کمانڈو ترابی اپنے مجاہدوں کو لے کر پہاڑی کے عقب سے ہو کر نیچے اُترنے
ا..... ایک گھنٹے کی اترائی کے بعد وہ ایک ایسی جگہ پر آ کر رُک گئے جہاں سے پل ان کے
نیچے زیادہ فاصلے پر نہیں تھا اور وہ دُور بین لگائے بغیر پل پر گشت لگاتے بھارتی فوجیوں کو

دیکھ سکتے تھے...... انہوں نے خچر پیچھے ہی چھوڑ دیئے تھے اور اسلحہ کے تھیلے ا
کندھوں پر لاد کر خچروں کو اپنے مجاہد کے ساتھ واپس بھیج دیا تھا۔

وہ چٹانوں کے پیچھے چھپے ہوئے تھے......ان کے آگے پل کے دائیں بائیں نش
میں ڈھلان تھی جہاں بڑے بڑے چٹانی پتھر بکھرے ہوئے تھے...... کمانڈو ترابی
شیر خان اور شاہد علی کو نصف دائرے میں تین مختلف جگہیں اشارے سے دکھائیں
دھیمی آواز میں کہا۔

"میں درمیان والی جگہ پتھروں کی آڑ میں پوزیشن لے کر بیٹھوں گا...... تم میر
دائیں بائیں پچاس پچاس فٹ کے فاصلے پر پوزیشنیں سنبھالو گے، جس وقت ا
گاڑیاں پل کے درمیان میں پہنچیں گی تو پہلا راکٹ میں فائر کروں گا...... یہ ایک ط
سے تمہیں فائر کھولنے کا سگنل ہوگا...... میرے راکٹ فائر ہونے کے فوراً بعد تم
راکٹ فائر کرو گے...... اس کے باوجود اگر پل نہ گرا یا ہمارا کوئی راکٹ خالی گ
تمہارے پاس جتنے راکٹ ہیں تم انہیں اوپر تلے فائر کرو گے، اس کے بعد نتیجہ اللہ
ہاتھ میں ہوگا...... کامیابی اور ناکامی دونوں صورتوں میں ہم یہاں سے فوراً واپس
اس پہاڑی جگہ پر آجائیں گے جہاں سے ہم نے دُوربین لگا کر پہلی بار پل کا جائز
تھا...... کامیابی یا ناکامی دونوں صورتوں میں ہم پر پل کی طرف سے مشین گنوں کے
کی بوچھاڑیں آنا شروع ہو جائیں گی، کیونکہ ہمارے راکٹ فائر ہونے کے ساتھ
ہماری پوزیشنوں کی نشان دہی کر دیں گے، لیکن ہم جوابی فائر کرتے وہاں سے نکل
کوشش کریں گے...... ٹھیک ہے؟"۔

"ٹھیک ہے" مجاہد شاہد اور کمانڈو شیر خان نے ایک ساتھ کہا۔

کمانڈو ترابی بولا۔

"جب تک ہمیں پیچھے سے یہ اطلاع نہیں ملتی کہ فوجی کانوائے پل کی
پہاڑیوں میں داخل ہوگیا ہے ہم اس وقت تک اسی جگہ آڑ میں چھپے رہیں گے او

نی پوزیشنوں میں نہیں جائیں گے"۔

کمانڈو ترابی نے فوراً اپنے وائرلیس موبائل پر بانہال سیکٹر میں اپنے مجاہدوں سے
ابطہ پیدا کیا...... وہاں سے اسے خبر ملی کہ فوجی کانوائے تھوڑی دیر پہلے یہاں سے گزر
کا ہے...... کمانڈو ترابی نے پوچھا۔

"کانوائے کی پوزیشن کیا ہے"۔

دوسری طرف سے جواب ملا۔

"جن تین ٹرکوں میں بڑی توپیں لدی ہوئی ہیں ان کو سیاہ رنگ کی ترپالوں سے
ھانپ دیا گیا ہے...... ان فوجی ٹرکوں کے آگے دو بکتر بند گاڑیاں ہیں...... پیچھے تین
تر بند گاڑیاں ہیں اور ان کے پیچھے تین ٹرکوں میں فوجی دستے سوار ہیں"۔

کمانڈو ترابی نے موبائل بند کر دیا اور شیر خان اور مجاہد شاہد علی کو چٹان کے پیچھے
یٹھے ہوئے دبی زبان میں کانوائے کی ساری پوزیشن سمجھائی......اس نے کہا۔

"ہمارا ٹارگٹ وہ تین فوجی ٹرک ہیں جو سیاہ ترپالوں سے ڈھکے ہوئے ہیں...... ان
کے آگے آگے دو بکتر بند گاڑیاں ہیں...... ان کے پیچھے بھی تین بکتر بند گاڑیاں
ں...... ان کے پیچھے تین ٹرکوں میں فوج کے دستے سوار ہیں...... ہم سیاہ ترپالوں والے
ین ٹرکوں پر راکٹ فائر کریں گے...... ہمیں سکیورٹی کی گاڑیوں پر فائر کرنے کی
رورت نہیں ہے...... ایک تو ہمارے پاس راکٹ ضائع کرنے کی گنجائش نہیں ہے،
وسرے اگر انہوں نے ہم پر فائر کھول بھی دیا تو ہم آڑ میں ہوں گے اور دُور پہاڑی
ٹانوں میں چھپے ہوں گے...... ہم پر ان کا فائر نہیں پڑے گا...... بس ہمیں صرف
یک بات یاد رکھنی ہے کہ جیسے بھی ہو بڑی توپوں والی گاڑیوں کو تباہ کرنا ہے......
اہے پل کے اُڑنے سے وہ نیچے گہرے نالے میں گر پڑیں چاہے پل کے اوپر ہی
نہیں اُڑا دیا جائے"۔

وہیں پہاڑی ڈھلان کی بڑی چٹان کی آڑ میں تینوں مجاہد کمانڈو بیٹھ کر سورج

غروب ہونے کا انتظار کرنے لگے..... تھوڑی تھوڑی دیر بعد وہ دُور بین سے پل
گشت کرنے والے فوجیوں کا جائزہ لے لیتے تھے..... وہ ایسی جگہ بیٹھے تھے جہاں نیچے ا
اوپر سے ان پر کسی کی نگاہ نہیں پڑ سکتی تھی..... کسی کسی وقت پل پر سے کوئی فوجی گاڑ
گزر جاتی تھی..... شیر خان نے کہا۔

"ایسے لگتا ہے کہ ان لوگوں نے عام گاڑیوں کیلئے پل پر سے گزرنا بند کر دیا ہے"
کمانڈو ترابی بولا۔

"صبح کے وقت تو پل پر سے کچھ لاریاں گزری تھیں..... اس کا یہی مطلب
ہو سکتا ہے کہ فوجی کانوائے ان پہاڑیوں میں داخل ہو چکا ہے"۔
مجاہد شاہد علی نے مشورہ دیا۔

"میرا خیال ہے کہ اب ہمیں مزید انتظار نہیں کرنا چاہئے اور اپنی اپنی پوزیشنیں
سنبھال لینی چاہئیں"۔
کمانڈو ترابی نے کہا۔

"یہاں ہم بھارتی فوجیوں کی دُور بینوں کی زد سے محفوظ ہیں جبکہ نیچے ڈھلان
ہماری پوزیشنوں پر دیکھے جانے کا ایک فی صد ہی سہی لیکن خطرہ موجود ہے، اس لئے
ہمیں صرف اسی وقت اپنی اپنی پوزیشنوں پر جانا چاہئے جب کانوائے کو آنے میں زیادہ
دیر نہ ہو"۔

اسی طرح دوپہر گزر گئی..... پھر دن ڈھلنے لگا..... سورج اونچی پہاڑیوں کے پیچھے
چلا گیا اور پہاڑی ڈھلانوں پر چھاؤں ہو گئی..... کمانڈو ترابی نے ایک بار پھر وائرلیس
پیچھے اپنے مجاہدوں سے رابطہ قائم کر کے کانوائے کی پوزیشن معلوم کی..... پیچھے سے
جواب ملا۔

"فوجی کانوائے کو ہمارے علاقے سے نکلے کافی وقت گزر چکا ہے..... وہ پہنچنے والا
والا ہو گا"۔

کمانڈو ترابی نے موبائل اوف کر دیا اور شیر خان اور شاہد علی سے کہا۔

"کانوائے پل کی سڑک پر آ گیا ہو گا، لیکن میں دس پندرہ منٹ مزید انتظار کر لینا
بہتر سمجھتا ہوں"۔

اتنے میں ایک فوجی گاڑی سائرن بجاتی تیزی سے پل پر سے گزر گئی..... یہ اس
بات کا اشارہ تھا کہ کانوائے آ رہا ہے..... کمانڈو ترابی نے اپنا راکٹ لانچر سنبھالتے ہوئے
شیر خان اور شاہد علی سے کہا۔

"پوزیشنیں سنبھالو..... راکٹ ٹھیک ٹارگٹ پر لگے..... ایک دوسرے سے بات
چیت بند..... زندہ بچ گئے تو اسی جگہ چٹانوں میں ملو جہاں سے ہم نے خچر کو چھوڑ دیا
تھا..... کسی کے آرڈر کا انتظار نہیں کرنا..... اپنے آرڈر اور اپنی عقل سے کام لو، جاؤ"۔

کمانڈو شیر خان اور شاہد علی نے اپنے اپنے لانچروں والا تھیلا کندھوں پر ڈالا.....
سٹین گنیں پہلے ہی سے ان کے کاندھوں سے لٹک رہی تھیں..... وہ الگ الگ ہو کر
پتھروں اور جھاڑیوں کی آڑ لیتے ڈھلان پر پل کے جنوب میں اُترنے لگے..... وہ جھک
کر اتر رہے تھے..... تھوڑی ہی دیر بعد وہ پتھروں اور چھوٹی بڑی چٹانوں کی اوٹ میں
پوزیشن سنبھال کر بیٹھ گئے..... ان کے پاس دُور بین نہیں تھی، لیکن پل انہیں بالکل
صاف نظر آ رہا تھا..... کانوائے چونکہ قریب آ گیا تھا اس لئے پل پر سکیورٹی زیادہ متحرک
ہو گئی تھی..... پیچھے سے ایک اور فوجی جیپ تیزی سے آئی اور پل پر سے نکل گئی۔

کمانڈو شیر خان اور شاہد علی اور کمانڈو ترابی نے اپنے اپنے لانچروں میں راکٹ
ڈال رکھے تھے..... دوسرے راکٹ ان کے بالکل قریب پڑے تھے..... وہ ایسی جگہوں
پر گھات لگائے بیٹھے تھے کہ جہاں سے نیچے نشیب میں پل ان سے زیادہ دُور نہیں
تھا..... اس کے باوجود اس بات کا خطرہ تھا کہ جذباتی تناؤ کے باعث راکٹ لانچر کا نشانہ
چوک نہ جائے..... راکٹ اگر ایک انچ کا فاصلہ ڈال کر بھی نکل جاتا ہے تو پل پر سے
گزرنے والی گاڑیاں بچ سکتی تھیں..... تینوں مجاہدوں نے اس غلطی سے بچنے کے لئے

بڑی احتیاط اور اندازے کے ساتھ پل کو نشانے کی زد میں لے رکھا تھا۔

ان کی نظریں پہاڑی کے اس موڑ پر لگی ہوئی تھیں جہاں سے فوجی کانوائے نمودار ہونا تھا..... بڑے شدید جذباتی تناؤ کا وقت تھا..... تھوڑی تھوڑی دیر بعد مجاہد کمانڈو سانس روک کر پہاڑی کے موڑ کر دیکھ لیتے تھے..... اچانک پہاڑی کے کو کاٹ کر تین فوجی موٹر سائیکل سوار نمودار ہوئے..... وہ درمیانی رفتار سے آ تھے..... پل کے دونوں سروں پر فوجی گارڈ اٹن شن ہو کر کھڑے ہو گئے تھے..... فوجی پل پر گشت لگاتے تھے وہ ایک ایک کر کے پل پر فاصلے فاصلے پر کھڑے ہو گئے تھے

تینوں کمانڈو مجاہدوں کی نگاہیں پہاڑی کے موڑ پر جمی ہوئی تھیں..... کانوائے کی گاڑیاں کسی بھی وقت نمودار ہو سکتی تھیں اور پھر سب سے پہلے ایک بکتر گاڑی نمودار ہوئی..... اس کے پیچھے بیس پچیس فٹ کے فاصلے پر دوسری بکتر بند گا آ رہی تھی اور اس کے بعد یکے بعد دیگرے تین فوجی ٹرک پہاڑی کا موڑ گھوم کر سا پر آ گئے..... تینوں ٹرک سیاہ ترپالوں سے ڈھکے ہوئے تھے..... وہ معمولی رفتار سے کی طرف بڑھ رہے تھے..... شیر خان، شاہد علی اور کمانڈو ترابی کے راکٹ لانچر رُخ پہلے ہی سے پل کی جانب تھا..... ان کی انگلیاں لانچروں کے ٹریگروں گئیں..... اب صرف ہلکے سے دباؤ کے بعد لانچروں میں سے راکٹوں نے فائر ہو پر جا کر پھٹنا تھا۔

تینوں ٹرک آہستہ آہستہ پل کی طرف چلے آ رہے تھے..... ان کے پیچھے تین بکتر بند گاڑیاں تھیں جن کی ہلکی توپوں کی نالیاں باہر کو نکلی ہوئی تھیں..... ان پیچھے دو فوجی ٹرک تھے جن میں کسی بھارتی رجمنٹ کے فوجی سٹین گن لئے کھ تھے..... مگر کمانڈو ترابی اور اس کے ساتھی مجاہدوں کی نظریں صرف ان تین ٹرکو لگی ہوئی تھیں جن میں بڑی توپیں سپیئر پارٹس کی شکل میں کارگل سیکٹر میں کرنے کے لئے لائی جا رہی تھیں۔

جیسے ہی کانوائے کی پہلی بکتر بند گاڑی پل پر آئی وہاں پر موجود فوجی گارڈ ایڑیاں زور سے بجاتے ہوئے مستعد ہو گئے..... دونوں بکتر بند گاڑیاں پل پر ذرا آگے آئیں تو بڑی توپوں والا پہلا ٹرک پل پر آ گیا..... اس کے پیچھے دوسرا اور پھر تیسرا ٹرک بھی پل پر آ گیا..... یہی وہ لمحہ تھا جس کا کمانڈو ترابی، کمانڈو شیر خان اور مجاہد شاہد علی کو انتظار تھا..... جیسے ہی تینوں ٹرک پل پر آئے پہلا راکٹ کمانڈو ترابی نے فائر کیا..... اس کے آدھے سیکنڈ بعد کمانڈو شیر خان نے راکٹ فائر کر دیا اور اس کے ساتھ مجاہد شاہد علی کے لانچر نے ایک دھماکے کے ساتھ راکٹ فائر کیا..... تینوں راکٹ یکے بعد دیگرے فائر ہوئے تھے..... کمانڈو شیر خان کا راکٹ پل کے اوپر سے ہو کر نیچے پہاڑی نالے میں جا کر پھٹا جبکہ کمانڈو ترابی اور مجاہد شاہد علی کے راکٹ ٹھیک نشانے پر لگے..... کمانڈو ترابی کا راکٹ سب سے اگلے ٹرک پر جا کر پھٹا اور شاہد علی کا راکٹ دوسرے ٹرک کے بونٹ سے ٹکرا کر پھٹا..... انہوں نے اس کے فوراً بعد اوپر تلے تین تین راکٹ فائر کر دیئے۔

پل پر تینوں ٹرک دھماکوں کے ساتھ پھٹے..... ایک راکٹ نے اگلی اور کمانڈو ترابی کے ایک راکٹ نے پچھلی ایک بکتر بند گاڑی کو اڑا دیا..... پل پر ٹرکوں میں آگ کے شعلے بھڑک رہے تھے..... فوجی گاڑیاں جو پیچھے تھیں بچ گئی تھیں..... ان میں سے فوجی چھلانگیں لگا کر سڑک پر لیٹ گئے اور انہوں نے جس طرف سے راکٹ فائر ہوئے تھے اس طرف اندھا دھند گولیاں برسانی شروع کر دیں، لیکن ان کی گولیاں پتھروں اور چٹانوں سے ٹکرا رہی تھیں..... تینوں سیاہ پوش فوجی ٹرک بڑی توپوں کے ساتھ تباہ ہو چکے تھے، جب ان کی پٹرول کے ٹینک پھٹے تو تین زبردست دھماکوں سے پہاڑیوں کی خاموش فضا گونج اٹھی اور تینوں ٹرکوں کے باقی ماندہ ٹکڑے اڑ کر نیچے پہاڑی نالے میں بکھر گئے۔

منصوبے کے مطابق ٹارگٹ کو تباہ کرنے کے بعد کمانڈو ترابی، کمانڈو شیر خان اور

مجاہد شاہد علی نے خالی راکٹ لانچر وہیں پھینکے اور سٹین گنیں سنبھال کر جھاڑیوں اور پتھروں کی آڑ لیتے ڈھلان پر اوپر کی طرف چڑھنے لگے..... اس وقت سورج غروب ہو چکا تھا اور پہاڑیوں کی ڈھلانوں پر ہلکا ہلکا اندھیرا چھانا شروع ہو گیا تھا..... جب تینوں کمانڈو اس جگہ پہنچ گئے جہاں انہیں مشن مکمل کرنے کے بعد ایک دوسرے سے ملنا تھا تو ان کے چہروں پر مشن کی کامیابی کی چمک تھی..... وہ ایک دوسرے سے گلے لگ کر ملے اور انہوں نے خدا کا شکر ادا کیا۔

کمانڈو ترابی نے کہا۔

"یہاں سے ہمیں الگ الگ ہو کر اپنی خفیہ پناہ گاہ میں پہنچنا ہو گا، لیکن شیر خان ان پہاڑی راستوں سے واقف نہیں ہے..... اس لئے شاہد علی تم شیر خان کو اپنے ساتھ لے کر جاؤ گے..... میں اکیلا پہنچ جاؤں گا..... نکل چلو"۔

کمانڈو ترابی ایک طرف اور شاہد علی شیر خان کو لے کر دوسری طرف نکل گیا..... شام ہو چکی تھی..... کچھ دیر بعد ہی رات کے اندھیرے نے پہاڑیوں کو اپنے تاریک دامن میں چھپا لیا..... شاہد علی پہاڑی جنگل کے خفیہ راستوں سے ہو کر جا رہا تھا..... ڈیڑھ دو گھنٹوں کے بعد وہ ٹارگٹ کے حساس علاقے سے بہت دُور نکل چکے تھے۔

وہ ایک وادی میں سے گزر رہے تھے جس کے چاروں طرف اونچی اونچی پہاڑیاں کھڑی تھیں..... وادی میں اندھیرا چھایا ہوا تھا..... شیر خان نے کہا۔

"شاہد علی! میں یہ علاقہ پہلی بار دیکھ رہا ہوں"۔

شاہد علی بولا۔

"مجھے خود اس طرف آنے کا بہت کم اتفاق ہوا ہے"۔

وہ باتیں کر رہے تھے کہ گڑگڑاہٹ کی آواز آنے لگی..... شاہد علی نے کہا۔

"یہ فوجی ہیلی کاپٹر کی آواز ہے..... اس طرف چھپ جاؤ"۔

وہ دونوں ایک جھاڑی کے پیچھے بیٹھ گئے..... اچانک آسمان پر ایک دوسرے کے

پیچھے دو ہیلی کاپٹر نمودار ہوئے..... ان کے نیچے سرچ لائٹیں روشن تھیں..... جو گول دائرے کی شکل میں وادی میں ایک طرف سے دوسری طرف کو چلی جا رہی تھیں..... ہیلی کاپٹروں نے وادی کے اوپر چکر لگانے شروع کر دیئے..... وادی میں کھیت اور کھلی جگہ تھی..... ہیلی کاپٹر کی روشنیوں کے دائرے ساری وادی کو کھنگال رہے تھے..... شیر خان نے کہا۔

"شاہد علی! کیا خیال ہے؟"۔

شاہد علی نے کہا۔

"اس وقت دوڑ کر پہاڑیوں کی طرف جانا خطرناک ثابت ہو سکتا ہے..... ہیلی کاپٹر بڑی نیچی پرواز کر رہے ہیں اور ان کی سرچ لائٹ کی روشنی ہم پر پڑ سکتی ہے..... اس لئے ہمیں یہیں چھپ کر بیٹھے رہنا چاہئے"۔

شیر خان نے کہا۔

"مجھے لگتا ہے کہ ہیلی کاپٹر زمین پر اتر رہے ہیں"۔

شاہد علی برابر ہیلی کاپٹروں کو وادی کے اوپر کافی نیچے آ کر چکر لگاتے دیکھ رہا تھا..... اس نے کہا۔

"ہمارے پاس کافی اسلحہ ہے..... ہینڈ گرنیڈ بھی ہیں..... ہم دشمن کا مقابلہ کر سکتے ہیں"۔

لیکن فوجی ہیلی کاپٹر کچھ دیر تک وادی کے اوپر چکر لگانے کے بعد جدھر سے آئے تھے اسی طرف واپس چلے گئے..... ان کے جانے کے بعد شاہد علی اور شیر خان نے دوبارہ اپنا واپسی کا سفر شروع کر دیا..... انہیں ایک اور وادی میں سے گزر کر کافی فاصلہ طے کرنے کے بعد اس چھوٹے پہاڑی جنگل میں داخل ہونا تھا جہاں ان کی خفیہ پناہ گاہ تھی..... آتی دفعہ انہوں نے خچروں پر راستہ طے کیا تھا اور کسی دوسرے راستے سے آئے تھے..... جاتی دفعہ شاہد علی ایک ایسے راستے پر جا رہا تھا جو پہاڑی گھاٹیوں اور پہاڑی

نالوں میں سے ہو کر جاتا تھا...... یہ راستہ اگرچہ دشوار گزار تھا مگر اس کا فاصلہ کم تھا۔

وادی کو ایک بار پھر رات کی تاریکی نے اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا، مگر ان دونوں کی نگاہیں ستاروں کی روشنی میں بڑی آسانی سے راستہ تلاش کر سکتی تھیں...... راستے میں ایک چھوٹا سا پہاڑی گاؤں بھی آگیا جس کے ڈھلانی چھتوں والے لکڑی کے پرانے مکانوں پر اندھیرا چھایا ہوا تھا...... وہ گاؤں سے کچھ فاصلے پر ہو کر گزر گئے...... وادی ختم ہوئی تو سامنے ایک اور پہاڑی آگئی...... وہ پہاڑی پر چڑھنے لگے...... پہاڑی کی چوٹی پر پہنچنے کے بعد وہ دوسری طرف اتر گئے...... دوسری طرف ایک اور وادی تھی...... اس وادی میں ایک جگہ ایک چشمہ ندی کی شکل میں بہہ رہا تھا...... یہاں انہوں نے پانی پی کر کچھ دیر آرام کیا اور دوبارہ اپنا سفر شروع کر دیا۔

اسی طرح پہاڑیوں اور کھڈ نالوں کے دشوار گزار راستوں میں سے گزرتے دونوں مجاہد جب اپنی پناہ گاہ پر پہنچے تو پو پھٹ چکی تھی...... کمانڈو ترابی تھوڑی دیر پہلے پہنچ چکا تھا...... دوسرے مجاہد بھی کمانڈو ترابی کے ساتھ جاگ کر شیر خان اور شاہد علی کا انتظار کر رہے تھے...... اپنے مشن کی کامیابی پر انہوں نے اسی وقت شکرانے کے دو نفل ادا کیے اور سو گئے...... یہ مجاہدین میدان جنگ میں دشمن سے برسرپیکار تھے...... خواہ کتنے ہی تھکے ہوئے کیوں نہ ہوں وہ کبھی دو چار گھنٹے سے زیادہ آرام نہیں کرتے تھے...... اس رات کو وہ ساری رات کے جاگے ہوئے تھے اور کئی میل پیدل چل کر آئے تھے، اس کے باوجود دو چار گھنٹے آرام کرنے کے بعد اٹھ بیٹھے...... اپنے مشن کے ردعمل کی رپورٹ آئی تو معلوم ہوا کہ دشمن جو بڑی توپیں کارگل سیکٹر میں نصب کرنے کے لئے لا رہا تھا وہ اور اس کے ساتھ چار بکتر بند گاڑیاں تباہ ہو گئی تھیں اور سات بھارتی فوجی ہلاک ہو گئے تھے...... اس کے ساتھ ہی انہیں یہ بھی رپورٹ ملی کہ بھارتی فوجیوں نے گاؤں گاؤں تلاشیاں اور پکڑ دھکڑ شروع کر دی ہے اور ساری وادی میں ملٹری انٹیلی جنس اور سی آئی ڈی کے آدمی چھوڑ دیئے ہیں...... دوسرے دن رات کو وہ

بی آگیا جو حریت کانفرنس کے کشمیری لیڈر خواجہ صاحب کے بارے میں یہ
ج لگانے گیا ہوا تھا کہ انڈین آرمی نے انہیں کس جگہ قید کیا ہوا ہے...... اس نے
ر کمانڈو ترابی سے کہا۔

"ہم نے ملٹری انٹیلی جنس ہیڈ کوارٹرز کے جس آدمی کی ڈیوٹی لگائی تھی وہ پرسوں
م تک خواجہ صاحب کے بارے میں پوری معلومات لے کر یہاں پہنچ جائے گا"۔

اس وقت کمانڈو شیر خان اور شاہد علی بھی وہاں موجود تھے...... شیر خان نے
نڈو ترابی سے کہا۔

"ہمارے آدمی نے جو اتنی دیر لگائی ہے تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کشمیری لیڈر
اجہ اسد اللہ کو بھارتی فوج وادی کشمیر سے جموں کی طرف یا اس سے بھی آگے کسی جگہ
لے گئی ہے جہاں مجاہدین آسانی سے جوابی کارروائی نہ کر سکیں"۔

"میرا بھی یہی خیال ہے" شاہد علی نے کہا۔

کمانڈو ترابی نے کہا۔

"بھارتی فوج انہیں جہاں بھی لے گئی ہو گی ہمیں انہیں ہر حالت میں وہاں سے
رہ سلامت نکال کر لانا ہو گا...... یہ ہماری ذمے داری بھی ہے اور تحریک آزادی
یر کا تقاضا بھی ہے"۔

شیر خان بولا۔

"ایک بار یہ پتہ چل جائے کہ خواجہ صاحب کو بھارت میں کس جگہ رکھا گیا ہے......
ا کے بعد انشاءاللہ ہم خواجہ صاحب کو موت کے منہ سے بھی نکال لائیں گے"۔

رات کے بارہ ایک بجے تک تینوں مجاہد اسی موضوع پر آپس میں گفتگو کرتے
ہے، اس کے بعد آرام کرنے کے لئے لیٹ گئے...... صبح کے وقت مجاہد شاہد علی کسی
م سے خفیہ پناہ گاہ کے پوشیدہ راستے سے نکل کر باہر وادی کی سڑک پر آیا تو اس نے
یکھا کہ ایک جگہ کچھ دیہاتی لوگ کھڑے ہیں...... شاہد علی ان لوگوں کے قریب گیا تو

دیکھا کہ درخت کے نیچے ایک جوگن عورت آسن جمائے بیٹھی ہے..... سامنے پتھر کی سل پر لوبان سلگ رہا ہے..... جوگن نے گیروے رنگ کی لنگی کے اوپر اسی کی چادر جسم کے گرد لپیٹ رکھی تھی..... یہ چادر اس کے جسم کی عریانی کو بمشکل ڈھ رہی تھی..... سر کے بال شانوں پر بکھرے ہوئے تھے..... ماتھے پر تلک لگا تھا..... میں منکوں کی مالائیں پہنی ہوئی تھیں..... آنکھیں بند تھیں..... جیسے وہ گیان دھ میں مشغول ہو اور دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو۔

شاہد علی کو یونہی شک سا گزرا کہ یہ عورت اگر واقعی جوگن ہی ہے تو اس آسن جمانے کے لئے ایسی جگہ کا انتخاب کیوں کیا ہے جو ان کی خفیہ کمیں گاہ کے قر ہے..... اوپر سے فوجی کانوائے کی تباہی کا واقعہ بھی تازہ تازہ ہو چکا تھا..... شاہد علی ایک آدمی سے پوچھا۔

"یہ کون عورت ہے؟"۔

اس نے کہا۔

"سنا ہے بڑی کرنی والی جوگن ہے..... جموں سے پیدل چل کر یہاں تک آئی اور آگے کلگام کی برف پوش چوٹیوں پر تپسیا کے لئے جا رہی ہے"۔

دوسرے آدمی نے آہستہ سے کہا۔

"یہ بھی سنا گیا ہے کہ یہ عورت نہ کچھ کھاتی ہے نہ پیتی ہے..... کسی سے کوئی بھی نہیں کرتی"۔

مجاہد شاہد علی وہیں سے واپس مڑ گیا اور اپنی خفیہ پناہ گاہ میں آکر کمانڈو ترابی شیر خان کو اس جوگن کے بارے میں بتایا اور کہا۔

"مجھے خطرہ ہے کہ یہ جوگن انٹیلی جنس والوں کی عورت ہے"۔

شیر خان بولا۔

"اس کا عین ہماری خفیہ پناہ گاہ کے قریب آکر دھونی رما کر بیٹھنا ہمارے لئے

بن سکتا ہے"۔

کمانڈو ترابی نے کچھ سوچ کر کہا۔

"ہو سکتا ہے ہمارا شک صحیح نہ ہو اور یہ واقعی کوئی جوگن ہو..... جموں کے علاقے میں اس طرح کے جوگی جوگن اکثر دیکھنے میں آتے ہیں..... بہر حال ہمیں اس کی نگرانی کرنی ہو گی"۔

نگرانی کے لئے کمانڈو ترابی نے شاہد علی کی ڈیوٹی لگائی..... سڑک کے کنارے جس جگہ پر جوگن دھونی رمائے بیٹھی تھی اس کے بالکل سامنے پہاڑی کی ڈھلان تھی جہاں ایک پرانی باؤلی ہوا کرتی تھی..... اب یہ باؤلی سوکھ چکی تھی اور اس کا صرف ٹوٹا ہوا چبوترہ ہی رہ گیا تھا..... چبوترے کے اِرد گرد گھاس اور جھاڑیوں میں تھوڑی سی جگہ بنائی اور وہاں بیٹھ گیا..... وہاں سے جوگن اسے نظر آ رہی تھی..... اس کے اِرد گرد کچھ دیر تک لوگ کھڑے اسے دیکھتے رہے..... پھر وہ آگے چل دیئے..... اس کے بعد دوسرے راہ گیر چلتے چلتے اسے دیکھ کر تھوڑی دیر کے لئے ٹھہر جاتے..... جوگن کے جوبن کا نظارہ کرتے اور جب جی بھر جاتا تو چل پڑتے۔

یہ سڑک جہاں جوگن آسن جمائے بیٹھی تھی غیر مصروف سڑک تھی..... یہ کوئی بڑی سڑک نہیں تھی..... کھیتوں اور نیم پہاڑی میدان میں سے گزرتی آس پاس کے دیہات کی طرف نکل جاتی تھی..... سڑک پر ٹریفک بھی نہ ہونے کے برابر تھی..... کسی کسی وقت کوئی چھکڑا یا سائیکل سوار گزر جاتا تھا..... پیدل چلنے والے بھی دیہاتی کشمیری ہی تھے..... شاہد علی کو باؤلی کے چبوترے کے پیچھے چھپ کر بیٹھے آدھا گھنٹہ ہی گزرا ہو گا کہ جوگن کے پاس دو اور سادھو آکر بیٹھ گئے..... جوگن نے آنکھیں کھول کر انہیں دیکھا..... پھر اِرد گرد نگاہ ڈالی اور ان سادھوؤں سے باتیں کرنے لگی..... اس کے بارے میں پہلی یہ چیز غلط ثابت ہو گئی تھی کہ وہ کسی سے بات نہیں کرتی اور خاموش رہتی ہے..... ایک سادھو نے پوٹلی میں سے کچھ نکال کر جوگن کو دیا جو وہ

کھانے لگی..... جوگن کی یہ بات بھی غلط ثابت ہو گئی تھی کہ وہ کچھ کھاتی پیتی نہیں..... ابھی تک مجاہد شاہد علی یہی سمجھ رہا تھا کہ یہ سادھوؤں کے کسی فراڈ گروہ سے تعلق رکھتی ہے جو لوگوں میں اپنے بارے میں مختلف افواہیں پھیلاتے ہیں اور پھر خود آکر سادہ لوح لوگوں کو الو بناتے ہیں اور انہیں لوٹ کر رفو چکر ہو جاتے ہیں۔

شاہد علی نے جوگن کی مستقل نگرانی کا ارادہ ترک کر دیا..... اسے یقین ہو گیا تھا کہ اس کا تعلق سی آئی ڈی یا ملٹری انٹیلی جنس سے بالکل نہیں ہے اور اس کی نگرانی کے لئے وقت ضائع کرنا بیکار ہے..... وہ باؤلی کے چبوترے سے اٹھ کر شیر خان اور کمانڈو ترابی کے پاس واپس آ گیا اور اسے سارے حالات سے آگاہ کیا اور کہا۔

"وہ ایک عام فراڈ قسم کی جوگن ہے جس کا تعلق سادہ لوح لوگوں کو بے وقوف بنانے والے گروہ سے ہے اور ایسی کوئی بات نہیں ہے"۔

شیر خان نے کمانڈو ترابی کی طرف دیکھا..... کمانڈو ترابی کو شاہد علی کی بات کا کچھ یقین آیا تھا کچھ نہیں آیا تھا..... کہنے لگا۔

"پھر بھی میں سمجھتا ہوں کہ جب تک یہ جوگن ہماری کمیں گاہ والی سڑک پر بیٹھی ہے ہمیں اس کی نگرانی کرتے رہنا چاہئے"۔

شاہد علی نے کہا۔

"اگر ایسی بات ہے تو میں ابھی جا کر اپنے ٹھکانے پر بیٹھ جاتا ہوں اور جوگن کی نگرانی دوبارہ شروع کر دیتا ہوں"۔

شاہد علی اسی وقت باؤلی کی طرف روانہ ہو گیا..... وہاں پہنچ کر اس نے دیکھا کہ وہاں نہ جوگن تھی نہ دونوں سادھو ہی تھے..... ڈھلان سے اتر کر شاہد علی نے سڑک اور اس کے پیچھے کھیتوں میں اچھی طرح سے دیکھا..... جوگن کا کہیں نام و نشان تک نہیں تھا..... وہ سمجھ گیا کہ جوگن سادھوؤں کے ساتھ آگے کلگام کی طرف چل دی ہے..... اس نے واپس آ کر کمانڈو ترابی اور شیر خان سے بھی اس خیال کا اظہار کیا کہ یہ

عام قسم کی شعبدہ باز جوگن تھی اور اس کا سی آئی ڈی وغیرہ سے کوئی تعلق نہیں تھا۔

وہ رات گزر گئی..... اگلے دن شاہد علی صبح کے وقت پناہ گاہ کے ایک خفیہ راستے سے نکل کر پہاڑی کی پچھلی جانب آیا جہاں پہاڑی سے گرنے والے پانی نے ایک چھوٹا سا تالاب بنا دیا ہوا تھا تو اس نے دیکھا کہ ایک عورت تالاب میں نہا رہی ہے..... پہلی ہی نظر میں شاہد علی کو لگا کہ اس عورت کو اس نے کہیں دیکھا ہے..... وہ ایک درخت کے پیچھے ہو گیا اور نہاتی ہوئی عورت کو غور سے دیکھنے لگا..... عورت تالاب میں سے نہا کر باہر نکلی اور ایک جھاڑی کی اوٹ میں ہو گئی..... شاید وہاں اس نے اپنے کپڑے رکھے ہوئے تھے..... جب وہ جھاڑی سے دوبارہ باہر نکلی تو اس عورت نے گیروا لباس پہنا ہوا تھا..... شاہد علی نے اسے فوراً پہچان لیا..... یہ وہی سڑک والی جوگن تھی۔

شاہد علی وہیں درخت کی اوٹ میں بیٹھ گیا اور جوگن کی نقل و حرکت کا جائزہ لینے لگا..... جوگن ایک طرف کو چل پڑی..... شاہد علی بھی کچھ فاصلہ ڈال کر اس کے پیچھے ہو گیا..... دس پندرہ قدم چلنے کے بعد جوگن ایک درخت کے پاس جا کر رُک گئی اور اپنی بائیں جانب دیکھنے لگی..... اس طرف درخت کے پیچھے سے ایک آدمی نکل کر اس کے پاس آ گیا اور اس سے باتیں کرنے لگا..... جوگن نے پیچھے گردن موڑ کر اس ٹیلے کی طرف اشارہ کیا جس ٹیلے کے غار میں مجاہدوں کی خفیہ پناہ گاہ تھی..... وہ آدمی ٹیلے کی طرف دیکھنے لگا..... پھر اس نے جوگن سے کوئی بات کی اور جوگن کے ساتھ چلنے لگا..... دونوں اس چھوٹی سی پگ ڈنڈی پر آ گئے جو نیچے اس سڑک کو جاتی تھی جہاں جوگن آسن جمائے بیٹھی تھی..... شاہد علی ان دونوں کا تعاقب کر رہا تھا..... دونوں سڑک پر آ کر کھڑے ہو گئے..... اتنے میں ایک جیپ آ کر ان کے پاس رُکی..... دونوں یعنی جوگن اور وہ آدمی جیپ میں سوار ہو گئے..... جیپ واپس مڑی اور جس طرف سے آئی تھی اسی طرف چلی گئی۔

شاہد علی وہیں سے واپس خفیہ پناہ گاہ میں آ گیا..... اس نے کمانڈو ترابی اور

شیر خان کو سارا واقعہ سنایا تو کمانڈو ترابی نے کہا۔

"یہ عورت خفیہ سروس کی تھی..... اس نے ہماری جگہ کی نشان دہی کر
ہے..... ہمیں یہاں سے فوراً نکل جانا چاہئے..... کسی بھی وقت فوج چھاپہ مار سکتی ہے"

اس وقت پناہ گاہ میں چار مجاہد موجود تھے..... کمانڈو ترابی نے انہیں فوراً اپنا
خالی کرنے کا حکم دیا اور شیر خان سے بولا۔

"تم شاہد علی کے ساتھ ناتھ والے ٹیلے پر جاؤ..... میں تمہیں وہیں آکر ملوں گا"۔

شاہد علی نے کہا۔

"اس وقت کمیں گاہ میں کافی اسلحہ پڑا ہے..... اسے چھوڑ کر نہیں جانا چاہئے"۔

کمانڈو ترابی نے سخت لہجے میں کہا۔

"میں نے جو حکم دیا ہے اس پر عمل کرو..... باقی سب کچھ مجھ پر چھوڑ دو۔
دوسرے ٹیلے پر شیر خان کے ساتھ میرا انتظار کرو"۔

"او کے سر!"۔

شاہد علی نے یہ کہہ کر شیر خان کو ساتھ لیا اور خفیہ راستے سے نکل کر عقبی
کی طرف تیز تیز چلنے لگا..... اس دوران چاروں مجاہد جتنا اسلحہ ساتھ لے جا سکتے
لے کر پناہ گاہ سے جا چکے تھے..... کمانڈو ترابی لمبے لمبے قدم اٹھاتا غار کے اندر
کوٹھڑی میں آگیا جو اسلحے کا سٹور تھا..... مجاہد کافی اسلحہ ساتھ لے گئے تھے.....
کے باوجود وہاں بہت سا گولہ بارود پڑا تھا..... کمانڈو ترابی نے ایک تھیلے میں
بارودی سرنگیں نکالیں اور کوٹھڑی میں دہلیز سے تین چار قدم آگے جہاں گو
بارود کے تھیلے اور دوسرا میگزین پڑا تھا وہاں زمین کے اندر اس طریقے سے بارود
سرنگیں بچھا دیں کہ اسلحہ اور گولہ بارود کے تھیلوں تک جانے والے کے قدم ان
پڑ سکتے تھے..... بارودی سرنگیں بچھانے کے بعد کمانڈو ترابی نے زمین کے اوپر
سی دری بچھا دی اور پناہ گاہ کے خفیہ راستے سے ہو کر باہر آگیا اور عقبی ٹیلے کی جانب

آگیا۔

وہ ٹیلے کے پیچھے سے چڑھائی چڑھ کر اوپر جہاں چنار کے تین درخت ساتھ
تھ کھڑے تھے وہاں آیا تو شیر خان اور شاہد علی وہاں موجود تھے..... شیر خان
نے لگا۔

"مجھے پہلے ہی خطرہ تھا کہ جو کام ہم کر آئے ہیں اس کے بعد اس سارے علاقے
انٹیلی جنس پھیل جائے گی"۔

شاہد علی بولا۔

"ہمیں یہاں سے دوسری خفیہ کمیں گاہ کی طرف نکل جانا چاہئے"۔

کمانڈو ترابی نے کہا۔

"ہم کچھ دیر یہاں رکیں گے..... دیکھتے ہیں فوج یا پولیس ہماری کمیں گاہ پر چھاپہ
تی ہے یا نہیں"۔

"لالہ! اس کی کیا ضرورت ہے؟" شاہد علی بولا۔

کمانڈو ترابی نے کہا۔

"ضرورت ہے تو میں کہہ رہا ہوں..... میرے ساتھ اس طرف آجاؤ"۔

کمانڈو ترابی شیر خان اور شاہد علی کے ساتھ ٹیلے کی مشرقی ڈھلان پر اس جگہ پر
نتوں کے نیچے جھاڑیوں کی آڑ میں بیٹھ گیا جہاں سے نیچے ان کی کمیں گاہ کو جانے
تنگ راستہ دکھائی دیتا تھا..... فضا خاموش تھی..... کسی کسی وقت ایک پرندے
بولنے کی آواز آجاتی تھی..... اچانک ایک ٹرک کی آواز سنائی دی..... سب نے
ک کی آواز سنی..... ٹرک نیچے سڑک پر آکر رُک گیا تھا..... کمانڈو ترابی نے
نہ سے کہا۔

"یہ فوجی ٹرک ہے..... اس کا مطلب ہے کہ ہماری مخبری ہو گئی ہے اور بھارتی
ہمیں پکڑنے یا ہلاک کرنے کے لئے آگئے ہیں"۔

شیر خان بولا۔

"ہمیں زیادہ دیر یہاں نہیں ٹھہرنا چاہئے..... فوجی اس طرف بھی آسکتے ہیں"

کمانڈو ترابی نے کہا۔

"میں ایک ایسے دھماکے کا انتظار کر رہا ہوں جس میں کئی دھماکے شامل ہ
گے"۔

شیر خان اور شاہد علی کمانڈو ترابی کی طرف تکنے لگے..... کمانڈو ترابی نے کہا۔

"میں نے ایمونیشن میں ٹائم بم نہیں لگایا کیونکہ یقین سے نہیں کہا جاسکتا تھ
فوج کس وقت چھاپہ مارے گی..... یہ بھی ہو سکتا تھا کہ ہمارے اندازے غلط نکلیں
جو گن کا خفیہ سروس سے کوئی تعلق نہ ہو..... ٹائم بم لگا آتا تو اس نے تو اپنے وقت
پھٹ کر سارے ایمونیشن کے ذخیرے کو اُڑا دینا تھا..... اب خاموشی سے دیکھو کہ
فوجی ٹرک میں کون آیا ہے"۔

تینوں مجاہد جھاڑیوں میں چھپ کر بیٹھے اس تنگ راستے کو دیکھ رہے تھے جوا
کمیں گاہ کو جاتا تھا..... انہیں کچھ آوازیں سنائی دیں..... یہ آوازیں آدمیوں کے با
کرنے کی نہیں تھیں بلکہ مختلف پرندوں کی آوازیں تھیں..... کمانڈو ترابی نے آ
سے کہا۔

"یہ انڈین کمانڈو بٹالین کے فوجی ہیں..... ہمارا اندازہ صحیح نکلا"۔

اس کے ساتھ ہی کمیں گاہ کے تنگ راستے کی دونوں جانب چھ سات فوجی د
دیئے..... ان کے ہاتھوں میں سٹین گنیں تھیں اور وہ ایک دوسرے کو ہاتھوں
آگے بڑھنے کے اشارے کرتے ہوئے ایک خاص فارمیشن میں بڑے تیز تیز قد
سے مجاہدوں کی خفیہ کمیں گاہ کی طرف بڑھ رہے تھے..... ان کے پیچھے اسی فار
میں مزید فوجی آگے بڑھ رہے تھے..... جب وہ کمانڈو ترابی، شیر خان اور شاہد
نگاہوں سے اُوجھل ہوگئے تو کمانڈو ترابی جلدی سے اٹھا اور بولا۔

"پیچھے کی طرف نکل چلو"۔

وہ جھاڑیوں میں سے نکلے اور ٹیلے کی عقبی ڈھلان پر تیزی سے اترنے لگے..... ٹیلے
کے دامن میں آگے درختوں کے جھنڈ دُور تک چلے گئے تھے..... وہ درختوں میں
بھاگتے چلے گئے..... پھر تین دھماکے سنائی دیئے..... یہ تینوں دھماکے ایک ایک سیکنڈ
کے وقفے سے ہوئے تھے..... کمانڈو ترابی نے رُک کر کہا۔

"بارودی سرنگیں پھٹ گئی ہیں"۔

یہ جملہ اس نے پورا بھی نہیں کیا تھا کہ ایک ایسا ہولناک دھماکہ ہوا کہ جس نے
ساری پہاڑیوں کو ہلا کر رکھ دیا..... درختوں پر سے پرندے شور مچاتے اُڑ گئے..... زمین
اس طرح ہلی جیسے زلزلہ آگیا ہو..... کمانڈو ترابی نے کہا۔

"ہمارا ایمونیشن ذخیرہ پھٹ گیا ہے اور اس کے ساتھ بھارتی کمانڈوز کے بھی
پرخچے اُڑ گئے ہوں گے"۔

انہوں نے ایک بار پھر دوڑنا شروع کر دیا..... دوڑتے دوڑتے وہ ایک گھاٹی میں اتر
گئے..... علاقے کے تمام خفیہ پہاڑی راستوں کو وہ اچھی طرح سے جانتے تھے..... گھاٹی
میں آگے جا کر ایک برساتی نالہ آکر مل جاتا تھا..... نالہ خشک تھا..... وہ اس نالے میں
چلنے لگے اور چلتے چلتے تیسری پہاڑی کے پیچھے پہنچ گئے..... ان کی بائیں جانب جوار کے
کھیت تھے..... ان کے پیچھے ذرا بلندی پر گاؤں کے لکڑی کے مکانوں کی چھتیں دھوپ
میں چمک رہی تھیں..... وہ کھیتوں میں سے گزرنے لگے..... کمانڈو ترابی اور شاہد علی کو
معلوم تھا کہ وہ کہاں جا رہے ہیں..... کمانڈو شیر خان ان کے ساتھ ساتھ چل رہا
تھا..... وہ دو تین دیہات کے قریب سے گزر گئے۔

یہاں تک کہ وہ چوتھے گاؤں میں آگئے..... اس گاؤں میں ایک مکان کے باہر
درختوں کے نیچے ایک پرانی جیپ کھڑی تھی..... کمانڈو ترابی نے شیر خان اور شاہد علی
کو پیچھے رُکنے کا اشارہ کیا اور خود مکان کی طرف چلا گیا..... اس نے مکان کے دروازے

پر دستک دی..... ایک آدمی باہر آیا..... کمانڈو ترابی نے اس سے ایک دو باتیں کیں اور وہ آدمی اندر چلا گیا..... دوسرے ہی لمحے باہر نکلا اور کمانڈو ترابی کے ہاتھ میں کوئی چیز دی..... یہ جیپ کی چابیاں تھیں..... کمانڈو ترابی نے جیپ کی طرف بڑھتے ہوئے شیر خان اور شاہد علی کو خاص اشارہ کیا..... دونوں دوڑ کر اس کے پاس گئے اور جیپ میں بیٹھ گئے..... جیپ سٹارٹ ہوئی اور بڑی تیزی سے درختوں کے نیچے سے نکل کر پہاڑی راستے پر دوڑنے لگی۔

ایک گھنٹے کے بعد تینوں مجاہد کمانڈو اپنی دوسری خفیہ کمیں گاہ میں بیٹھے تھے..... وہ چاروں مجاہد بھی وہاں موجود تھے جنہیں کمانڈو ترابی نے پہلے سے بھیج دیا تھا..... اس نے اپنے ایک خاص مجاہد سے کہا۔

"قادر بٹ کو فوراً جا کر میرا پیغام دو کہ ہم اس کمیں گاہ میں آ گئے ہیں..... خواجہ اسد اللہ کے بارے میں جو بھی معلومات ملیں وہ لے کر ہمیں اس جگہ ملے"۔

خاص مجاہد اسی وقت نکل گیا۔

قادر بٹ وہ مجاہد تھا جس کی یہ ڈیوٹی لگائی گئی تھی کہ وہ یہ معلوم کرے کہ حریت کانفرنس کے سب سے سینئر اور اہم ترین لیڈر خواجہ اسد اللہ کو بھارتی فوج نے گرفتار کرنے کے بعد کس جگہ قید میں رکھا ہوا ہے..... قادر بٹ رات کے گیارہ بجے کے قریب آ گیا..... کمانڈو ترابی نے پوچھا۔

"کیا خبر لائے ہو؟"۔

قادر بٹ بولا۔

"لالہ! خواجہ صاحب کے بارے میں مصدقہ اطلاع یہ ملی ہے کہ فوج انہیں جموں کی اُدھم پور جیل میں لے گئی ہے انہیں سب قیدیوں سے الگ پھانسی کی کوٹھڑی میں بند کر کے رکھا گیا ہے اور انہیں بری طرح ظلم و تشدد کا نشانہ بنایا جا رہا ہے"۔

اُدھم پور جیل مقبوضہ کشمیر کی سب سے بدنام ترین جیل ہے..... یہ سن کر کہ کشمیری لیڈر خواجہ صاحب اُدھم پور جیل میں بند ہیں اور ان پر تشدد کیا جا رہا ہے مجاہدین کے چہرے افسردہ ہو گئے..... کمانڈو ترابی نے کہا۔

"فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں..... ہم خواجہ صاحب کو ہر حالت میں وہاں سے نکال کر لے آئیں گے چاہے ہمارے سامنے آگ کی دیوار ہی کیوں نہ کھڑی ہو"۔

اس نے شاہد علی اور شیر خان سے کہا۔

"میرے ساتھ آؤ"۔

تینوں سرفروش کشمیری مجاہد ایک الگ کوٹھڑی میں بیٹھ گئے..... کمانڈو ترابی کہنے لگا۔

"یہ بات طے شدہ ہے کہ ہم اپنے لیڈر کو طاقت کے ذریعے یعنی جیل پر کمانڈو ایکشن کر کے وہاں سے نہیں نکال سکتے..... اس مشن کے لئے ہمیں کسی خاص حکمت عملی سے کام لینا پڑے گا..... یہ حکمت عملی کیا ہو گی؟ ابھی تک میں اس بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا..... ہمیں مل کر کچھ سوچنا پڑے گا"۔

شیر خان کہنے لگا۔

"ایک منصوبہ تو یہی ہو سکتا ہے کہ ہم جموں پہنچ کر اپنے کسی مجاہد کے ٹھکانے پر قیام کریں..... وہاں سے یہ معلومات حاصل کریں کہ اُدھم پور جیل میں وہ پھانسی کی کوٹھڑی کس جگہ پر واقع ہے جہاں ہمارے لیڈر کو قید میں رکھا گیا ہے..... وہاں دن کے وقت اور رات کے وقت سکیورٹی کی کیا پوزیشن ہوتی ہے..... کوٹھڑی کے باہر پہرہ دینے والے فوجی ہیں یا جیل کے عملے کے سنتری ہیں..... کیا خواجہ صاحب کو ٹہلوانے کے لئے کوٹھڑی سے نکالا جاتا ہے؟ اگر نکالا جاتا ہے تو کس وقت نکالا جاتا ہے اور سب سے اہم بات یہ معلوم کرنی ہو گی کہ کیا جیل میں کوئی اپنا آدمی ملازم ہے یا نہیں۔

کمانڈو ترابی نے کہا۔

"جموں میں اپنے مجاہدوں کا خفیہ ٹھکانہ تو موجود ہے، لیکن یہ یقین سے نہیں جا سکتا کہ اُدھم پور جیل میں کوئی اپنا آدمی بھی کام کرتا ہے یا نہیں..... یہ تو وہاں ہی معلوم ہو سکے گا"۔

شیر خان بولا۔

"میرا خیال ہے کہ اس حکمت عملی کے سوا دوسرا کوئی راستہ نہیں ہے"۔

"تمہاری کیا رائے ہے شاہد علی؟"۔

کمانڈو ترابی نے شاہد علی سے پوچھا..... جو کسی گہری سوچ میں گم معلوم ہوتا تھا

شاہد علی نے کہا۔

"ہمیں جو کچھ بھی کرنا پڑا کریں گے..... پوری صورت حال جموں پہنچنے کے بعد ہی سامنے آ سکے گی"۔

"ٹھیک ہے" کمانڈو ترابی بولا..... "تم دونوں آج ہی رات کو جموں کی طرف روانہ ہو جاؤ..... قادر بٹ کو تمہارے ساتھ جانے کی ضرورت نہیں ہے..... شاہد علی کو سب معلوم ہے کہ جموں میں کس کے پاس جانا ہے اور کیا کرنا ہے..... تمہیں اپنا حلیہ بدل کر سفر کرنا ہوگا..... فوجی کانوائے کی تباہی کے بعد علاقے میں سکیورٹی اور انٹیلی جنس الرٹ ہو گئی ہو گی"۔

وادی کشمیر سے جموں کی طرف ان کا سفر رات کو ہی شروع ہوتا تھا..... کمانڈو شیر خان اور شاہد علی، دونوں نے اپنا حلیہ جموں کے دیہاتی مزدوروں والا بنایا اور رات کی تاریکی میں خفیہ کمیں گاہ سے نکل کر جموں کی طرف روانہ ہو گئے..... ان کا یہ سفر ایسا نہیں تھا کہ وہ سری نگر ہی سے کسی بس میں سوار ہو جاتے..... انہیں دن نکلنے تک وادی کی پہاڑیوں اور جنگلوں کے خاص خاص راستوں پر پیدل ہی سفر کرنا تھا..... جب آسمان پر صبح کا نور پھیلنے لگا تو وہ ایک خاص سڑک پر نکل آئے تھے..... یہاں سے انہیں جموں جانے والی لاری پکڑنی تھی، جیسا کہ ان کا طریق کار تھا وہ سڑک پر ایک ایک فرلانگ کے فاصلے پر کھڑے ہو کر لاری کا انتظار کرنے لگے۔

پیچھے سے جموں توی جانے والی لاری آئی تو پہلے شیر خان اس کو روک کر
ہوا، اس کے ایک فرلانگ کے فاصلے پر شاہد علی سڑک کے کنارے کھڑا ہاتھ دے
تھا اور پھر وہ بھی لاری میں سوار ہو گیا..... سارا راستہ انہوں نے آپس میں کوئی بات
کی..... دُور دُور ہی سے ایک دوسرے کو دیکھ کر اشاروں میں تھوڑی بہت بات کر
تھے..... لاری جموں شہر میں داخل ہوئی تو دونوں لاری اڈے سے ایک سٹاپ پہلے
لاری میں سے اُتر گئے..... شاہد علی مجاہد آگے آگے اور کمانڈو شیر خان اس کے
پیچھے چل پڑا..... صرف شاہد علی کو معلوم تھا کہ انہیں کہاں جانا ہے..... چلتے چلتے
ایک خاص علاقے میں آگئے..... یہ جموں شہر کا کون سا علاقہ تھا..... یہ ہم یہاں ظا
نہیں کریں گے..... یوں سمجھ لیں کہ شاہد علی نے ایک مختصر سی غیر معروف نیم پہاڑ
آبادی والے علاقے میں پہنچ کر ایک مکان کے دروازے پر دستک دی۔

اوپر والی منزل سے ایک آدمی نے جھانک کر نیچے دیکھا..... اس نے شاہد علی مجا
کو پہچان لیا تھا..... فوراً کھڑکی بند ہو گئی..... دوسرے لمحے مکان کی ڈیوڑھی کا دروا
کھل گیا..... جو آدمی اوپر سے جھانکا تھا اب شاہد علی اور شیر خان کے سامنے کھڑا تھا۔
اس نے کہا۔

"اندر آجاؤ"۔

دونوں مجاہد مکان میں داخل ہو گئے۔

وہ آدمی جس کا ہم نہ تو حلیہ بیان کریں گے اور نہ اصلی نام ہی بتائیں گے دونوا
کو اوپر والی منزل میں لے گیا..... اس کا نام ہم شوکت علی رکھ لیتے ہیں..... دوسر
منزل کے اس مختصر سے کمرے میں دو چارپائیاں بچھی تھیں..... بستر لپیٹ کر رکھے
ہوئے تھے..... دیوار کے ساتھ تین پرانی کرسیاں لگی تھیں..... درمیان میں ایک
چھوٹی سی میز رکھی تھی..... اس آدمی یعنی شوکت علی نے شیر خان کی طرف دیکھ کر
شاہد علی سے پوچھا۔

"یہ غازی کون ہے؟"۔

شاہد علی نے کہا۔

"یہ ہمارا ساتھی کمانڈو شیر خان ہے"۔

شوکت علی نے آگے بڑھ کر شیر خان سے ہاتھ ملایا، بولا۔

"میں نے کمانڈو شیر خان کی بہت تعریف سن رکھی تھی..... اچھا ہوا آج ملاقات
بھی ہو گئی"۔

اس وقت صبح ہو چکی تھی..... شوکت علی نے اپنی بیوی سے کہہ کر چائے پراٹھوں
کا ناشتہ تیار کروایا اور تینوں نے مل کر ناشتہ کیا..... ناشتے کے بعد شوکت علی بولا۔

"شاہد علی! میں تمہارا انتظار ہی کر رہا تھا..... جب سے خواجہ اسد اللہ کی گرفتاری
اور ان کو اُدھم پور جیل میں منتقل کرنے کی خبر سنی تھی مجھے انتظار تھا کہ شاہد علی اور
کمانڈو ترابی میں سے کوئی ایک ضرور آئے گا"۔

مجاہد شاہد علی نے کہا۔

"ترابی کی وادی کے محاذ پر موجودگی بہت ضروری تھی..... اس کی جگہ کمانڈو
شیر خان میرے ساتھ آیا ہے"۔

"ایک ہی بات ہے" شوکت علی بولا..... "ہم لوگوں کا فرض بنتا ہے کہ اپنے لیڈر
کو دشمن کی قید سے جتنی جلدی ہو سکے آزاد کرائیں"۔

شوکت علی بولا۔

"اسی سلسلے میں ہم یہاں آئے ہیں..... تم ہمیں سب سے پہلے یہ بتاؤ کہ اُدھم پور
جیل میں کیا اپنا کوئی آدمی کام کر رہا ہے؟"۔

شوکت علی کہنے لگا۔

"یہاں ہم اس مہم میں ابھی تک کامیاب نہیں ہو سکے..... یہ سب سے حساس
علاقہ ہے..... اُدھم پور جیل میں میری معلومات کے مطابق صرف چند ایک مسلمان

ہی ملازم ہیں اور وہ ریٹائر ہونے کے قریب ہیں اور اپنی طویل سروس کے اس مقام پر
کوئی خطرہ مول نہیں لینا چاہتے..... یہ میرا اپنا خیال ہے..... اس لئے ہم نے ان سے
اس سلسلے میں کبھی کوئی بات نہیں کی"۔

شیر خان بولا۔

"شوکت بھائی! میں چاہتا ہوں کہ ان میں سے کسی ایک سے بات کر کے دیکھ
جائے، کیونکہ جیل کے اندر کسی اپنے آدمی کے موجود ہونے سے ہماری کامیابی کے
امکانات بڑھ جاتے ہیں"۔

"یہ بات تو ہے" شوکت علی بولا۔

شاہد علی نے کہا۔

"کیا ان میں کوئی ایسا آدمی ہے جس پر تم اعتماد کر سکو؟"۔

"ایک آدمی سے بات ہو سکتی ہے" شوکت علی تھوڑی دیر سوچنے کے بعد
بولا..... شاہد علی نے کہا۔

"تم اس سے بات کر کے دیکھو"۔

"میں بات کرتا ہوں" شوکت علی نے کہا۔

شاہد علی نے پوچھا۔

"یہ آدمی جیل کے اندر کیا کرتا ہے؟"۔

شوکت علی کہنے لگا۔

"یہ میں اس آدمی سے بات کرنے کے بعد بتاؤں گا..... پہلے بتانے کا کوئی فائدہ
نہیں ہے"۔

"جیسے تمہاری مرضی" شاہد بولا..... یہ تو مجھے معلوم ہے کہ تمہارے ہائیڈ آؤٹ
میں ہمیں ضرورت کے مطابق اسلحہ مل جائے گا"۔

شوکت علی بولا۔

ہم بھارتی فوجی کیمپوں پر شب خون مار کر اسلحہ وغیرہ بھی اٹھا لائے ہیں..... اور
دشمن کے خلاف ان ہی کا اسلحہ استعمال کرتے ہیں۔

پھر شاہد علی نے سوال کیا۔

"میں نے اُدھم پور جیل کی چار دیواری کو باہر ہی سے دیکھا ہے..... کبھی اندر
جانے کا اتفاق نہیں ہوا..... یہ بتاؤ کہ اس جیل کی وہ کوٹھڑی یا کوٹھڑیاں کس جگہ پر ہیں
جن میں پھانسی پانے والوں کو بند کیا جاتا ہے، کیونکہ ہمیں معلوم ہوا ہے کہ خواجہ
اسد اللہ کو جیل کے اندر پھانسی کی کوٹھڑی میں بند کر کے رکھا گیا ہے"۔

شوکت علی بولا۔

"جیل کے اندر جانے کا تو مجھے بھی کبھی اتفاق نہیں ہوا..... صرف اتنا ہی معلوم
ہے کہ یہ کوٹھڑیاں جیل کے جنوبی کونے کی طرف واقع ہیں..... پھانسی گھر بھی اسی
طرف ہے، لیکن پورا نقشہ تو اندر ہی کا کوئی آدمی بتا سکتا ہے"۔

شیر خان نے کہا۔

"تم اس آدمی سے بات کرو جو جیل کے اندر ملازم ہے اور کوشش کرو کہ وہ
راضی ہو جائے"۔

شوکت علی کہنے لگا۔

"شیر خان بھائی! جہاں تک راضی ہونے کی بات ہے جموں کشمیر کی وادی کا ہر
مسلمان وہ جہاں کہیں بھی بیٹھا ہے اس کا دل کشمیری مسلمانوں پر بھارتی فوج کے ظلم و
ستم دیکھ کر خون کے آنسو روتا ہے، لیکن بعض لوگ اپنی بعض مجبوریوں کی وجہ سے
خاموش رہتے ہیں، لیکن کشمیری مسلمانوں پر بھارتی فوج کے وحشیانہ مظالم اور بربریت
کو دیکھتے ہوئے ان کے دلوں میں ایک خاموش آگ آتش فشاں کی طرح ہر وقت دہکتی
رہتی ہے..... میں نے جس آدمی کا ذکر کیا ہے میں اس سے ضرور بات کروں گا.....
مجھے یقین ہے وہ ہماری مدد کرنے پر تیار ہو جائے گا"۔

شیر خان نے کہا۔

"شوکت بھائی! تم نے ابھی تک یہ نہیں بتایا کہ یہ شخص جس سے تم بات کر
والے ہو جیل میں کس ڈیوٹی پر کام کرتا ہے"۔

شوکت علی کہنے لگا۔

"اس شخص کو جیل میں ملازمت کرتے تیس پینتیس برس ہو گئے ہیں...... وہ ج
کے عملے کا سب سے سینئر آدمی ہے اور جیل کا ہندو سکھ سٹاف بھی اس کی بڑی عز
کرتا ہے، جہاں تک اس کی پوسٹ اور ڈیوٹی کا تعلق ہے میں صرف اتنا ہی کہوں گا کہ
یہ شخص مان گیا تو ہمارے بڑے کام آسکتا ہے...... سمجھ لو کہ اس کی مدد سے ہم ا
لیڈر خواجہ اسد کے قریب پہنچ جائیں گے"۔

مجاہد شاہد علی کہنے لگا۔

"یہ کام تو انشاء اللہ ہو جائے گا...... ابھی تم یہ بتاؤ کہ ہماری رہائش کا کیا بندوبس
کرو گے، کیونکہ ہمیں اس وقت تک جموں کے آس پاس ہی رہنا ہو گا جب تک کہ
اپنے لیڈر کو جیل سے نکال لانے میں کامیاب نہیں ہو جاتے"۔

شوکت علی بولا۔

"شاہد بھائی! تمہیں تو ہمارے سب خفیہ ٹھکانوں اور ڈیروں کا علم ہے......
جہاں کہو گے وہاں تمہارا انتظام کر دیا جائے گا"۔

شیر خان نے یہاں اپنا مشورہ دیا۔

"ہمارے مشن کی نوعیت کچھ ایسی ہے کہ میں چاہتا ہوں ہم کسی ایسی جگہ رہیں
جیل سے زیادہ دُور بھی نہ ہو اور سب سے الگ تھلگ بھی ہو"۔

شوکت علی کہنے لگا۔

"اس کی آپ لوگ فکر نہ کریں...... سارا انتظام اس مشن کی ضروریات کو سامنے
رکھ کر کیا جائے گا...... آج کا سارا دن تو تمہیں میرے مکان پر ہی بسر کرنا ہو گا......

رات کا اندھیرا ہونے کے بعد میں تمہیں حسن دین شہید کے خفیہ ٹھکانے پر لے چلوں
گا...... آج کل وہاں کوئی نہیں ہے...... ایک مجاہد تمہیں صبح شام آکر کھانا وغیرہ دے جایا
کرے گا...... میں تم سے ملاقات کرنے جیسا کہ تم جانتے ہو رات کو ہی آیا کروں گا"۔

شوکت علی نے اسی کمرے میں دونوں کے بستر بچھا دیئے اور کہا۔

"تم کچھ دیر آرام کر لو...... مجھے دکان پر جانا ہے، دوپہر کو آؤں گا...... کسی چیز کی
ضرورت ہو اپنی بھابی کو آواز دے کر منگوا لینا"۔

شوکت علی کے جانے کے بعد کمانڈو شیر خان اور شاہد علی بستروں پر کمبل لے کر
بیٹھ گئے اور آہستہ آہستہ باتیں کرنے لگے...... شیر خان کہنے لگا۔

"خواجہ اسد اللہ تحریک کشمیر کی بہت اہم شخصیت ہے...... اُدھم پور جیل میں
انہیں منتقل کرنے کے بعد وہاں سکیورٹی کا بڑا سخت انتظام کیا گیا ہو گا"۔

شاہد علی بولا۔

"ظاہر ہے ہمیں یہ ساری باتیں سامنے رکھ کر ہی کوئی منصوبہ تیار کرنا ہو گا اور پھر
ایسی جگہوں پر سکیورٹی کہاں نہیں ہوتی...... یہ بات تم بھی جانتے ہو میں بھی جانتا
ہوں...... ہم اس مرحلے سے کئی بار گزر چکے ہیں...... اصل بات یہ ہے کہ کمانڈو
آپریشن کا منصوبہ ہمیں سوچ سمجھ کر اور پورے غور و فکر کے بعد ایسا بنانا ہو گا کہ جس
میں کامیابی کا سو فیصد نہیں تو پچھتر فی صد ضرور امکان موجود ہو"۔

شیر خان نے کہا۔

"شاہد بھائی! میں تو سو فیصد کامیابی پر یقین رکھتا ہوں...... چاہے ہماری جان چلی
جائے لیکن تحریک آزادی کشمیر کے لیڈر کو بھارتی ظلم و ستم سے ہر حالت میں نجات
ملنی چاہئے"۔

"یہ تو ہے" شاہد علی نے آہستہ سے کہا...... "اب ہمارے منصوبے کا انحصار
اس آدمی کے فیصلے پر ہی ہے جو اُدھم پور جیل میں ملازم ہے...... اگر شوکت علی نے

اسے ہمارے ساتھ تعاون کرنے پر راضی کر لیا تو پھر اس کے بعد ہی ہم کوئی قدم اٹھا سکیں گے"۔

رات کو شوکت علی کیساتھ کمانڈو شیر خان اور مجاہد شاہد علی حسن دین شہید کے خفیہ ٹھکانے کی طرف چل پڑے..... جیسا کہ آپ جانتے ہیں ہم اس خفیہ ٹھکانے کا محل وقوع بیان نہیں کریں گے..... یہ خفیہ ٹھکانہ سنگلاخ پہاڑیوں میں ہی ایک پوشیدہ مقام پر تھا جو ایک قدرتی غار کی شکل میں تھا..... شوکت علی نے کمانڈو چاقو، موم بتیوں کا ایک پیکٹ، ماچس اور بھنے ہوئے چنوں کا ایک تھیلا اور پلاسٹک کے دو ڈونگے ساتھ رکھ لئے تھے..... ایک مجاہد شام کے وقت ہی جا کر خفیہ ٹھکانے میں پانی کی ایک چھاگل اور چار فوجی کمبل چھوڑ آیا تھا..... شوکت علی نے خفیہ ٹھکانے میں ایک بڑی موم بتی روشن کر دی۔

کمانڈو شیر خان اور شاہد علی وہیں زمین پر بچھی ہوئی خشک گھاس پر بیٹھ گئے..... شوکت علی کہنے لگا۔

"تم دونوں نے دیکھ لیا ہے کہ اس غار تک پہنچنے کے لئے ہمیں کتنی دشوار گزار چٹانوں اور تنگ دروں میں سے گزرنا پڑا ہے..... اس وجہ سے یہ جگہ محفوظ ہے اور سب کی نظروں سے چھپی ہوئی ہے..... حسن دین شہید کے زمانے میں بھی اس جگہ کا جموں کی انٹیلی جنس تک کو علم نہیں ہو سکا تھا..... حسن دین بانڈی پورہ میں بھارتی فوج کے ساتھ ایک مجاہدانہ جھڑپ میں شہید ہوا تھا..... تب سے ہم نے اس جگہ کو بالکل اپنی حفاظت میں رکھا ہوا ہے اور کشمیر کے محاذ سے آنے والے کمانڈو اور مجاہدوں کو یہاں رکھا جاتا ہے"۔

شیر خان نے کہا۔

"یہاں سے اُدھم پور جیل کتنی دُور ہو گی"۔

شوکت علی بولا۔

"میں یہی تمہیں بتانے والا تھا..... اس خفیہ ٹھکانے کی ایک خاص بات یہ بھی ہے کہ یہاں سے اُدھم پور جیل کو پہاڑی دروں اور گھاٹیوں میں سے ایک خفیہ راستہ جاتا ہے، جس کی وجہ سے اُدھم پور جیل کا فاصلہ آدھے سے بھی کم رہ جاتا ہے"۔

اس کے بعد شوکت علی بولا۔

"اب میں جاتا ہوں..... صبح صبح اپنا ایک مجاہد تمہارے لئے کھانے پینے کا سامان لے کر آ جائے گا"۔

مجاہد شاہد علی نے کہا۔

"جیل میں ملازم اپنے آدمی سے تم کب بات کرو گے؟ کیونکہ ہم اس آدمی کی رضامندی یا انکار کے بعد ہی کسی منصوبے پر سوچ بچار شروع کر سکتے ہیں"۔

شوکت علی کہنے لگا۔

"میں انشاء اللہ کل ہی اس کے گھر جا کر بات کروں گا..... اس نے جو کچھ بھی کہا میں وہ تمہیں کل رات کو آ کر بتا دوں گا..... اب میں چلتا ہوں"۔

شوکت علی چلا گیا..... اس کے جانے کے بعد شیر خان اور شاہد علی وہیں سوکھی گھاس کے بستر پر فوجی کمبل اوڑھ کر بیٹھ گئے اور موم بتی کی روشنی میں باتیں کرنے لگے..... یہ ایک چھوٹا سا کوٹھڑی نما کمرہ تھا جو غار کے اندر جا کر قدرتی طور پر ہی بنا ہوا تھا..... بعض پتھر اور مٹی کے پہاڑ ایک جامد تودے کی طرح ہوتے ہیں، لیکن بعض خالص پتھر کے پہاڑوں کے اندر لاکھوں برس کی قدرتی شکست وریخت کے نتیجے میں قدرتی غار وجود میں آ جاتے ہیں اور کہیں کہیں ان غاروں میں ایسی کوٹھڑیاں اور دالان اپنے آپ بن جاتے ہیں جن کو دیکھ کر آدمی کو محسوس ہوتا ہے جیسے یہ کسی انجینئر کے بنائے ہوئے ہیں..... حسن دین شہید کا خفیہ ٹھکانہ جہاں شیر خان اور شاہد علی چھپے ہوئے تھے ایسی ہی ایک کوٹھڑی تھی..... یہ کشادہ تو نہیں تھی لیکن اس کی چھت بہت اونچی تھی اور لگتا تھا کہ اوپر پہاڑ کی چوٹی تک چلی گئی ہے..... قدرتی طور پر ہی کسی جگہ

اوپر یا باہر کو نکلی ہوئی نوکیلی چٹانوں والی دیوار میں کسی جگہ ایسا شگاف قدرتی طور پر
گیا ہوا تھا جہاں سے تازہ ہوا اندر آ رہی تھی..... تازہ ہوا غار کے دہانے میں سے
آ رہی تھی..... اس خفیہ ٹھکانے کے غار کا دہانہ تنگ تھا اور باہر نوکیلی چٹانوں اور بڑ
بڑے پتھروں نے اسے اپنی اوٹ میں لے رکھا تھا اور وہاں سے گزرنے والے کو
نہیں آتا تھا..... اس لحاظ سے یہ جگہ بڑی محفوظ تھی۔

صبح ہوئی تو غار کے اندر اونچی چھت کے اُبھرے ہوئے پتھروں کے پیچھے کی
جگہ سے دن کی روشنی اندر آنے لگی تھی..... اس روشنی سے شیر خان اور شوکت علی
پتہ چلا کہ باہر دن نکل آیا ہے..... شیر خان نے کہا۔

"غار سے نکل کر ارد گرد کے ماحول کا ذرا جائزہ لینا چاہئے..... کیا خیال ہے؟"

شاہد علی بولا۔

"اچھا خیال ہے"۔

ایک پتھر پر لگی ہوئی بڑی موم بتی چھوٹی سی رہ گئی تھی، مگر ابھی تک جل رہی
تھی..... شیر خان نے موم بتی بجھائی اور وہ دونوں غار میں سے گزر کر باہر چٹانوں میں
نکل آئے..... انہوں نے پلٹ کر غار کے دہانے کو دیکھا..... اس میں کوئی شک نہیں
کہ غار کے دہانے کو سامنے کھڑی چٹانوں اور بڑے بڑے پتھروں نے اس طریقے سے
چھپا رکھا تھا کہ وہاں سے گزرنے والے کو نظر نہیں آ سکتا تھا۔

ان بڑے بڑے پتھروں اور چٹانوں کے درمیان کوئی راستہ نہیں تھا..... انہیں
بعض پتھروں کے اوپر سے اور بعض چٹانوں کی ڈھال کے بالکل ساتھ لگ کر باہر نکلنا
پڑا..... وہ چٹانوں سے باہر آئے تو انہوں نے دیکھا کہ آگے ایک ڈھلان تھی جس کے
نیچے ایک خشک برساتی نالہ جا رہا تھا جو چھوٹے بڑے سینکڑوں پتھروں سے اٹا پڑا تھا.....
نالے میں کہیں کہیں جنگلی جھاڑیاں بھی اُگی ہوئی تھیں۔

دونوں کمانڈو مجاہد وہیں بیٹھ گئے..... نالے کے دوسرے کنارے پر ایک پہاڑ

ے کی ڈھال تھی..... اس ٹیلے کے اوپر دھوپ نکلی ہوئی تھی..... کمانڈو شیر خان نے
ائی پر وقت دیکھ کر کہا۔

"ابھی سوا سات ہی بجے ہیں"۔

شاہد علی بولا۔

"دوسری طرف بھی چل کر دیکھتے ہیں کہ ادھر کیا ہے"۔

وہ اٹھے اور واپس چلتے ہوئے غار کی دوسری طرف آ گئے..... یہاں زمین اونچی
نیچی تھی..... ہر طرف چٹانیں اور بڑے بڑے پتھر ہی پتھر نظر آ رہے تھے..... یہ وہ پتھر
تھے جو سینکڑوں برس کے زلزلوں کے اثر سے پہاڑ کی چوٹی سے ٹوٹ ٹوٹ کر نیچے
رے تھے..... ایک طرف سے ایسی آواز آ رہی تھی جیسے کہیں اوپر سے پانی گر رہا
ہو..... وہ اس طرف چھ سات قدم چلے تو دیکھا کہ دو بھورے رنگ کی دیوتا مت
چٹانوں کے درمیان ایک چھوٹا سا پانی کا تالاب بنا ہوا تھا..... اس تالاب میں ایک چٹان
کے شگاف میں سے پانی کی پتلی سی دھار نکل کر گر رہی تھی..... انہوں نے بیٹھ کر پانی
میں ہاتھ ڈالا..... پانی بہت ٹھنڈا تھا..... شیر خان نے ایک گھونٹ پیا اور بولا۔

"پانی میٹھا ہے"۔

شاہد علی کہنے لگا۔

"یہ مٹی کے پہاڑ نہیں ہیں..... چٹانی پتھروں کے پہاڑ ہیں اور پتھروں کے
پہاڑوں میں سے نکلنے والا پانی میٹھا اور شفاف ہوتا ہے"۔

شاہد علی نے بھی پانی کا گھونٹ پیا..... انہوں نے منہ ہاتھ دھویا..... مزید پانی پیا
اور جس پہاڑی راستے سے ان چٹانوں کے درمیان آئے تھے اسی راستے سے ہوتے
ہوئے اپنے خفیہ ٹھکانے پر واپس آ گئے..... کچھ دیر گزرنے کے بعد شوکت علی کا بھیجا
ہوا ایک مجاہد ان کے لئے کھانا وغیرہ لے کر آ گیا اور کہنے لگا۔

"لالہ شوکت نے کہا ہے اگر کسی چیز کی ضرورت ہو تو بتا دیں"۔

شاہد علی نے کہا۔

"کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے"۔

مجاہد یہ کہہ کر واپس چلا گیا کہ میں شام کو رات کے لئے کھانا لے کر آؤں گا۔ کمانڈو شیر خان اور شاہد علی کو پورا دن غار میں گزارنا تھا..... اس قسم کی مشقت سے کبھی بور ہوئے تھے اور نہ دل برداشتہ ہوئے تھے..... ان باتوں کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا..... وہ ایک طرح سے میدان جہاد میں تھے اور جہاد کی برکت سے اللہ تعالیٰ ان کے لئے ہر سختی اور مشقت کو آسان کر دیا تھا۔

شام کے وقت وہی مجاہد کھانا لے کر آیا تو اس نے بتایا کہ لالہ شوکت آج رات کسی وقت آئیں گے..... مجاہد چلا گیا..... شاہد علی نے شیر خان سے کہا۔

"لگتا ہے شوکت علی نے ادھم پور جیل میں ملازم اپنے آدمی سے بات کر لی ہے"

شیر خان نے کہا۔

"یہ تو شوکت علی کے آنے کے بعد ہی معلوم ہو گا کہ اصل صورت حال کیا ہے"

رات کو دس بجے کے بعد شوکت علی بھی آ گیا۔

پہاڑی کوٹھڑی میں موم بتی جل رہی تھی..... شوکت علی ان کے پاس گھاس کے بستر پر بیٹھ گیا..... وہ کچھ خاموش خاموش تھا..... شیر خان نے پوچھا۔

"شوکت بھائی! اپنے آدمی سے کوئی بات ہوئی کیا؟"۔

شوکت علی بولا۔

"وہ راضی نہیں ہوا"۔

چند سیکنڈ کے لئے کوٹھڑی میں خاموشی چھا گئی..... شاہد علی نے پوچھا۔

"راضی نہ ہونے کی اس آدمی نے وجہ کیا بتائی ہے"۔

شوکت علی کہنے لگا۔

"وہی جو میں تمہیں پہلے بتا چکا ہوں اس کے دل میں بھارتی قابض فوج کے

اف جذبہ انتقام کی آگ ضرور سلگ رہی ہے، مگر وہ پوتے پوتیوں والا ہے..... وہ عمر ے آخری حصے میں ہے..... وہ کہتا ہے میں ایسا خطرہ مول نہیں لینا چاہتا جو میرے ندان اور اس کے مستقبل کو تباہ کر دے..... وہ رو پڑا تھا اور میرے آگے ہاتھ جوڑ کر نے لگا، شوکت علی اس بوڑھے کو معاف کر دینا..... خواجہ اسد اللہ کو قید و بند کی وبتیں برداشت کرتے دیکھ کر میرا دل بھی خون کے آنسو روتا ہے، مگر میں مجبور ں، تم نہیں جانتے لیکن میں یہاں کے حالات جانتا ہوں..... میں نے تمہاری مدد ے لئے کوئی بھی قدم اٹھایا تو یہاں کی سی آئی ڈی کو فوراً پتہ چل جائے گا اور بھارتی ندے میرے خاندان کے کسی ایک فرد کو بھی زندہ نہیں چھوڑیں گے"۔

اتنی بات سنانے کے بعد شوکت علی خاموش ہو گیا..... شیر خان اور مجاہد شاہد علی ا کہہ سکتے تھے..... وہ بھی خاموش رہے..... پھر شوکت علی کہنے لگا۔

"لیکن وہ خفیہ طور پر ہمیں جیل کے بارے میں تمام ضروری معلومات فراہم نے پر تیار ہے"۔

"کیا وہ یہاں آ جائے گا؟" شیر خان نے پوچھا۔

شوکت علی نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"وہ کسی خفیہ جگہ پر جانے سے بھی گھبراتا ہے..... وہ کہتا ہے کہ جب سے کشمیری یڈر کو جیل میں لایا گیا ہے سارے شہر میں اور خاص طور پر جیل کے آس پاس انٹیلی نس کا خطرناک جال بچھا دیا گیا ہے..... مجھے اس کے گھر جانا ہو گا"۔

شاہد علی کہنے لگا۔

"ٹھیک ہے..... پھر تم ایسا کرو کہ اس سے جیل کے اندر کا پورا نقشہ معلوم کرو ور یہ بھی ہمیں علم ہونا چاہئے کہ خواجہ صاحب کی کال کوٹھڑی کے باہر گارڈ سنتریوں ل کیا پوزیشن ہے..... گارڈ کس وقت بدلتی ہے اور خواجہ صاحب کو ٹہلوانے کے لئے ب کو ٹھڑی سے نکالا جاتا ہے تو انہیں کس طرف لے جایا جاتا ہے اور کتنے سپاہی ان

کے آس پاس ہوتے ہیں"۔

شوکت علی نے کہا..... "اس نے یہ بھی بتایا ہے کہ اگرچہ یہ سویلین جیل لیکن خواجہ صاحب کی سکیورٹی کا انتظام فوج کے ہاتھ میں ہے اور کوٹھڑی کے باہر ڈوگرہ فوجی پہرہ دیتے ہیں..... بہرحال میں دوسری تمام مطلوبہ معلومات اس فراہم کر کے لے آؤں گا"۔

شوکت علی اس کے کچھ دیر بعد واپس چلا گیا۔

اگلے دن رات کو آیا تو اس کے پاس ایک موٹا تہہ کیا ہوا کاغذ تھا..... اس نے کا کھول کر موم بتی کی روشنی میں کمانڈو شیر خان اور شاہد علی کے سامنے رکھ دیا اور بولا۔

"یہ جیل کے اندر کا وہ نقشہ ہے جو میں نے اپنے آدمی کی فراہم کردہ معلومات روشنی میں بنایا ہے..... یہ دیکھو..... یہ وہ پھانسی کی کوٹھڑی ہے جہاں خواجہ اسداللہ رکھا گیا ہے..... اس کوٹھڑی کے اردگرد خاردار تاروں کی چار دیواری بنا دی گئی جس میں رات کو بجلی چھوڑ دی جاتی ہے..... دن کے وقت جب خواجہ صاحب ٹہلوانے کے لئے کوٹھڑی سے نکالا جاتا ہے تو تین فوجی ان کے آگے اور تین مسلح فو ان کے پیچھے ہوتے ہیں..... دو مسلح فوجی ان کے دائیں بائیں ہوتے ہیں"۔

اس کے بعد شوکت علی نے جیل کے شب و روز کے بارے میں وہ تفصیلا بتائیں جو اپنے آدمی نے اسے بیان کی تھیں..... یہ سب کچھ سننے کے بعد شوکت ع نے شیر خان اور شاہد علی سے پوچھا۔

"کیا خیال ہے تمہارا؟"۔

شاہد علی بولا۔

"میں سمجھتا ہوں کہ یہ مشن کافی پیچیدہ ہو گیا ہے..... اس کے لئے کوئی منصو کافی سوچ بچار کے بعد بنانا پڑے گا"۔

شیر خان نے کہا۔

"جب تک جیل کے اندر کے کسی آدمی کا ہمیں تعاون میسر نہیں ہوتا ہمارے لئے کسی بھی منصوبے پر عمل کرنا میرے خیال میں ممکن نہیں ہے..... خاص طور پر ان حالات میں جو ہمیں بتائے گئے ہیں"۔

مجاہد شاہد علی نے کہا۔

"لیکن خواجہ صاحب کو بھارتی جیل سے نکالنا بھی ضروری ہے..... اگر ہم نے زیادہ دیر کر دی تو بھارتی درندے انہیں زندہ نہیں چھوڑیں گے..... وہ شہید ہو گئے تو ہماری تحریک آزادی کے لئے ناقابل تلافی نقصان ہو گا"۔

شوکت علی نے کہا۔

"تو پھر ہمیں کیا کرنا چاہئے؟"۔

مجاہد شاہد علی بولا۔

"ایک طریقہ ہو سکتا ہے"۔

شوکت علی اور شیر خان اس کی طرف دیکھنے لگے۔

"وہ کیا؟" شیر خان نے پوچھا۔

شاہد علی کہنے لگا۔

"کیوں نہ ہم کسی بھارتی لیڈر کو اغوا کر کے اسے یرغمال بنا لیں..... اس کے عوض خواجہ صاحب کی رہائی کا معاملہ حل ہو سکتا ہے"۔

شوکت علی بولا۔

"جموں کشمیر میں اول تو کوئی بھارت کا اہم لیڈر موجود نہیں ہے..... لے دے کے مقبوضہ کشمیر کا کٹھ پتلی وزیراعظم فاروق عبداللہ ہی ایک اہم شخصیت ہے..... اس کو اغوا کر بھی لیا تو بھارتی حکومت اس کے عوض کبھی خواجہ صاحب کو رہا نہیں کرے گی"۔

تینوں مجاہد سوچ میں پڑ گئے..... ان کے ذہن میں کوئی ایسا لائحہ عمل یا منصوبہ نہیں آ رہا تھا جو کارگر ہو اور جس پر عمل کرنے سے خواجہ صاحب کی رہائی یقینی ہو۔

اچانک شیر خان نے کہا۔

"اس سے تو بہتر ہے کہ ہم بھارت کا کوئی مسافر بردار طیارہ اغوا کر لیتے ہیں۔ ایک ایسا طیارہ جس میں کم از کم سو ڈیڑھ سو بھارتی شہری سوار ہوں..... جب ان زندگی اور موت کا مسئلہ درپیش ہوا تو بھارتی حکومت ہمارے مطالبے کے آگے ٹیکنے پر مجبور ہو جائے گی..... بھارتی حکومت اپنے سو ڈیڑھ سو شہریوں کی زندگی کو میں عورتیں اور بچے بھی شامل ہوں، داؤ پر نہیں لگا سکتی؟

اس تجویز کے سنتے ہی ایک سناٹا سا طاری ہو گیا..... شوکت علی نے کہا۔

"میں اس تجویز کی حمایت کرتا ہوں..... اگر ہم انڈین ایئر لائنز کا کوئی بوئنگ مسا بردار طیارہ اغوا کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں تو خواجہ صاحب کو بھارتی حکوم اپنے آپ رہا کرنے پر مجبور ہو جائے گی..... اس کے علاوہ بھارتی حکومت پر اخبارا اور مسافروں کے عزیزوں اور رشتہ داروں کا بھی شدید دباؤ ہو گا..... بھارتی حکوم اس شدید دباؤ کے آگے زیادہ دیر نہیں ٹھہر سکے گی"۔

مجاہد شاہد علی کہنے لگا۔

"اس میں سب سے بڑا اور مشکل مرحلہ یہ ہے کہ ہم طیارے میں اسلحہ سمیت کیسے داخل ہوں گے..... بوئنگ طیارے بھارت کے بڑے شہروں سے پرواز کرتے ہیں ا وہاں سکیورٹی کا جو زبردست انتظام ہوتا ہے اس سے تم لوگ بھی بخوبی واقف ہو"۔

شوکت علی نے کہا۔

"سب سے پہلے تو ہمیں یہ طے کرنا ہو گا کہ ہم کس شہر سے طیارے کو ہائی جیک کریں گے، اس کے بعد سوچیں گے کہ وہاں کی سکیورٹی سے کیسے نمٹا جا سکتا ہے..... آج کل انڈین ایئر لائنز کے بوئنگ طیارے بھی اندرون ملک پرواز کرتے ہیں..... ملک کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک پرواز کرنے والے طیارے ہو ہیں..... میں جانتا ہوں کہ آپ دونوں تربیت یافتہ کمانڈو ہیں اور طیاروں کی ہائی جیکنگ

بھی آپ کے کورس اور تربیت میں شامل تھی، لیکن آپ میں سے کسی کو بھی اس کا عملی تجربہ نہیں ہے اور طیارے کی ہائی جیکنگ میں کئی ٹیکنیکل نقطوں پر بھی غور ضروری ہوتا ہے اور پھر دو آدمی اتنے بڑے بوئنگ طیارے کو ہائی جیک نہیں کر سکتے"۔

شیر خان بولا۔

"پہلی بات تو یہ ہے کہ تجربہ عمل کرنے سے ہی ہوتا ہے..... دوسری بات یہ ہے کہ ہم صرف دو آدمی نہیں ہوں گے..... ہمارے ساتھ کم از کم تین اور مجاہد بھی ہونے ضروری ہیں..... ان میں کسی ایسے کمانڈو مجاہد کا موجود ہونا بہت ضروری ہے جو خواہ پائلٹ نہ بھی ہو لیکن اس نے ہوا بازی کی تربیت ضرور حاصل کر رکھی ہو..... اگرچہ اس کے بغیر بھی طیارے کو ہائی جیک کرنے کے بعد اپنی مرضی کے مطابق چلایا جا سکتا ہے، لیکن طیارے کی ٹیکنالوجی اور خاص طور پر کاک پٹ کے اندر کی پیچیدہ ٹیکنالوجی سے واقفیت رکھنے والے کسی مجاہد کی موجودگی ہمارے مشن کی تقویت کا باعث ہو گی..... کیا کسی ایسے مجاہد کا انتظام ہو سکتا ہے؟"۔

شوکت علی کچھ سوچنے کے بعد بولا۔

"فوری طور پر ایسا کوئی مجاہد میرے ذہن میں نہیں آ رہا، لیکن ہمیں ایسا کوئی نہ کوئی نوجوان مل جائے گا..... تم مجھے دو ایک دن کی مہلت دے دو..... اس دوران تمہارے لئے یہی جگہ سب سے محفوظ رہے گی"۔

شوکت علی چلا گیا..... اسے گئے ہوئے دو دن گزر گئے..... تیسرا دن بھی گزر گیا..... شاہد علی نے شیر خان سے کہا کہ شوکت علی کسی ایسے مجاہد کی تلاش میں نکل گیا ہے جو طیارے کی ٹیکنالوجی سے واقف ہو۔

شیر خان بولا۔

"تمہیں اس کا انتظار کرنا ہی ہو گا، کیونکہ ہماری پارٹی میں کسی تربیت یافتہ ٹیکنیکل مجاہد کا ہونا ضروری ہے"۔

چوتھا دن بھی گزر گیا..... چوتھے روز رات کے پہلے پہر میں شوکت علی آگیا..... اس کے ساتھ ایک گورا چٹا خوش شکل مجاہد بھی تھا..... شوکت علی نے شیر خان اور شاہد علی سے اس کا تعارف کرواتے ہوئے کہا۔

"یہ مجاہد میر حمزہ ہے..... یہ انڈین ایئر لائنز کے گراؤنڈ سٹاف میں دس برس ملازمت کر چکا ہے اور طیارہ چلانے کی تربیت بھی حاصل کر چکا ہے..... دوسری بات یہ ہے کہ میر حمزہ بھارت کے اہم شہروں کے ہوائی اڈوں کے بارے میں کافی معلومات رکھتا ہے"۔

یہ سب لوگ بیٹھ گئے اور موم بتی کی روشنی میں باتیں کرنے لگے..... میر حمزہ نے کہا۔

"شوکت علی نے مجھے آپ کے منصوبے کے بارے میں سب کچھ بتا دیا ہے..... میری رائے یہ ہے کہ ہمیں کسی بڑے مسافر بردار بوئنگ طیارے کو اغوا کرنے سے گریز کرنا چاہئے..... اس کی وجہ یہ ہے کہ بڑے طیارے میں مسافروں کی تعداد پونے تین سو کے قریب ہوتی ہے اور مسافروں کی اتنی زیادہ تعداد ہمارے لئے مختلف مسائل کھڑے کر سکتی ہے"۔

شیر خان نے میر حمزہ سے پوچھا۔

"لیکن یہ بات بھی ہے کہ طیارے میں مسافروں کی تعداد جتنی زیادہ ہو گی بھارتی حکومت پر اتنا ہی زیادہ دباؤ پڑے گا"۔

میر حمزہ کہنے لگا۔

"یہ آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں لیکن جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں اتنے زیادہ مسافروں کو سنبھالنا مشکل ہو جائے گا اور ہم پر طیارے کے اندر کسی بھی مسافر کے حملے کا خطرہ موجود رہے گا"۔

"پھر تم کیا کہتے ہو؟" شاہد علی نے پوچھا۔

میر حمزہ نے کہا۔

"ہمیں تعداد کی بجائے مسافروں کی سماجی حیثیت کو زیادہ اہمیت دینی چاہئے..... بعض شخصیت ایسی ہوتی ہیں کہ ایک سو مسافروں کے مقابلے میں اس ایک شخصیت کا دباؤ حکومت پر زیادہ پڑ جاتا ہے"۔

شاہد علی کہنے لگا۔

"تمہارا مطلب یہ ہے کہ ہم بھارت کے کسی لیڈر کو اغوا کریں تو ایک تو ان لوگوں کے ساتھ سکیورٹی کا سخت انتظام ہوتا ہے..... دوسرے ہم اتنا انتظار نہیں کر سکتے کہ کب کون سا لیڈر کس جہاز میں سفر کرنے والا ہے"۔

میر حمزہ بولا۔

"لیڈر کے علاوہ بھی سماج میں ایسے طبقے موجود ہیں جو اگر طیارے میں سوار ہوں تو بھارتی حکومت شدید دباؤ میں آسکتی ہے"۔

شوکت علی نے کہا۔

"کیا تمہاری مراد بھارت کے اعلیٰ کاروباری طبقے سے ہے؟"۔

میر حمزہ نے بڑے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

"میری مراد بھارت کے کاروباری وی آئی پی طبقے سے بھی ہے لیکن اس کے علاوہ بھی کچھ لوگ ہو سکتے ہیں، لیکن یہ سب باتیں ہم یہاں بیٹھ کر طے نہیں کر سکتے..... ہمیں بھارت کے کسی بڑے شہر میں بیٹھ کر یہ سارا منصوبہ تیار کرنا ہو گا..... کوئی ایسا شہر جہاں سے بوئنگ اندرونی پروازوں پر آتے جاتے رہتے ہوں"۔

شوکت علی نے شیر خان سے کہا۔

"میر حمزہ ٹھیک کہہ رہا ہے"۔

شیر خان نے میر حمزہ سے سوال کیا۔

"تمہارے خیال میں ہمیں کس شہر میں جانا چاہئے؟"۔

میر حمزہ کچھ سوچنے کے بعد بولا۔

"دلی، کلکتہ اور مدراس ایسے بڑے شہروں سے ہمیں گریز کرنا چاہئے..... میری رائے میں ہمیں لکھنؤ جا کر قسمت آزمائی کرنی چاہئے، میں لکھنؤ کے ہوائی اڈے پر چار سال گراؤنڈ سروس کرتا رہا ہوں..... وہاں کے گراؤنڈ سٹاف سے میری اچھی خاصی واقفیت بھی ہے اور ان میں سے کسی کو معلوم نہیں ہے کہ میں جہاد کشمیر میں شریک ہو چکا ہوں..... وہ یہی سمجھتے ہیں کہ ملازمت سے الگ ہونے کے بعد میں بمبئی میں اپنا کاروبار کر رہا ہوں..... لکھنؤ ایئرپورٹ کے گراؤنڈ سٹاف کے ذریعے ہمارے راستے کی کئی رکاوٹیں دُور ہو سکتی ہیں"۔

مجاہد شاہد علی نے شوکت علی کی طرف دیکھ کر کہا۔

"شوکت بھائی! لکھنؤ میں ہمیں کوئی خفیہ ٹھکانہ مل سکتا ہے کیا؟ ہمارے لئے ہوٹلوں میں ٹھہرنا خطرے کا باعث بن سکتا ہے"۔

شوکت علی بولا۔

"میرے بھائی! بھارت کے ہر شہر کے مسلمانوں کو کشمیریوں کی جدوجہد آزادی سے دلی ہمدردی ہے اور وہ ہر طرح سے ان کی مدد کرنے کو ہر وقت تیار ہیں..... لکھنؤ میں بھی دوسرے شہروں کی طرح ہمارا ایک خفیہ ٹھکانہ موجود ہے جہاں یہاں کے مجاہد ہمارے ساتھ پورا تعاون کریں گے..... میں ان سب مجاہدوں کو جانتا ہوں..... اگر آپ نے لکھنؤ کو ہی اپنا ہائیڈ آؤٹ بنانے کا فیصلہ کر لیا تو میں آپ کے ساتھ جاؤں گا"۔

میر حمزہ کہنے لگا۔

"میں تو لکھنؤ سے ہی اس مشن کو شروع کرنے کا مشورہ دوں گا۔

شیر خان نے کہا۔

"اگر تمہارا یہی فیصلہ ہے تو ہمیں کوئی اعتراض نہیں"۔

مجاہد شاہد علی نے بھی اس فیصلے کی تائید کی..... اس کے ساتھ ہی کہا۔

"لیکن ہمارے ساتھ مزید کم از کم دو مجاہد ہونے چاہئیں"۔

شوکت علی نے کہا۔

"اس کا انتظام لکھنؤ میں ہی ہو جائے گا..... لکھنؤ کے مجاہد بڑے جیالے مجاہد ہیں اور اتنے پڑھے لکھے ضرور ہیں کہ انگریزی میں بات چیت کر سکتے ہیں"۔

میر حمزہ نے کہا۔

"آپ کا اس مشن پر کب روانہ ہونے کا ارادہ ہے؟"۔

شیر خان بولا۔

"اس کا فیصلہ تو شوکت بھائی ہی کر سکتے ہیں..... ہم تو آج ہی روانہ ہونے کو تیار ہیں"۔

شوکت علی کہنے لگا۔

"میں تو خود اس مشن کو جتنی جلدی ہو سکے شروع کرنا چاہتا ہوں تاکہ اپنے لیڈر کو جتنی جلدی ہو سکے بھارتی فوج کے مظالم سے نجات دلائی جا سکے"۔

آخر یہ طے ہوا کہ چاروں مجاہد منہ اندھیرے جالندھر جانے والی پہلی لاری سے روانہ ہو جائیں گے..... شوکت علی اور میر حمزہ رات کو ہی چلے گئے..... شیر خان اور شاہد علی منہ اندھیرے خفیہ ٹھکانے سے نکل کر لاری اڈے پر پہنچ گئے..... شوکت علی اور میر حمزہ پہلے سے وہاں موجود تھے..... یہ چاروں مجاہد الگ الگ ہو کر لاری میں سوار ہو گئے..... شوکت علی کا پہلے لکھنؤ جانے کا خیال تھا لیکن اپنے ساتھیوں کے جذبات کو دیکھتے ہوئے وہ بھی ان کے ساتھ ہی روانہ ہوئے۔

جالندھر تک وہ خیریت سے پہنچ گئے..... خطرہ صرف انٹیلی جنس والوں کا ہی ہو سکتا تھا، لیکن چاروں مجاہد جموں کے دیہاتیوں کے بھیس میں تھے..... اس لئے ان پر کسی کو شک نہ ہوا..... جالندھر سے وہ کلکتہ جانے والی ٹرین میں بیٹھ گئے..... لکھنؤ وہ دوسرے دن تیسرے پہر پہنچے..... لکھنؤ سٹیشن کی عمارت سے باہر آ کر وہ چاروں ایک

جگہ مل گئے..... شوکت علی کو معلوم تھا کہ انہیں کس جگہ پہنچنا ہے..... انہوں نے ایک ٹیکسی لی اور دریائے گومتی کا پل عبور کر کے ایک خاص علاقے میں سے گزرتے ہوئے ایک جگہ آکر انہوں نے ٹیکسی چھوڑ دی اور پیدل روانہ ہو گئے..... اس علاقے کا بھی ہم تفصیل سے ذکر نہیں کریں گے اور نہیں بتائیں گے کہ یہ علاقہ لکھنؤ کا کون سا علاقہ تھا۔

ایک پبلک کال آفس سے شوکت علی نے اپنے خاص مجاہد کو جو لکھنؤ کی خفیہ تنظیم کا لیڈر تھا فون کیا اور اسے بلایا..... دس منٹ کے بعد خفیہ تنظیم کا لیڈر جس فرضی نام ہم اشرف رکھ لیتے ہیں، وہاں اپنی جیپ لے کر پہنچ گیا..... چاروں مجاہد جیپ میں بیٹھے اور جیپ ان کے لکھنؤ والے خفیہ ٹھکانے کی طرف روانہ ہو گئی..... وہاں انہیں تین اور مجاہد بھی ملے..... چائے کی ایک ایک پیالی پینے کے بعد ان کی اہم ترین میٹنگ شروع ہو گئی..... سب سے پہلے یہ فیصلہ کیا گیا کہ لکھنؤ آنے والی اور لکھنؤ سے مختلف شہروں کو اندرون ملک جانے والی پروازوں کا چارٹ حاصل کیا جائے اور یہ بھی دیکھا جائے کہ قریب ترین پروازوں میں جن مسافروں کی بکنگ ہو چکی ہے ان میں سے کوئی اہم شخصیت تو نہیں ہے..... میر حمزہ دوسرے روز لکھنؤ کے ایئرپورٹ پر گیا اور وہاں اپنے پرانے ساتھیوں سے ملاقات کی..... اس نے انہیں بتایا کہ میں کاروبار کے سلسلے میں رات کو ہی بذریعہ کار لکھنؤ آیا ہوں اور چند ایک روز یہاں قیام رہے گا۔

میر حمزہ دوپہر تک ایئرپورٹ پر رہا..... اس دوران اس نے اندرون ملک مختلف شہروں کو جانے والی انڈین ایئر لائنز کی پروازوں کا ایک چارٹ بھی حاصل کیا اور کچھ دوسری ضروری معلومات بھی حاصل کیں اور خفیہ ٹھکانے پر واپس آ گیا..... اس نے پروازوں کا چارٹ اور ان کی چند ایک ایڈوانس بکنگ کی رپورٹ بھی اپنے مجاہدوں شوکت علی، شیر خان اور شاہد علی کے سامنے رکھ دی..... سب سے پہلے انہوں نے یہ دیکھا کہ جاری ہفتے کے دوران کن لوگوں نے ایڈوانس بکنگ کرائی ہے اور ان میں فسٹ

کلاس کے مسافر کتنے ہیں..... ان میں دس فسٹ کلاس کے اور پندرہ اکانومی کلاس کے مسافر تھے..... ان سب میں کوئی اہم سیاسی یا کاروباری یا سماجی یا فوجی شخصیت نہیں تھی..... شوکت علی نے کہا۔

"اس کا مطلب ہے کہ ہمیں ایک ہفتہ مزید انتظار کرنا ہو گا"۔

شیر خان بولا۔

"ہمیں اپنا مشن اتنا لیٹ نہیں کرنا چاہئے..... ایک ہفتے میں کچھ بھی ہو سکتا ہے"۔

شوکت علی بولا۔

"مگر یہ ہماری مجبوری ہے شیر خان..... ہمیں تو صرف وہی طیارہ ہائی جیک کرنا ہے جس میں بھارت کی کوئی اہم ترین سماجی، سیاسی یا کاروباری شخصیت سفر کر رہی ہو..... جبکہ ہم پر یہ شرط بھی عائد ہے کہ ہم بڑا بوئنگ طیارہ اغوا نہیں کریں گے"۔

اس دوران میر حمزہ بڑے غور سے پروازوں والے چارٹ کو پڑھ رہا تھا..... چانک اس نے چارٹ پر ایک جگہ انگلی رکھتے ہوئے کہا۔

"دوستو! اب ہمیں ایک ہفتہ انتظار نہیں کرنا پڑے گا"۔

سب نے چونک کر میر حمزہ کی طرف دیکھا..... میر حمزہ نے کہا۔

"ہمارا مقصد حل ہو گیا ہے..... یہ دیکھو..... چار دن بعد صبح کی پرواز اے ٹی 310 میں لکھنؤ گورنمنٹ گرلز کالج کی تیس لڑکیوں کا ایک گروپ تعلیمی سیاحتی دورے پر بمبئی جا رہا ہے..... یہ گروپ ایک ایئر بس میں سفر کر رہا ہے جو بوئنگ کے مقابلے میں چھوٹا طیارہ ہوتا ہے اور اس میں مسافروں کی گنجائش بھی کم ہوتی ہے..... ہم اس طیارے کو ہائی جیک کریں گے..... گورنمنٹ کالج لکھنؤ کی لڑکیاں عام طور پر اعلیٰ گھرانوں سے تعلق رکھتی ہیں..... ان میں فوجی اور سیاسی اور سماجی شخصیات کی لڑکیاں بھی ہوتی ہیں..... تیس لڑکیوں کے اس گروپ کو جہاز کے ساتھ یرغمالی بنا کر ہم اپنے مقصد کو بڑی آسانی سے حاصل کر لیں گے"۔

میر حمزہ کی تجویز سب کو پسند آئی..... شوکت علی نے میر حمزہ سے کہا۔

"کسی طرح تم یہ معلوم کرو کہ لکھنؤ سے بمبئی جانے والی پرواز اے ٹی 310 میں جو لڑکیوں کا گروپ جا رہا ہے ان میں بھارت کی اہم شخصیات کی کتنی لڑکیاں ہیں"۔

میر حمزہ نے کہا۔

"پورے کوائف حاصل تو نہیں کیے جا سکتے لیکن جتنی معلومات بھی اس سلسلے میں حاصل کی جا سکیں گی میں حاصل کر لوں گا"۔

شیر خان کہنے لگا۔

"اس دوران ہمیں اپنی ساری تیاریاں مکمل کر لینی چاہئیں"۔

شاہد علی نے میر حمزہ سے پوچھا۔

"ہمیں کس قسم کے اسلحے کی ضرورت ہو گی"۔

میر حمزہ نے کہا۔

"ہمیں زیادہ اسلحہ ساتھ لے جانے کی نہ تو ضرورت ہی ہے اور نہ ہم زیادہ اسلحہ آسانی سے طیارے پر ساتھ لے جا سکیں گے..... ہم میں سے ہر ایک مجاہد کے پاس ایک ایک آٹومیٹک کمانڈو پستول ہونا چاہئے..... صرف تین مجاہدوں کے پاس ہینڈ گرنیڈ ہونے چاہئیں..... ان میں سے ایک ہینڈ گرنیڈ لے کر جہاز کے کاک پٹ کے باہر کھڑا رہے گا..... دوسرا طیارے کے وسط میں باتھ روم کے پاس کھڑا رہے گا..... بس..... میرے خیال میں ہمیں اس سے زیادہ اسلحے کی ضرورت نہیں ہے..... باقی ہمارے پاس کمانڈو چاقو تو موجود ہی ہو گا"۔

"یہ طے ہو گیا..... باقی سب سے اہم مسئلہ یہ ہے کہ ہم لوگ طیارے پر پستول اور ہینڈ گرنیڈ لے کر کیسے سوار ہوں گے..... چیکنگ کمپیوٹر کی سکرین ایک سیکنڈ میں ہمارا اسلحہ دکھا دے گی"۔

یہاں میر حمزہ بولا۔

"یہ میں جانتا ہوں..... اس کے لئے مجھے اپنے اثر و رسوخ یا واقفیت کا فائدہ اٹھانا پڑے گا اور اسلحہ طیارے کے اندر پہنچانے کے لئے کوئی دوسرا طریقہ اختیار کرنا ہو گا..... تم مجھ پر چھوڑ دو"۔

پھر میر حمزہ نے شوکت علی سے کہا۔

"ابھی یہ بھی طے کرنا باقی ہے کہ طیارے کی ہائی جیکنگ کے لئے ہمارے یعنی میرے، شیر خان اور شاہد علی کے علاوہ اور کون جائے گا..... ہمیں مزید دو آدمیوں کی ضرورت ہو گی..... ایئر بس طیارے کو ہائی جیک کرنے کے لئے پانچ آدمی بہت ہوتے ہیں"۔

شوکت علی نے کہا۔

"تمہارے ساتھ لکھنؤ کی خفیہ تنظیم کے دو تجربہ کار کمانڈو جائیں گے..... انہیں طیارے کی ہائی جیکنگ کی پوری پوری تربیت دی گئی ہے..... ان میں سے ایک کا نام محمود ہے، دوسرے کمانڈو کا نام شمشاد ہے..... ان دونوں کو آج شام تم سے ملوا دیا جائے گا"۔

میر حمزہ نے اس پر اطمینان کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

"میں کل ایئر پورٹ پر جا کر یہ معلوم کرنے کی کوشش کروں گا کہ لکھنؤ گورنمنٹ گرلز کالج کی لڑکیوں کا جو گروپ بمبئی جا رہا ہے اس میں اہم شخصیات کی بیٹیاں یا قریبی رشتے دار کون کون سی لڑکیاں ہیں اور طیارے کے اندر اسلحہ لے جانے کے بارے میں بھی جائزہ لوں گا کہ اس سلسلے میں کون سا طریق کار اختیار کیا جا سکتا ہے"۔

شام کے وقت لکھنؤ کی خفیہ تنظیم کے دونوں مجاہد کمانڈو یعنی محمود اور کمانڈو شمشاد بھی آ گئے..... دونوں جوان اور پرجوش تھے..... دونوں نے قمیض پتلون پہن رکھی تھی۔

دوسرے روز میر حمزہ ایئر پورٹ کی طرف نکل گیا..... ایئر پورٹ پر زیادہ سٹاف

غیر مسلموں پر مشتمل تھا..... ان میں چند ایک مسلمان تھے جن میں سے تین آدمیو
سے میر حمزہ کی اچھی خاصی دوستی تھی..... ان میں سے ایک کا نام وجاہت علی
صرف وجاہت علی کو معلوم تھا کہ میر حمزہ بمبئی میں کاروبار وغیرہ نہیں کرتا بلکہ خ
طور پر جہاد کشمیر کے محاذ پر بھارتی فوج کے خلاف تحریک آزادی کشمیر کی جنگ لڑ
ہے، لیکن یہ راز وجاہت علی نے اپنے تک ہی رکھا ہوا تھا..... میر حمزہ نے اسے اع
میں لے لیا ہوا تھا اور اسے بتا دیا تھا کہ وہ لوگ انڈین ایئر لائنز کا طیارہ اغوا کر کے حر
کانفرنس کے اہم ترین لیڈر خواجہ اسد اللہ کو جیل سے نکالنا چاہتے ہیں۔

چنانچہ اس روز میر حمزہ اسے جا کر ملا تو وہ کسٹمز کے سیکشن میں اپنی ڈیوٹی پر مو
تھا..... اس نے میر حمزہ کو دیکھا تو اشارے سے اوپر دوسری منزل پر کینٹین میں جا
کے لئے کہا..... میر حمزہ ایئرپورٹ کی کینٹین میں آ کر کونے میں بیٹھ گیا جو دوس
منزل میں واقع تھی..... تھوڑی دیر کے بعد وجاہت بھی آ گیا..... ادھر ادھر کی با
کے بعد میر حمزہ نے تین دن بعد لکھنؤ سے بمبئی جانے والی پرواز نمبر اے ٹی 310
بارے میں رازداری سے پوچھا۔

"وجاہت! ہمیں اس پرواز کے بارے میں کچھ معلومات چاہئیں..... اس پر
میں سفر کرنے والے بعض مسافروں کے بارے میں جو چارٹ تم نے ہمیں دیا تھا
سے معلوم ہوا ہے کہ اس پرواز میں لکھنؤ گورنمنٹ گرلز کالج کی تیس لڑکیوں کا ایک
گروپ بھی بمبئی جا رہا ہے..... کیا کسی طرح ہمیں یہ پتہ چل سکتا ہے کہ ان لڑکیوں میں
کوئی کسی فوجی یا سول آفیسر کی بیٹی یا رشتے دار ہے؟"۔

وجاہت علی نے کوئی جواب نہ دیا، خاموش رہا..... لڑکا چائے لے کر آ گیا.....
نے چائے پیالیوں میں ڈالی اور ایک پیالی میر حمزہ کے آگے سرکاتے ہوئے بولا۔

"یہ میں تمہیں یہاں نہیں بتا سکتا..... مجھے اس کے لئے آفس میں جا کر مسافرو
کی پوری فہرست والی فائل دیکھنی پڑے گی..... تم ایسا کرو کہ شام کو پانچ بجے امپیریل

ن ہاؤس میں میرا انتظار کرنا..... میں وہاں پہنچ جاؤں گا..... یہاں تمہارا زیادہ دیر
رے ساتھ رہنا ٹھیک نہیں"۔

میر حمزہ بولا۔

"دوسری اہم بات جو تم سے کرنی ہے اس کا تعلق اس تھوڑے سے اسلحہ سے ہے
ہم ساتھ لے کر طیارے میں سوار ہوں گے"۔

وجاہت علی نے میر حمزہ کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور آہستہ سے کہا۔

"اس مسئلے پر بھی شام کو بات ہو گی، اب تم جاؤ..... شام کو ملیں گے"۔

میر حمزہ اٹھ کر ایئرپورٹ سے واپس اپنے خفیہ ٹھکانے پر آ گیا اور اپنے ساتھیوں
رخان، شاہد علی اور شوکت علی کو رپورٹ کی، شیر خان نے کہا۔

"میر حمزہ بھائی! کیا تمہارا یہ دوست بھروسے کا آدمی ہے؟ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس
جہ سے ہم سارے پولیس کے ہتھے چڑھ جائیں"۔

میر حمزہ کہنے لگا۔

"مجھے اس پر پورا بھروسہ تو نہیں ہے اور اس قسم کے معاملات میں باہر کے کسی
ی پر بھروسہ کیا بھی نہیں جا سکتا..... پھر بھی مجھے ننانوے فی صد یقین ہے کہ
ہت علی ہمیں دھوکا نہیں دے گا..... ویسے بھی ہمیں کسی نہ کسی پر تو بھروسہ کرنا ہی
ے گا"۔

شوکت علی بولا۔

"بہرحال شام کو تم اس سے بات کر کے دیکھو کہ وہ کیا کہتا ہے..... کیونکہ اصل
لہ اسلحے کے ساتھ جہاز پر سوار ہونے کا ہے"۔

شام کو ٹھیک وقت پر میر حمزہ لکھنؤ کے ماڈرن امپیریل کافی ہاؤس پہنچ گیا.....
ہت علی پندرہ منٹ بعد آیا..... گفتگو شروع ہو گئی..... وجاہت علی کہنے لگا۔

"تم خود اچھی طرح سے جانتے ہو کہ اس معاملے میں صرف میری نوکری کے

جانے کا خطرہ ہی نہیں ہے بلکہ ہائی جیکنگ کی سازش میں شریک ہونے کے جرم میں مجھے موت کی سزا بھی دی جاسکتی ہے"۔

میر حمزہ نے کہا۔

"وجاہت علی یہ مت سمجھنا کہ مجھے یہ احساس نہیں ہے کہ تم آزادی کشمیر کی خاطر کتنا بڑا خطرہ مول لے رہے ہو..... ہم سب کو اس کا پورا پورا احساس ہے، لیکن ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ ہماری طرح تمہارے دل میں بھی اسلام کی شمع روشن ہے اور اسلام اور کشمیر کے مظلوم مسلمانوں کو ان کا حق خود ارادی دلانے کے لئے تم بھی ہماری طرح اپنی جان قربان کر سکتے ہو، کیونکہ تمہارے اندر کا غیور مسلمان زندہ ہے"۔

وجاہت علی نے دھیمی آواز میں کہا۔

"بس یہی ایک جذبہ ہے جس نے مجھے تمہاری مدد کرنے پر آمادہ کیا ہے..... اب جہاں تک اسلحہ ساتھ لے جانے کا تعلق ہے تمہیں بخوبی معلوم ہے کہ یہ کام سب سے خطرناک اور نازک ہے..... پھر بھی میں نے تمہاری مدد کی حامی بھری ہے تو اس مرحلے پر بھی تمہاری مدد کروں گا"۔

بیرہ کسی دوسرے ٹیبل کی طرف جاتے ہوئے کافی کا ٹرے لئے ان کے قریب سے گزرا..... دونوں خاموش ہوگئے..... وجاہت علی بولا۔

"یہاں سے اٹھ کر چھت پر آجاؤ"۔

دونوں کافی ہاؤس کی چھت پر آگئے جہاں چھ سات میزیں لگی تھیں اور چند ایک گاہک ہی دُور دُور بیٹھے تھے..... وجاہت علی اور میر حمزہ ایک کونے میں جا کر بیٹھ گئے۔

وجاہت علی کہنے لگا۔

"اس کے سوا دوسری کوئی ترکیب نہیں ہے کہ میں تم لوگوں کا اسلحہ اگر وہ ممکن ہے تو اپنی سروس کٹ میں چھپا کر اندر لے جاؤں..... ہماری سکرین چیکنگ نہیں ہوتی..... کوئی سکیورٹی گارڈ اچانک میری کٹ کھلوا کر دیکھ لے تو دیکھ لے، لیکن ایسا

کبھی ہوا نہیں اور نہ ہونے کی امید ہے..... تم لوگ اپنے ساتھ کس قسم کا اور کتنی تعداد میں اسلحہ ساتھ لے جانا چاہتے ہو؟"۔

میر حمزہ کہنے لگا۔

"ہمارے پاس بڑا مختصر اسلحہ ہوگا..... ہم پانچ مجاہد ہوں گے..... ہر ایک کے پاس ایک ایک کمانڈو چاقو..... ایک ایک آٹومیٹک پستول اور تین دستی بم ہوں گے، بس"۔

وجاہت علی بولا۔

"تمہیں کمانڈو چاقو لے جانے کی ضرورت نہیں ہے..... پستول ہی کافی ہوں گے..... تم ایسا کرنا کہ جس روز تمہیں جہاز میں سوار ہونا ہوگا تم ایک رات پہلے میرے مکان پر اسلحہ چھپا کر لے آنا..... میں اسے اپنی سروس کٹ میں چھپالوں گا اور دوسرے دن اپنے ساتھ ایئرپورٹ پر لے جاؤں گا..... یہ بتاؤ کہ کیا تم لوگوں نے اے ٹی 310 پرواز والی ایئر بس کو ہائی جیک کرنے کا فیصلہ کیا ہے؟"۔

"اگر اس پرواز میں جو لڑکیاں جا رہی ہیں ان میں ملک کے فوجی افسر یا کسی بڑے سول افسر کی بیٹی بھی شامل ہے تو ہم اسی جہاز کو ہائی جیک کریں گے، کیونکہ ان لڑکیوں کی وجہ سے ہم بھارت سرکار پر بھرپور دباؤ ڈال کر اپنے لیڈر کی رہائی کا معاملہ طے کر سکتے ہیں..... تم ان لڑکیوں کے بارے میں کیا معلومات لائے ہو؟"۔

وجاہت علی نے کہا۔

"میری معلومات کے مطابق لکھنؤ گورنمنٹ گرلز کالج کی ان تیس لڑکیوں میں سے چار لڑکیوں کا تعلق فوجی گھرانے سے ہے اور تین لڑکیاں مختلف سرکاری افسروں کی بیٹیاں ہیں"۔

"بس ہم یہی چاہتے تھے" میر حمزہ بولا..... "اب یہ طے سمجھو کہ ہم پرواز نمبر اے ٹی 310 کی ایئر بس کو ہی اغوا کریں گے..... ہمیں اس میں پانچ نشستوں کی اکانومی کلاس میں ریزرویشن بھی کروانی ہوگی"۔

وجاہت علی بولا۔

"وہ ہو جائے گی، کیونکہ جہاز میں بہت سی نشستیں فالتو پڑی ہیں..... اب ایسا ہے کہ یہ ایئر بس تین دن بعد صبح سات بجکر تیس منٹ پر لکھنؤ سے روانہ ہو گی..... اس کا روٹ لکھنؤ سے بھوپال اور بمبئی ہے..... تم کل دن میں آفس ٹائم کے وقت ریزرویشن آفس میں جا کر نشستوں کی ریزرویشن کروالینا..... اس کے بعد تم مجھے فون کر دینا، پھر میں تمہیں بتاؤں گا کہ تمہیں اسلحہ لے کر کس وقت میرے مکان پر آنا ہو گا"۔

"ٹھیک ہے" میر حمزہ نے کہا۔

اس کے بعد میر حمزہ واپس آ گیا۔

کمانڈو میر حمزہ اپنے خفیہ ٹھکانے پر واپس آ گیا۔

وہاں شوکت علی، شیر خان، شاہد علی اور کمانڈو محمود اور کمانڈو شمشاد پہلے سے موجود تھے..... میر حمزہ نے ساری باتیں انہیں بتائیں اور کہا۔

"اسلحہ طیارے میں لے جانے کا سب سے بڑا اور مشکل مرحلہ تھا جو وجاہت علی کی وجہ سے تقریباً حل ہو گیا ہے..... کل ہمیں پانچ آدمیوں کی فلائٹ اے ٹی 310 میں ریزرویشن کرانی ہو گی..... اس کے لئے کمانڈو محمود اور شمشاد بکنگ آفس جائیں گے"۔

دوسرے دن کمانڈو محمود اور شمشاد انڈین ایئر لائنز کے بکنگ آفس میں گئے اور پانچ ٹکٹ حاصل کرنے کے بعد فلائٹ اے ٹی 310 کی اکانومی کلاس میں لکھنؤ سے بمبئی تک کی نشستیں ریزرو بھی کرالیں..... پانچوں نشستیں انہوں نے پانچ فرضی ناموں سے ریزرو کرائی تھیں..... اسی روز میر حمزہ نے وجاہت علی سے فون پر بات کی اور یونہی اس کا حال چال دریافت کیا..... وجاہت علی نے کہا۔

"یار تمہارا سگریٹ کے کارٹن کا ایک تحفہ جے پور سے آیا ہے..... شام کو میرے گھر پر آ کر لے جانا"۔

یہ اس بات کا اشارہ تھا کہ مجھے شام کو میرے گھر آ کر ملو..... میر حمزہ شام ہوتے ہی وجاہت علی کے گھر پہنچ گیا اور اسے بتایا کہ ہم نے ایئر بس میں پانچ نشستیں ریزرو کروالی ہیں..... وجاہت علی کہنے لگا۔

"اب ایسا ہے کہ اس دوران تم مجھ سے بالکل نہیں ملو گے..... تمہاری فلائٹ سوموار کی صبح کو ہے"۔

تم اتوار کی رات کو اسلحہ لے کر میرے ہاں آجانا..... اتوار کی رات کو ہی میں تمہیں بتادوں گا کہ تمہارا اسلحہ ایئرپورٹ کی عمارت کے اندر میں نے کس جگہ پر چھپا کر رکھا ہوگا..... کمپیوٹر سکرین چیکنگ کے بعد تم میں سے کوئی ایک آدمی اس جگہ آکر اسلحہ اٹھا کر لے آئے گا..... یہ اسلحہ میں نے انڈین ایئر لائنز کے بیگ میں چھپا کر رکھا ہوگا..... اس کے بعد تمہارا میرے ساتھ کسی قسم کا کوئی رابطہ نہیں ہونا چاہئے..... طیارے کو ہائی جیک کرنے کے بعد اگر بدقسمتی سے تم لوگ پکڑ لئے گئے تو کسی حالت میں بھی میرا نام تم میں سے کسی کی زبان پر نہیں آئے گا..... یہ ایک شریف آدمی کا عہد ہوگا جو تمہیں مجھ سے کرنا ہوگا"۔

میر حمزہ نے کہا۔

"وجاہت علی! تم ہمارے لئے اتنا بڑا خطرہ مول لے رہے ہو..... ہم اتنے احسان فراموش نہیں ہیں کہ ناکامی کی صورت میں تمہارا نام ظاہر کریں..... اس سلسلے میں تم اطمینان رکھو..... اب میں چلتا ہوں اور اتوار کی رات کو دس بجے میں تمہارے پاس آؤں گا"۔

اس دوران لکھنؤ کی خفیہ تنظیم کے سربراہ نے تمام اسلحہ فوری طور پر فراہم کر کے خفیہ ٹھکانے پر رکھ دیا..... یہ کل پانچ آٹومیٹک کمانڈو پستول تھے جن میں میگزین بھرے ہوئے تھے..... اس کے علاوہ تین ہینڈ گرنیڈ تھے..... وجاہت علی کے مشورے پر عمل کرتے ہوئے انہوں نے کمانڈو چاقو ساتھ رکھنے کا ارادہ ترک کر دیا تھا..... جمعہ اور ہفتے کا دن بھی گزر گیا..... اتوار کا دن آگیا..... اس روز کمانڈو میر حمزہ نے اسلحہ لے کر وجاہت علی کے مکان پر جانا تھا..... انہوں نے پانچوں پستول تین ہینڈ گرنیڈ کے ساتھ ایک تھیلے میں رکھ کر تھیلے کو ایک اخبار میں اچھی طرح سے لپیٹ لیا تھا.....

وجاہت علی نے رات کو ملاقات کا جو وقت دیا ہوا تھا میر حمزہ ٹھیک وقت پر اس کے مکان پر پہنچ گیا..... اسلحہ کا بنڈل اس کی بغل میں تھا..... وجاہت علی نے بنڈل ایک جگہ چھپا کر رکھ لیا اور میر حمزہ سے کہا۔

"میں نے جیسا کہ پہلے بھی تمہیں کہا تھا میں یہ اسلحہ اپنی سروس کٹ بیگ میں چھپا کر ایئرپورٹ کی عمارت کے اندر لے جاؤں گا اور اسے اپنے ڈیسک کے نیچے چھپانے کے بعد تمہارا انتظار کروں گا فلائٹ کا ٹائم صبح سات بج کر تیس منٹ ہے..... تم لوگ پورے ساڑھے چھ بجے ایئرپورٹ پہنچ جاؤ گے..... پونے سات بجے مسافروں کی کمپیوٹر چیکنگ شروع ہو جاتی ہے..... تم کمپیوٹر چیکنگ کے بعد اپنے ساتھیوں کو ڈیپارچر لاؤنج میں بٹھا دو گے اور خود میرے آفس کے باہر ایک طرف جہاں وزن کرنے والی مشین لگی ہوئی ہے کھڑے ہو جاؤ گے..... میں تمہیں دیکھ کر اسلحہ کا کٹ بیگ لے کر آؤں گا اور تم سے کوئی بات کئے بغیر مردانہ باتھ روم میں داخل ہو جاؤں گا..... مجھے باتھ روم میں داخل ہوتے دیکھ کر تم بھی باتھ روم کی طرف چل پڑو گے..... جب تم باتھ روم میں آؤ گے تو میں واش بیسن کے سامنے کھڑا ہاتھ دھو رہا ہوں گا..... اسلحہ والا کٹ بیگ میں نے اپنے پاؤں کے پاس ہی زمین پر رکھا ہوگا..... تم میرے ساتھ والے واش بیسن پر آکر ہاتھ دھونے لگو گے..... میں اپنی جگہ پر کھڑا رہوں گا..... تم ہاتھ دھونے کے بعد جھک کر میری ٹانگ کے ساتھ رکھا ہوا اسلحہ کا کٹ اٹھاؤ گے اور خاموشی سے باتھ روم سے نکل جاؤ گے..... اس کے بعد کی ساری ذمے داری اور سارا کام تمہارا اپنا ہوگا..... تم سمجھ گئے ہو ناں؟"۔

"بالکل سمجھ گیا ہوں" میر حمزہ نے کہا..... "تم نے جیسا کہا ہے ویسے ہی کروں گا"۔

"مجھے ایئرپورٹ کی سروس چھوڑے ایک عرصہ ہو گیا ہے..... اب حالات بدل گئے ہیں..... یہ بتاؤ کہ اس فلائٹ میں ایندھن کتنا ہوتا ہے..... لکھنؤ سے بمبئی کافی لمبی پرواز ہے اور ایئربس کی رفتار بھی ہمارے زمانے کے جہازوں سے زیادہ ہوتی ہے"۔

وجاہت علی نے کہا۔

"بھوپال کا سٹاپ اوور (Stop Over) ڈال کر یہ فلائٹ ڈھائی گھنٹے میں بمبئی پہنچے گی..... اس طیارے میں عام طور پر بھری ہوئی ٹینکیوں کے علاوہ فالتو ایندھن کی اتنی مقدار موجود ہوتی ہے کہ طیارہ دوبئی یا شارجہ تک آسانی سے پرواز کر سکتا ہے..... ویسے ہی میں اپنی دلچسپی کے لئے پوچھ رہا ہوں..... تمہارا ارادہ طیارہ ہائی جیک کرنے کے بعد کس جگہ لینڈ کر کے بھارتی حکام سے اپنی شرائط کے مذاکرات کرنے کا ہے؟"۔

کمانڈو حمزہ نے اپنے بالوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

"ابھی اس سلسلے میں کوئی آخری فیصلہ نہیں ہوا..... تمہارا مشورہ کیا ہے؟"۔

وجاہت علی بولا۔

"یہ تو حالات پر منحصر ہے، ویسے میں آپ لوگوں کو یہی مشورہ دوں گا کہ آپ بھارت کے اندر رہ کر بھارتی حکومت سے مذاکرات نہ کریں..... بھارت میں کسی بھی ایئرپورٹ پر فوج کے کمانڈوز طیارے پر دھاوا بول سکتے ہیں، انہیں اپنے ملک میں ہر طرح کی سہولت میسر ہو گی..... اس کے برخلاف اگر تم لوگ طیارے کو کسی طرح بھارت سے باہر نکال کر کسی اسلامی ملک میں لے جاؤ تو وہاں ایک تو مسلمان ملک ہونے کی وجہ سے وہاں کے عوام کی ہمدردیاں حاصل ہوں گی..... دوسرے وہاں بھارتی کمانڈو کے حملے کا خطرہ نہیں ہو گا"۔

کمانڈو حمزہ نے پوچھا۔

"تمہارے خیال میں کون سا اسلامی ملک مناسب رہے گا؟"۔

وجاہت علی بولا۔

"پاکستان، ایران اور افغانستان کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا..... باقی عرب امارات کے ممالک رہ جاتے ہیں..... میرا خیال ہے کہ تم طیارے کو دوبئی لے جاؤ..... بمبئی ایئرپورٹ پر ہی طیارے میں ایندھن ڈلوا لینا..... کیا خیال ہے؟"۔

"اچھا خیال ہے" کمانڈو حمزہ نے کہا..... "میں اپنے ساتھیوں سے بات کروں گا، کیونکہ ہمیں ہر قدم باہمی مشورے سے اٹھانا ہو گا"۔

"بہتر ہے" وجاہت علی بولا..... "اب تم خاموشی اور احتیاط کے ساتھ میرے مکان کے پچھلے دروازے سے نکل جاؤ اور کل ایئرپورٹ پر پہنچنے کے بعد جیسا میں نے کہا ہے..... ویسے ہی کرنا"۔

کمانڈو حمزہ وہاں سے چل دیا۔

اپنے خفیہ ٹھکانے پر آ کر اس نے کمانڈو شیر خان، شاہد علی اور شوکت علی سے دوبئی لینڈ کرنے کے بارے میں مشورہ کیا..... کمانڈو محمود اور کمانڈو شمشاد بھی اس مشورے میں شریک تھے..... کافی سوچ بچار کے بعد انہوں نے یہی فیصلہ کیا کہ طیارے کو دوبئی لے جایا جائے گا۔

رات ایک بجے تک ہائی جیک کرنے والی کمانڈو پارٹی مختلف تیاریوں میں لگی رہی..... ہر ایک نے لکھنؤ سے بمبئی تک کا ایئربس اے ٹی 310 کی فلائٹ کا اپنا اپنا ٹکٹ سنبھال کر رکھ لیا تھا..... انہیں الگ الگ ایئرپورٹ کی عمارت میں داخل ہونا تھا..... رات ایک بجے وہ سو گئے..... صبح ٹھیک پانچ بجے انہیں اٹھا دیا گیا..... پانچوں کے پانچوں کمانڈوز یعنی کمانڈو شیر خان، شاہد علی، کمانڈو حمزہ، کمانڈو محمود اور کمانڈو شمشاد نے نہا دھو کر وضو کیا..... فجر کی نماز ادا کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کے حضور اپنے مشن کی کامیابی کی دعا مانگی..... ناشتہ کیا اور ایک پرانی جیپ میں سوار ہو کر لکھنؤ کے ایئرپورٹ کی طرف چل پڑے..... ایئرپورٹ سے کچھ فاصلے پر شوکت علی نے جیپ روک دی..... پانچوں کے پانچوں کمانڈو مجاہد جیپ سے اترے..... شوکت علی نے انہیں آخری بار ہدایات دیں کہ دھمکیاں ہر قسم کی دینی ہوں گی مگر کسی بھی مسافر کی غیر ضروری طور پر جان نہیں لینی ہو گی..... باقی جس قسم کے حالات پیش آئیں ان کے مطابق عمل کرنا۔

پانچوں کمانڈو یعنی کمانڈو شیر خان، شاہد علی، کمانڈو حمزہ، کمانڈو محمود اور شمشاد وہیں سے الگ الگ ہو کر پیدل ہی ایئرپورٹ کی طرف چلنے لگے..... اس وقت صبح ہو چکی تھی..... ایئرپورٹ کی عمارت کے قریب آ کر کمانڈو حمزہ نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔

"تم لوگ ڈیپارچر لاؤنج میں میرا انتظار کرو گے..... میں وہیں تمہیں ملوں گا..... تم چاروں الگ الگ ہو کر اندر جاؤ گے۔ اللہ حافظ!"۔

وہیں سے پانچوں کمانڈو الگ الگ ہو گئے۔ سب سے پہلے کمانڈو حمزہ ایئرپورٹ کی عمارت میں داخل ہوا..... اس کا کام بڑا حساس، نازک اور خطرناک تھا۔ اسے اسلحہ والا بیگ باتھ روم سے اٹھانا تھا..... فلائٹ اے بی 310 کے مسافر آنا شروع ہو گئے تھے..... داخلے کے گیٹ کی دونوں جانب سکیورٹی گارڈ کھڑے تھے..... وہ ہر آدمی کا جائزہ لے رہے تھے..... کمانڈو حمزہ نے عام سی جیکٹ اور پتلون قمیض پہن رکھی تھی..... اس کے ہاتھ میں کوئی بریف کیس وغیرہ نہیں تھا..... وہ ٹکٹ دکھا کر گیٹ میں داخل ہو گیا..... آگے بھی سکیورٹی گارڈ موجود تھے..... ایک گارڈ نے کمانڈو حمزہ کو چیکنگ والی کمپیوٹر مشین کی طرف جانے کا اشارہ کیا..... وہاں پہلے سے دو عورتیں اور ایک مرد کھڑے اپنا سامان چیک کروا رہے تھے..... یہ وہ مختصر سا سامان تھا جو ہاتھ میں اٹھایا جا سکتا تھا اور جسے مسافر اپنے ساتھ ہی لے کر جہاز میں سوار ہوتے ہیں۔

کمانڈو حمزہ چیکنگ مشین کے قریب سے ہو کر اس جگہ آ گیا جہاں گراؤنڈ سٹاف کے دو وردی والے آدمی ڈی ٹیکٹر ہاتھوں میں لئے مرد مسافروں کے سارے جسم پر پھیر کر یہ دیکھ رہے تھے کہ اس نے لباس کے اندر کوئی ممنوعہ شے مثلاً اسلحہ یا چاقو وغیرہ تو نہیں چھپایا ہوا..... دوسری طرف پردے کی اوٹ میں عورتوں کی چیکنگ ہو رہی تھی..... چیکنگ آفیسر نے کمانڈو حمزہ کے جسم پر بھی ڈی ٹیکٹر کو پھیرا..... اس کی جیب میں سوائے چند ایک کرنسی نوٹوں کے اور کچھ نہیں تھا..... وہ کلیئر ہونے کے بعد بورڈنگ کارڈ اور سیٹ نمبر لینے کے لئے ایک کاؤنٹر پر آ گیا..... یہاں ٹکٹ دکھا کر

اس نے بورڈنگ کارڈ لیا جس پر سیٹ نمبر لکھا ہوا تھا..... اس کے بعد کمانڈو حمزہ کا سب سے خطرناک مرحلہ شروع ہونے والا تھا..... وہ بورڈنگ کارڈ اور ٹکٹ جیب میں ڈال کر اس جگہ آ کر کھڑا ہو گیا..... جس جگہ وجاہت علی نے اسے کھڑے ہونے کے لئے کہا تھا وہ وجاہت علی کے آفس والے دروازے کی طرف دیکھ رہا تھا..... اتنے میں وجاہت علی دروازہ کھول کر نمودار ہوا۔

اس کے ہاتھ میں نیلے رنگ کا درمیانے سائز کا انڈین ایئر لائنز کا کٹ بیگ تھا..... وجاہت علی نے بھی نگاہ غلط انداز سے کمانڈو حمزہ کو دیکھ لیا تھا..... وہ عام رفتار سے چلتا ہوا اس کے قریب سے گزر گیا..... اس کا رخ ڈیپارچر لاؤنج کے باہر والے باتھ رومز کی طرف تھا..... جیسے ہی وجاہت علی باتھ روم میں داخل ہوا، کمانڈو حمزہ باتھ روم کی طرف بڑھا..... وہ باتھ روم میں داخل ہو گیا..... باتھ روم میں چھ سات منہ ہاتھ دھونے والے بیسن لگے ہوئے تھے..... دو مسافر پہلے سے وہاں موجود تھے..... ایک آئینے میں دیکھ کر اپنے بالوں میں کنگھی پھیر رہا تھا..... دوسرا اپنی ٹائی کی ناٹ درست کر رہا تھا۔

کمانڈو حمزہ نے دیکھا کہ وجاہت علی کونے والے بیسن کے آگے کھڑا صابن سے ہاتھ دھو رہا تھا..... اس کے پاؤں کے پاس ہی انڈین ایئر لائنز کا نیلے رنگ کا کٹ بیگ پڑا تھا..... حمزہ آہستہ سے چل کر وجاہت علی کے ساتھ والے واشنگ بیسن کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا اور ہاتھ دھونے شروع کر دیئے..... ہاتھ دھونے کے بعد اس نے جیب سے کنگھی نکال کر بالوں کو ٹھیک کیا..... کنگھی جیب میں ڈالی اور بڑے اطمینان سے اور بغیر کسی گھبراہٹ کے جھک کر قریب ہی وجاہت علی کے پاؤں کے پاس رکھا ہوا کٹ بیگ اٹھایا اور باتھ روم کے دروازے کی طرف بڑھا۔

کٹ بیگ کا وزن بتا رہا تھا کہ اس میں پانچ آٹو میٹک کمانڈو پستول اور تین دستی بم موجود ہیں..... کمانڈو حمزہ نے اپنے اوپر قطعی طور پر کسی قسم کی گھبراہٹ طاری ہونے

نہیں دی تھی..... وہ لوگ ایک بڑے اہم مشن پر جارہے تھے جس کے لئے انہیں مضبوط اعصاب اور پوری ذمے دارانہ رویئے سے کام لینا تھا..... کمانڈو حمزہ ہر طرح سے کلیئر ہو چکا تھا..... ڈیپارچر لاؤنج میں ایئر بس اے ٹی 310 کے کافی مسافر ادھر نشستوں پر بیٹھے تھے..... کمانڈو حمزہ پچھلی قطار کی ایک خالی سیٹ پر بیٹھ گیا..... اب اس نے لاؤنج کا جائزہ لیا..... سب سے پہلے اس نے اپنے ساتھیوں کو ایک ایک کر کے دیکھا..... شیر خان، شاہد علی، محمود اور کمانڈو شمشاد درمیانی قطار میں الگ الگ سیٹوں پر بڑے اطمینان سے بیٹھے ہوئے نظر آگئے۔

اس کے بعد اس کی نگاہوں نے لکھنؤ گرلز کالج کی ان لڑکیوں کی تلاش شروع کر دیں جن کی اس فلائٹ میں موجودگی بڑی ضروری تھی، کیونکہ اس فلائٹ کو ہائی جیک کرنے کا فیصلہ ہی اس لئے کیا گیا تھا کہ اس میں گرلز کالج کی تیس لڑکیوں کا گروپ سفر کر رہا ہے..... بہت جلد کمانڈو حمزہ نے دیکھ لیا کہ ایک جانب لڑکیوں کا ایک گروپ موجود تھا..... کسی نے ساڑھی پہن رکھی تھی..... کسی نے ٹی شرٹ اور جینز پہنی ہوئی تھی اور کوئی شلوار قمیض میں ملبوس تھی..... ان کے ساتھ ایک لیڈی پروفیسر بھی تھی جو کھڑے ہو کر لڑکیوں کو کچھ ہدایات دے رہی تھی۔

سٹیج پر ڈرامے کا پورا سیٹ لگ چکا تھا..... اب صرف پردہ اٹھنا باقی تھا اور یہ پردہ اس وقت اٹھنا تھا جب جہاز بمبئی کے ایئرپورٹ پر لینڈ کرنے کی تیاریوں میں ہوگا..... سب سے اہم ایک اور مرحلہ تھا..... یہ مرحلہ کمانڈو مجاہدوں میں گرنیڈ اور پستول تقسیم کرنے کا تھا..... اس کے لئے یہ طریق کار سوچا گیا تھا کہ جب طیارہ لکھنؤ سے ٹیک آف کرے گا تو اس کے کچھ دیر بعد کمانڈو حمزہ اپنے کٹ بیگ کے ساتھ ہی طیارے کے باتھ روم میں داخل ہو جائے گا۔

اسے باتھ روم میں داخل ہوتے دیکھ کر چاروں کمانڈو مجاہد بھی اپنی اپنی سیٹوں سے اٹھیں گے اور باتھ روم کے پاس آکر ایک قطار میں کھڑے ہو جائیں گے تاکہ

کمانڈو حمزہ باتھ روم سے باہر نکلے تو کوئی دوسرا مسافر اندر داخل نہ ہو..... کمانڈو حمزہ نے باتھ روم میں داخل ہونے کے بعد کٹ بیگ میں سے ایک آٹومیٹک پستول نکال کر اپنی جیب میں چھپانا تھا اور کٹ بیگ کو باتھ روم کے اندر ہی ایک طرف رکھ دینا تھا..... اس کے باہر آنے کے بعد باری باری چاروں مجاہدوں کو باتھ روم میں داخل ہونا تھا اور کٹ بیگ میں سے اپنا اپنا پستول اور ہینڈ گرنیڈ نکال کر اپنے لباس کے اندر چھپانے تھے۔

طیارے کی پرواز کا وقت قریب آرہا تھا۔

کمانڈو حمزہ اگرچہ بظاہر بڑے اطمینان کے ساتھ لاؤنج میں اپنی سیٹ پر بیٹھا تھا مگر ایک خطرہ مسلسل اس کے سر پر منڈلا رہا تھا کہ کہیں کوئی سکیورٹی گارڈ اچانک آکر اس کا کٹ بیگ چیک نہ کر لے..... اگرچہ ایسا ہوا نہیں کرتا، لیکن ایسا ہو بھی سکتا تھا..... خدا خدا کر کے لاؤنج کے سپیکر پر ایک لیڈی اناؤنسر کی آواز بلند ہوئی..... اس نے پہلے انگریزی میں پھر اُردو میں کہا۔

خواتین و حضرات! لکھنؤ سے بمبئی جانے والی فلائٹ نمبر اے ٹی 310 پرواز کے لئے تیار ہے..... مسافروں سے گزارش ہے کہ وہ جہاز میں سوار ہو جائیں"۔

اس اعلان کے ساتھ ہی لاؤنج میں بیٹھے ہوئے اس خاص پرواز کے مسافروں میں ایک ہل چل سی پیدا ہو گئی..... مسافر اپنی اپنی سیٹوں پر سے اپنے اپنے دستی سامان وغیرہ کو سنبھالتے ہوئے اٹھے اور گیٹ کی طرف چلنے لگے..... کمانڈو حمزہ بھی اپنی سیٹ سے اٹھ کر گیٹ کی طرف بڑھا..... اس نے دیکھا کہ اس کے ساتھی شیر خان، شاہد علی، محمود اور شمشاد بھی دوسرے مسافروں کے ساتھ قدم قدم چلتے گیٹ کی طرف جارہے تھے..... گیٹ پر اپنے آپ ایک قطار بن گئی تھی..... مسافر مرد اور عورتیں اپنے اپنے بورڈنگ کارڈ اور ٹکٹ کا بقایا حصہ دکھا کر گیٹ سے نکل کر کچھ فاصلے پر کھڑی ان دو بسوں کی طرف جارہے تھے جنہوں نے مسافروں کو دُور کھڑے طیارے تک لے

جانا تھا..... دوسرے مسافروں کے ساتھ یہ پانچوں مجاہد بھی اپنے اپنے بورڈنگ کارڈ اور ٹکٹ دکھا کر گیٹ میں سے گزر گئے..... جب دونوں بسیں بھر گئیں تو وہ طیارے کی جانب چل پڑیں..... کمانڈو حمزہ، شیر خان اور شاہد علی ایک بس میں تھے جبکہ کمانڈو محمود اور شمشاد دوسری بس میں سوار ہوئے تھے۔

دونوں بسیں ایک لمبا چکر کاٹ کر کافی دُور ایک جگہ کھڑے طیارے کے قریب آکر رُک گئیں..... کمانڈو حمزہ نے بس سے نکل کر ایک نگاہ طیارے پر ڈالی..... یہ ایئر بس کافی بڑی لگ رہی تھی..... اس کی فسٹ کلاس اور اکانومی کلاس کی سیڑھیاں لگ چکی تھیں..... بسوں سے نکل نکل کر مسافر طیارے کی طرف بڑھنے لگے..... یہاں بھی سیڑھیوں کے پاس آکر دو قطاریں بن گئی تھیں..... فسٹ کلاس والی قطار مختصر سی تھی جبکہ اکانومی کلاس والی قطار کافی لمبی تھی..... اس قطار میں کھڑے پانچوں کمانڈو مجاہدوں نے ایک دوسرے کو دیکھ لیا تھا..... کمانڈو حمزہ نے کٹ بیگ ہاتھ میں لٹکائے رکھنے کی بجائے اپنے سینے سے لگا لیا تھا..... اس قطار میں لکھنؤ گورنمنٹ گرلز کالج کی لڑکیوں کا گروپ بھی تھا۔

کمانڈو شیر خان ان لڑکیوں سے دو تین مسافر چھوڑ کر پیچھے قطار میں کھڑا تھا..... اس نے لڑکیوں کے ہنستے مسکراتے چہروں اور صبح کی ہوا میں لہراتے ان کے بالوں پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالی اور سوچا کہ ان میں سے کسی کو معلوم نہیں کہ دو ڈھائی گھنٹے کے بعد ان پر کیا گزرنے والی ہے..... واقعی انسان اتنی ترقی کرنے کے باوجود کس قدر مجبور اور بے بس ہے..... اسے کچھ خبر نہیں ہوتی کہ آنے والا لمحہ اس کے لئے کیا لے کر آرہا ہے اور اس کے ساتھ اگلے لمحے کیا بیتنے والی ہے..... طیارے کی سیڑھی کی دونوں جانب گراؤنڈ سٹاف کے عملے کے دو وردی پوش آدمی کھڑے تھے..... وہ ہر مسافر کا بورڈنگ کارڈ غور سے دیکھتے، اس کا ایک حصہ کاٹ کر اپنے پاس رکھ لیتے اور مسافر کو طیارے پر سوار ہونے کی اجازت دے دیتے..... کافی لمبی قطار تھی..... طیارے کی

سیڑھی تک پہنچتے پہنچتے کمانڈو حمزہ کو جو سب سے آگے تھا کافی دیر لگ گئی۔

طیارے میں داخل ہونے کا یہ آخری ہیجان خیز مرحلہ تھا..... کمانڈو حمزہ نے اسلحہ والا کٹ بیگ اسی طرح ایک ہاتھ سے تھام کر اسے اپنے سینے سے لگا رکھا تھا..... دوسرے ہاتھ میں اس کا بورڈنگ کارڈ تھا..... یہاں بھی حمزہ کے دل میں وہی ڈر لگا ہوا تھا کہ کہیں اس آخری مرحلے میں بھی اس کی کٹ بیگ کھلوا کر نہ دیکھ لی جائے..... جب وہ سیڑھی کے قریب آیا اور اس نے اپنا بورڈنگ کارڈ وردی پوش آفیسر کی طرف بڑھایا تو اس کے دل کی دھڑکن کچھ تیز ضرور ہو گئی تھی..... ایسا ہونا نہیں چاہئے تھا لیکن ایسا ہو رہا تھا..... یہ ایک قدرتی بات تھی..... وردی پوش آفیسر نے کمانڈو حمزہ کے ہاتھ سے بورڈنگ کارڈ لیتے ہوئے اس کے کٹ بیگ پر نگاہ ڈالی تو حمزہ کو ایسے لگا جیسے اس آفیسر کو پتہ چل گیا ہے کہ کٹ بیگ میں پستول اور دستی بم ہیں، لیکن یہ کمانڈو حمزہ کا وہم تھا..... حقیقت میں ایسی کوئی بات نہیں تھی..... وردی پوش آفیسر نے مسکراتے ہوئے کمانڈو حمزہ کو ویلکم کیا اور بورڈنگ کارڈ کا بچا ہوا حصہ اس کے ہاتھ میں دے دیا۔

کمانڈو حمزہ کو اس وقت ایسا محسوس ہوا جیسے وہ کسی آتش فشاں پہاڑ کے دہانے میں گرتے گرتے بچ گیا ہو..... شیر خان اور دوسرے ساتھی پیچھے آرہے تھے..... کمانڈو حمزہ سیڑھیاں چڑھ کر طیارے کے دروازے پر آئے تو دونوں جانب طیارے کی ایئر ہوسٹسیں کھڑی تھیں..... انہوں نے کمانڈو حمزہ کو نمسکار اور ویلکم کہا اور اس کے بورڈنگ کارڈ پر سے سیٹ نمبر پڑھ کر جہاز کے اندر ایک جانب اشارہ کیا..... کمانڈو حمزہ نے پستولوں اور دستی بموں والا کٹ بیگ اپنے سینے سے لگا رکھا تھا..... طیارے کے اندر کی فضا میں گورنمنٹ گرلز کالج کی لڑکیاں سوار ہو چکی تھیں..... فضا میں ان کے مختلف پرفیومز کی خوشبوؤں کے ساتھ کافی کی خوشبو بھی پھیلی ہوئی تھی..... ایک ایئر ہوسٹس اندر بھی تھی جو مسافروں کو ان کی نشستوں کی جانب راہنمائی کر رہی تھی..... اس نے کمانڈو حمزہ کے ہاتھ میں پکڑا ہوا بورڈنگ کارڈ دیکھ کر آگے ایک سیٹ

کی طرف جانے کے لئے اشارہ کیا۔ طیارے کے درمیانی حصے کی تقریباً ساری نشستیں مسافروں سے بھری ہوئی تھیں..... کمانڈو حمزہ کی سیٹ دائیں جانب والی چار نشستوں کی قطار میں کھڑکی کے پاس تھی..... وہ اسلحے والا بیگ اوپر سامان کے خانے میں نہیں رکھنا چاہتا تھا..... اچانک پیچھے سے ایئر ہوسٹس آ گئی اور بولی۔

"سر! لائیے میں آپ کا بیگ اوپر رکھ دیتی ہوں"۔

کمانڈو حمزہ نے کہا۔

"نو تھینکس میڈم..... میں یہ اپنے پاس ہی رکھوں گا"۔

اور وہ بیگ کو اپنی گود میں رکھ کر سیٹ پر بیٹھ گیا..... اس کے بائیں جانب کی اور آگے پیچھے کی ساری نشستیں بھری ہوئی تھیں..... اس کی ساتھ والی سیٹ پر ایک موٹی توند اور سلک کے کرتے والا گجراتی سیٹھ بیٹھا ہندی کا اخبار پڑھ رہا تھا..... کمانڈو حمزہ کو خیال آ گیا کہ طیارہ اغوا ہونے کے بعد اس بزدل گجراتی سیٹھ کی ابتر حالت دیکھنے والی ہو گی..... اس سے چار قطاریں چھوڑ کر پیچھے ایک قطار میں شیر خان بیٹھا تھا..... اس سے اگلی ایک سیٹ پر مجاہد شاہد علی بیٹھا تھا..... کمانڈو محمود اور کمانڈو شمشاد بہت پیچھے باتھ روم کے سامنے والی قطار میں بیٹھے تھے..... ابھی طیارے میں مسافر داخل ہونے کے بعد اپنی اپنی سیٹیں سنبھال رہے تھے..... جہاز میں ہلکا ہلکا انڈین میوزک چل رہا تھا..... آخر وہ لمحہ بھی آ گیا جب ایئر ہوسٹسوں اور دو وردی پوش پرسروں نے سیٹوں کے اوپر سامان رکھنے والے خانوں کو اچھی طرح سے بند کرنا شروع کر دیا۔

اس کے بعد جہاز پر سے دونوں سیڑھیاں ہٹا دی گئیں..... کمانڈو حمزہ نے اطمینان کا سانس لیا کہ وہ اپنے تمام اسلحہ کے ساتھ جہاز میں موجود ہے..... اتنے میں ایک ایئر ہوسٹس آکسیجن کا ماسک ہاتھ میں لئے نمودار ہوئی اور سپیکر سے آنے والی آواز کے ساتھ ہاتھ کے اشاروں سے آکسیجن ماسک کو ہنگامی حالات میں استعمال کرنے کی ترکیبیں بتانے لگی..... پھر جہاز کے ایک انجن کی ہلکی ہلکی گونجار اور تھرتھراہٹ محسوس

ہونے لگی..... اس کے ساتھ ہی جہاز کو ایک ہلکا سا دھچکا لگا اور دائیں جانب حرکت کرنے لگا..... اس وقت جہاز کے سپیکر پر جہاز کے پائلٹ کی آواز بلند ہوئی۔

"نمسکار لیڈیز اینڈ جینٹلمین! فلائٹ اے ٹی 310 کا پائلٹ ہری کرشن چڈھا اپنے ساتھیوں کے ساتھ آپ کا سواگت کرتا ہے"۔

اس کے بعد پائلٹ چڈھا نے بتایا کہ جہاز اتنی بلندی اور اتنی رفتار کے ساتھ بھوپال سے ہوتا ہوا ڈھائی گھنٹے میں بمبئی پہنچ جائے گا..... جہاز کے اندر انڈین میوزک چل رہا تھا..... جہاز بائیں طرف گھومنے کے بعد سیدھا ہو گیا تھا اور ایک لگی بندھی رفتار پر رن وے کے اس مقام کی طرف بڑھ رہا تھا جہاں سے اس نے اُڑان بھرنی تھی..... مختلف رن ویز پر سے گزرنے کے بعد جہاز اس جگہ پر آ کر رُک گیا جہاں سے اُس نے ٹیک آف کرنا تھا۔

جہاز کے اندر انڈین موسیقی رُک گئی..... جہاز کے پہلے دو انجن چلے، اس کے بعد دوسرے انجن بھی چلنے لگے..... جہاز میں تھرتھراہٹ پیدا ہو رہی تھی..... پھر ایک دم سے جہاز کو جیسے ایک دھکا لگا اور وہ رن وے پر آگے بڑھا..... ہر سیکنڈ کے بعد اس کی رفتار میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا..... مسافروں نے پہلے ہی سے اپنی اپنی سیٹ بیلٹس باندھ رکھی تھیں..... جہاز کی سپیڈ بہت تیز ہو گئی تھی، جب یہ رفتار ایک خاص حد تک پہنچی تو جہاز کا اگلا حصہ آہستہ سے اوپر کو اُٹھ گیا..... اس کے ساتھ ہی جہاز کے پہیوں نے رن وے کی زمین کو چھوڑ دیا اور جہاز کی تھرتھراہٹ بھی ختم ہو گئی اور کمانڈو حمزہ کو اپنا آپ ہلکا ہلکا محسوس ہونے لگا..... جہاز آہستہ آہستہ ایئرپورٹ کے اوپر چکر لگا کر بلندی پکڑ رہا تھا..... جب وہ مطلوبہ بلندی پر آ گیا تو اس نے اپنا رُخ ایک طرف کر لیا اور اس کی معمول کی پرواز شروع ہو گئی..... جہاز کی ہلکی ہلکی موسیقی پھر سے شروع ہو گئی تھی۔

کمانڈو حمزہ کو ابھی تک معلوم نہیں تھا کہ اس کے ساتھیوں میں سے کون کس جگہ پر بیٹھا ہوا ہے..... وہ انہیں ایک نظر دیکھنا چاہتا تھا..... جب جہاز کو پرواز کرتے ہوئے

آدھا گھنٹہ گزر گیا تو وہ اپنی سیٹ سے اٹھا اور جہاز کے درمیان والے باتھ روم کی طر
چلنے لگا..... اسلحہ والا کٹ بیگ اس نے اپنی بغل میں دبا رکھا تھا..... اس بیگ کو وہ
سیٹ کے نیچے چھوڑ کر نہیں جا سکتا تھا..... اس نے دیکھ لیا کہ کمانڈو شیر خان، شاہ
اور کمانڈو محمود اور کمانڈو شمشاد کہاں کہاں بیٹھے ہوئے ہیں..... انہوں نے بھی کن
حمزہ کو جاتے دیکھ لیا تھا..... کمانڈو حمزہ نے اس خیال سے کہ کہیں وہ بھی اس کے
پیچھے باتھ روم کی طرف نہ آ جائیں..... آنکھوں کے اشارے سے اپنے پیچھے آنے
منع کر دیا تھا۔

باتھ روم میں داخل ہو کر اس نے دروازہ لاک کر دیا اور باتھ روم کا جائزہ لیا
اس نے بیگ ایک طرف رکھا..... آئینے میں اپنے چہرے کو دیکھا..... ہاتھوں
بالوں کو ٹھیک کیا اور بیگ اٹھا کر باتھ روم سے نکل آیا..... واپس اپنی سیٹ پر جا
ہوئے بھی اس نے اپنے ساتھیوں سے آنکھیں ملا کر اس بات کا اشارہ دیا کہ سب ٹھ
ہے..... وہ اپنی سیٹ پر آ کر بیٹھ گیا۔

جہاز ایک خاص رفتار کے ساتھ پرواز کر رہا تھا۔

انہیں اپنا آپریشن بمبئی کے قریب پہنچ کر شروع کرنا تھا..... ہر کمانڈو
جذبات اور احساسات کی کیفیت ایسی تھی جیسے وہ کسی ایسے طاقتور جن کو دبوچ کر بیٹھ
ہوئے ہوں جسے انہوں نے بمبئی کے قریب پہنچنے کے بعد کھلا چھوڑ دینا تھا..... انہیں
ہوائی سفر بڑا اکتا دینے والا محسوس ہو رہا تھا..... جہاز میں مسافروں کو ریفر شمنٹ د
گئی..... پھر جہاز بھوپال کے ایئرپورٹ پر اتر گیا..... کچھ مسافر یہاں اتر گئے..... کچھ
مسافر جہاز میں سوار ہو گئے..... اس کے بعد جہاز ایک بار پھر ٹیک آف کر گیا.....
جہاز کی منزل بمبئی تھی جس کے قرب و جوار میں پہنچتے ہی انہوں نے طیارے کو ہا
جیک کر لینا تھا..... آہستہ آہستہ وہ ہنگامہ خیز لمحات قریب آ رہے تھے۔

بمبئی کا شہر اب زیادہ دُور نہیں رہا تھا..... آخر وہ لمحہ بھی آ گیا جب جہاز کے پائلٹ

ہری کرشن چڈھہ نے سپیکر پر اعلان کیا کہ لیڈیز اینڈ جنٹلمین ہم پندرہ منٹ کے بعد بمبئی کے ایئرپورٹ پر اتر جائیں گے..... اس اعلان کو سنتے ہی کمانڈو حمزہ اپنی جگہ سے اٹھ کر باتھ روم کی طرف چلا..... اس کو جاتے دیکھ کر ایک ایک کر کے کمانڈو شیر خان، شاہد علی اور کمانڈو محمود اور شمشاد بھی اپنی اپنی نشستوں سے اٹھ کر اس کے پیچھے پیچھے باتھ روم کی طرف چل پڑے۔

کمانڈو حمزہ نے باتھ روم میں داخل ہوتے ہی کٹ بیگ کھول کر اس میں سے آٹو میٹک کمانڈو پستول اور ایک ہینڈ گرنیڈ نکال کر اپنی پتلون کی جیبوں میں چھپایا اور بیگ کو ایک طرف رکھ کر باتھ روم سے باہر نکلا..... باہر شیر خان، شاہد علی، محمود اور شمشاد کھڑے تھے..... اس کے باہر نکلتے ہی کمانڈو شیر خان باتھ روم میں داخل ہو گیا..... اس نے بھی کٹ بیگ میں سے ایک پستول نکال کر پتلون کی جیب میں ڈالا اور ایک منٹ کا وقفہ ڈال کر باتھ روم سے نکل آیا..... اسی طرح اس کے بعد کمانڈو محمود اور پھر کمانڈو شمشاد بھی باتھ روم میں گئے اور اپنا اپنا اسلحہ لباس میں چھپا کر باہر آ کر اپنی اپنی نشستوں پر خاموشی سے بیٹھ گئے..... اب انہیں کمانڈو حمزہ کے سگنل کا انتظار تھا۔

کمانڈو حمزہ نے سب سے پہلے اٹھ کر فسٹ کلاس میں سے گزرتے ہوئے جہاز کے کاک پٹ میں جا کر دونوں ہوا بازوں کو قابو کرنا تھا..... باقی ساتھیوں کو اس کے فوراً بعد اپنا ایکشن شروع کر دینا تھا..... جہاز اب آہستہ آہستہ اپنی بلندی کم کرتا جا رہا تھا..... جب کمانڈو حمزہ نے محسوس کیا کہ اب کمانڈو ایکشن شروع کرنے کا وقت آ گیا ہے تو وہ اپنی سیٹ سے اٹھا اور تیز تیز قدموں سے چلتا فسٹ کلاس کا پردہ اٹھا کر جہاز کے کاک پٹ کی طرف بڑھا جہاں دونوں ہوا باز جہاز کو نیچے لا رہے تھے..... اسے کاک پٹ کی طرف جاتے دیکھ کر ایک ایئر ہوسٹس نے اسے روکنے کی کوشش کی جس کے جواب میں اس نے ایئر ہوسٹس کو دھکا دے کر ایک طرف گرا دیا اور جیب سے پستول اور ہینڈ گرنیڈ نکال کر مسافروں سے کہا۔

"ہم نے جہاز ہائی جیک کر لیا ہے..... سب لوگ خاموشی سے بیٹھے رہیں..... کسی نے کوئی حرکت کی تو اسے گولی سے اُڑا دیں گے"۔

اس کے ساتھ ہی کمانڈو حمزہ نے ایئر ہوسٹس کو پکڑ کر اس کی کنپٹی پر پستول کی نالی لگا کر کہا۔

"کاک پٹ کا دروازہ کھلواؤ..... خبردار..... کوئی فالتو بات کی تو تمہاری کھوپڑی اُڑ جائے گی"۔

ایئر ہوسٹس تھر تھر کانپ رہی تھی۔

اس دوران کمانڈو شیر خان..... شاہد علی..... کمانڈو محمود اور کمانڈو شمشاد بھی پستول نکال کر میدان میں آ گئے تھے اور اس اعلان کے بعد کہ جہاز اغوا کر لیا گیا ہے اپنی اپنی پوزیشنوں پر جا کر کھڑے ہو گئے تھے..... کمانڈو شیر خان اور کمانڈو شاہد علی کے ایک ہاتھ میں پستول تھا جس کا رُخ مسافروں کی طرف تھا..... دوسرے ہاتھ میں دستی بم تھا اور ایک انگلی بم کے چھلے میں تھی جس کو کھینچنے کے بعد بم نے پھٹ پڑنا تھا..... کمانڈو شمشاد پستول اور دستی بم لئے جہاز کے درمیان والے باتھ روم کے پاس پوزیشن سنبھال کر کھڑا ہو گیا تھا..... اس اعلان کے ساتھ ہی کہ جہاز کو ہائی جیک کر لیا گیا ہے مسافروں میں کہرام سا مچ گیا تھا..... کچھ عورتوں نے اونچی آواز میں رونا شروع کر دیا تھا..... ان کو روتے دیکھ کر بچے بھی رونے لگے تھے..... آخر کمانڈو محمود اور کمانڈو شیر خان نے چیخ کر کہا۔

"خاموش ہو جاؤ..... نہیں تو تم سب کو باری باری گولی سے اُڑا دیں گے..... خاموشی سے اپنی اپنی سیٹوں پر بیٹھے رہو..... خبردار کسی نے کوئی حرکت کی تو وہ مار دیا جائے گا"۔

اس دھمکی کے بعد جہاز میں خاموشی چھا گئی..... کمانڈو شاہد علی اور کمانڈو شمشاد نے عملے کے دو مرد سٹیوارڈز کے ہاتھ باندھ کر جہاز کے سب سے پچھلے باتھ روم میں

بند کر کے دروازے کو لاک کر دیا تھا..... ایئر ہوسٹسوں کو ایک جگہ بٹھا دیا گیا تھا۔

اس دوران کمانڈو حمزہ نے کاک پٹ میں داخل ہوتے ہی ایک ہوا باز کی کنپٹی پر پستول رکھ دیا اور کہا۔

"ہم کشمیری کمانڈوز ہیں..... ہم نے جہاز ہائی جیک کر لیا ہے..... تمہاری اور مسافروں کی خیریت اسی میں ہے کہ جیسے ہم کہتے ہیں ویسے کرو"۔

اتنے میں کمانڈو محمود بھی کاک پٹ میں داخل ہو چکا تھا..... اس کے ایک ہاتھ میں پستول تھا..... اس نے کاک پٹ میں آتے ہی دوسرے ہوا باز کی گردن پر زور سے مکا مارا اور پستول کی نالی اس کی گردن کے ساتھ لگا دی، جس ہوا باز کی کنپٹی پر کمانڈو حمزہ نے پستول کی نالی رکھی ہوئی تھی اس کا نام ہری کرشن چڈھہ تھا..... وہ ایسی نازک صورت حال میں کسی قسم کی مزاحمت کر کے جہاز کے مسافروں کی زندگیاں خطرے میں نہیں ڈال سکتا تھا..... کمانڈو حمزہ نے اسے حکم دیا۔

"جہاز کا رُخ دوبئی کی طرف کر دو..... یاد رکھو..... میں تربیت یافتہ پائلٹ ہوں..... تم نے مجھے دھوکا دینے کی کوشش کی تو تمہاری کھوپڑی اُڑا دوں گا"۔

پائلٹ چڈھہ نے کہا۔

"جہاز میں دوبئی تک کا تیل نہیں ہے..... اگر تم ہوا باز ہو تو تیل کے میٹر کی سوئی دیکھ سکتے ہو"۔

کمانڈو حمزہ نے اسے حکم دیا۔

"تو پھر جہاز کو شارجہ کی طرف لے چلو..... میں دیکھ رہا ہوں کہ جہاز میں شارجہ کی پرواز کے لئے ایندھن موجود ہے..... کنٹرول ٹاور کو کہہ دو کہ جہاز ہائی جیک ہو گیا ہے..... اس سے آگے ایک نقطہ بھی نہ بولنا"۔

پائلٹ چڈھہ نے سب سے پہلے تو جہاز کو کنٹرول میں کر کے اس کو نیچے جانے کی بجائے اوپر اٹھانا شروع کر دیا..... ساتھ ہی وائرلیس پر کنٹرول ٹاور سے کہا۔

"ہمارا جہاز ہائی جیک ہو گیا ہے"۔

اس کے بعد کمانڈو حمزہ نے اس کے ہاتھ سے مائیک چھین کر پرے دھکیل دیا..... کمانڈو محمود نے دوسرے ہواباز کی گردن پر پستول کی نالی رکھی ہوئی تھی..... کمانڈو حمزہ نے جب پینل پر دیکھ لیا کہ جہاز نیچے جانے کی بجائے بلندی کی طرف آ رہا ہے تو اس نے ڈائیل کی سوئیوں کو دیکھتے ہوئے پائلٹ چڈہ کو حکم دیا۔

"اب جہاز کو بمبئی کی ڈومیسٹک روٹ سے نکال کر شارجہ کی انٹرنیشنل روٹ پر ڈال دو"۔

پائلٹ چڈہ سمجھ گیا تھا کہ یہ کمانڈو ہواباز بھی ہے..... ویسے بھی پائلٹ اس قسم کی صورت حال میں کسی قسم کا خطرہ مول نہیں لیا کرتے، کیونکہ یہ صرف ان کی ہی نہیں بلکہ سینکڑوں بے گناہ مسافروں کی زندگی اور موت کا مسئلہ ہوتا ہے، چنانچہ طیارے کے ہواباز کوئی مزاحمت نہیں کیا کرتے اور ہائی جیکر جیسا کہیں ویسا ہی کرتے ہیں..... صرف جہاز کے ایندھن اور اگر جہاز کے انجن میں کوئی خرابی پیدا ہو گئی ہو تو اس سے ہائی جیکروں کو آگاہ کرتے رہتے ہیں..... کمانڈو حمزہ کی نگاہیں جہاز کی سمت بتانے والے ڈائیل پر لگی تھیں..... ڈائیل کی سوئیوں نے بتا دیا کہ جہاز نے کافی بلندی حاصل کرنے کے بعد انٹرنیشنل روٹ پر شارجہ کا رُخ پکڑ لیا ہے..... کمانڈو حمزہ نے پیچھے ہٹ کر کمانڈو محمود سے کہا۔

"تم کاک پٹ کے دروازے پر پوزیشن سنبھالو گے"۔

یہ کہہ کر کمانڈو حمزہ فسٹ کلاس میں آ گیا..... یہاں مسافر سخت پریشانی کی حالت میں تھے..... تقریباً سب کے سب خوفزدہ تھے..... دوسرے مسافروں کا بھی یہی حال تھا..... لکھنؤ گورنمنٹ گرلز کالج کی لڑکیوں کا سب سے برا حال تھا..... ان میں کئی لڑکیاں رونے لگی تھیں..... کمانڈو شیر خان نے انہیں سختی سے ڈانٹتے ہوئے کہا۔

"خاموش رہو..... ہم دہشت گرد نہیں ہیں..... فرینڈم فائٹرز ہیں..... کشمیر

کے مجاہد ہیں..... تم لوگوں سے ہماری کوئی دشمنی نہیں ہے..... ہم کسی کو کچھ نہیں کہیں گے..... ہماری دشمن تمہاری انڈین گورنمنٹ ہے جو کشمیر میں بے گناہ کشمیروں کو ظلم کا نشانہ بنا رہی ہے..... خاموش رہو اور چپ کر کے بیٹھی رہو..... ہمارے لیڈر کو تمہاری حکومت چھوڑ دے گی تو ہم چلے جائیں گے"۔

کمانڈو شیر خان کی مختصر سی تقریر سن کر لڑکیاں چپ ہو گئیں..... ان کی پروفیسر کچھ کہنے لگی تو کمانڈو شمشاد نے غصے سے کہا۔

"بولنے کی ضرورت نہیں..... تم بھی چپ چاپ بیٹھی رہو"۔

کمانڈو حمزہ نے سارے جہاز کے اندر چل کر مسافروں کا جائزہ لیا اور پھر ایک کھڑکی میں سے جھانک کر نیچے دیکھا..... جہاز بمبئی کی بلڈنگوں کو پیچھے چھوڑتا ہوا سمندر کے اوپر آ گیا تھا..... اس کا رُخ عرب امارات کی طرف تھا..... حمزہ تیز قدموں سے چلتا کاک پٹ میں آ گیا..... ریڈیو آفیسر ایک طرف خاموشی سے بیٹھا اپنے کام میں مصروف تھا..... دونوں پائلٹ اپنی اپنی سیٹ پر خاموشی سے بیٹھے جہاز کو آپریٹ کر رہے تھے..... کمانڈو محمود دستی بم اور پستول لئے ان کی نگرانی کر رہا تھا..... کمانڈو حمزہ نے ایک خاص ڈائیل پر نگاہ ڈالی، جہاز بمبئی کی حدود سے نکل چکا تھا..... وائرلیس سیٹ پر بمبئی کے کنٹرول ٹاور کی آواز بار بار سنائی دے رہی تھی۔

فلائٹ اے ٹی 310 ہمیں اپنی Destination بتاؤ..... ہیلو..... فلائٹ نمبر اے ٹی 310 کانٹیکٹ..... تم کس طرف جا رہے ہو"۔

کمانڈو حمزہ نے دونوں ہوابازوں کو جواب دینے سے سختی سے منع کر رکھا تھا..... کچھ وقت گزر جانے کے بعد جہاز شارجہ کی فضائی حدود میں داخل ہوا تو شارجہ ایئرپورٹ کے کنٹرول ٹاور نے وائرلیس پر پوچھا۔

"اپنی شناخت کراؤ..... اپنی شناخت کراؤ..... تم غیر قانونی طور پر شارجہ کی فضائی حدود میں داخل ہو رہے ہو"۔

اس موقع پر کمانڈو حمزہ نے مائیکروفون پر کہا۔

"ہیلو شارجہ کنٹرول ٹاور! ہم کشمیر کے حریت پسند مجاہد ہیں..... ہم نے اپنے لیڈر کو انڈیا کی قید سے چھڑانے کے لئے اس جہاز کو ہائی جیک کیا ہوا ہے..... ہمیں شارجہ ایئرپورٹ پر اُترنے کی اجازت دو..... ہم یہاں سے بھارتی حکومت سے رابطہ کر کے بات چیت کرنا چاہتے ہیں..... ہیلو! ہم دہشت گرد نہیں ہیں..... ہم فرینڈم فائٹرز ہیں..... ہماری فلائٹ اے ٹی 310 ہے۔

دوسری طرف شارجہ کے کنٹرول ٹاور نے کہا۔

"ہیلو فلائٹ اے ٹی 310! تمہیں شارجہ ایئرپورٹ پر لینڈ کرنے کی اجازت نہیں دی جاسکتی..... بہتر ہے کہ تم جدھر سے آئے ہو اسی طرف واپس چلے جاؤ"۔

کمانڈو حمزہ نے کہا۔

"ہیلو شارجہ کنٹرول ٹاور! جہاز کا ایندھن ختم ہو رہا ہے..... اگر ہمیں شارجہ اترنے کی اجازت نہ دی گئی تو جہاز کریش ہو جائے گا"۔

کنٹرول ٹاور نے کہا۔

"ہیلو فلائٹ اے ٹی 310 پائلٹ سے ہماری بات کراؤ"۔

کمانڈو حمزہ نے مائیک سینئر پائلٹ ہری کشن چڈہ کی طرف بڑھاتے ہوئے پستول کی نالی اس کی کنپٹی سے لگادی اور سرگوشی میں اسے حکم دیا۔

"کہو کہ جہاز کا تیل ختم ہو رہا ہے"۔

پائلٹ چڈہ نے مائیک پر کنٹرول ٹاور سے کہا۔

"ہیلو شارجہ کنٹرول ٹاور! میں کیپٹن چڈہ سینئر پائلٹ بول رہا ہوں..... ہمارے پاس صرف اتنا ہی تیل بچا ہے جتنا نیچے اترنے کے لئے کافی ہو سکتا ہے..... اگر ہمیں اترنے کی اجازت نہ دی گئی تو انڈین ایئر لائنز کا یہ طیارہ تباہ ہو جائے گا اور اس میں سوار ایک سو ساٹھ بے گناہ مسافر عملے سمیت مارے جائیں گے"۔

کنٹرول ٹاور کی آواز آئی۔

"تم غلط کہہ رہے ہو..... تمہارے طیارے میں ایندھن موجود ہے..... ہم تمہیں اترنے کی اجازت نہیں دیں گے..... ہم نے تمام رن ویز کو بلاک کر دیا ہے..... تم اوپر سے دیکھ سکتے ہو..... واپس چلے جاؤ"۔

پائلٹ چڈہ نے مائیک بند کر کے کمانڈو حمزہ کی طرف دیکھا اور کہا۔

"یہ لوگ ہمیں اُترنے کی کبھی اجازت نہیں دیں گے"۔

کمانڈو حمزہ نے ایندھن ظاہر کرنے والے ڈائیل کی سوئی کو ایک نظر دیکھا..... طیارے میں صرف اتنا ہی ایندھن بچا تھا کہ وہ گھنٹہ سوا گھنٹہ ہی پرواز کر سکتے تھے..... کمانڈو حمزہ نے مائیک خود تھامتے ہوئے اس کو اون کر کے کہا۔

"ہیلو شارجہ کنٹرول ٹاور! میں کشمیری مجاہد فلائٹ اے ٹی تھری ون زیرو سے بول رہا ہوں..... ہمیں صرف اتنی اجازت دے دو کہ ہم شارجہ کے کسی بھی رن وے پر اتر کر طیارے میں ایندھن بھروالیں..... اس کے بعد ہم وعدہ کرتے ہیں کہ ہم شارجہ سے پرواز کر جائیں گے"۔

دوسری طرف چند لمحے کے لئے خاموشی چھا گئی..... شارجہ کنٹرول ٹاور کی آواز دوبارہ بلند ہوئی۔

"ہیلو فلائٹ اے ٹی 310 جہاز کے کپتان سے بات کراؤ"۔

کمانڈو حمزہ نے مائیک پائلٹ چڈہ کو دے دیا..... اس دوران جہاز شارجہ ایئرپورٹ کے اوپر مسلسل چکر لگا رہا تھا۔

کیپٹن چڈہ نے کہا۔

میں فلائٹ اے ٹی تھری ون زیرو کا کیپٹن چڈہ بول رہا ہوں۔

کنٹرول ٹاور نے کہا۔

"بے گناہ مسافروں کی قیمتی جانیں بچانے کے لئے ہم تمہیں اترنے کی اجازت

دے رہے ہیں، لیکن ایندھن لینے کے فوراً بعد تمہیں شارجہ سے چلے جانا ہوگا..... تم نے ایسا نہ کیا تو تمہارے جہاز کے اردگرد فوج کا پہرہ لگادیا جائے گا..... تمہیں حکومت کے کسی سفیر یا قونصل کے ساتھ براہ راست رابطہ قائم کرنے کی اجازت نہیں دی جائے گی..... تمہارے جہاز کو نہ کھانا اور نہ پانی اور نہ ادویات..... کچھ بھی سپلائی نہیں کیا جائے گا..... ہمارے کمانڈوز تمہارے جہاز پر دھاوا بھی نہیں بولیں گے..... پھر بھوک پیاس اور بیماریوں سے تمہارے مسافروں کا اور جہاز کے جیکروں کا جو انجام ہوگا وہ تم بخوبی جانتے ہو ہمیں معلوم ہے کہ ہمارا یہ انتباہ ہائی جیک بھی سن رہے ہیں"۔

جہاز کے کیپٹن پائلٹ چڈھ نے مائیکروفون کمانڈو حمزہ کو دے کر کہا۔

"آپ اس کا جواب خود ہی دیں تو بہتر ہوگا"۔

کمانڈو حمزہ نے کنٹرول ٹاور کو مخاطب کر کے کہا کہ ہم وعدہ کرتے ہیں کہ ایندھن لینے کے بعد شارجہ ایئرپورٹ کو چھوڑ دیں گے..... کنٹرول ٹاور نے کہا۔

"کیپٹن سے بات کراؤ"۔

کیپٹن چڈھ نے کہا۔

"شارجہ کنٹرول! میں سن رہا ہوں"۔

کنٹرول ٹاور نے اسے بتایا کہ فلاں رن وے پر اُتر جاؤ..... جس رن وے پر جہاز کو اُترنے کے لئے کہا گیا تھا وہ ایئرپورٹ شارجہ ٹرمینل سے کافی دُور سب سے الگ تھلگ تھا اور اس کی آخری حد کے آگے صحرا شروع ہو جاتا تھا..... انڈین ایئر لائنز کی فلائٹ اے ٹی 310 کے ہوابازوں نے طیارے کو شارجہ کے الگ تھلگ رن وے پر اتار دیا..... جہاز کے اترنے کے ساتھ ہی شارجہ کی فوج کی کمانڈو فورس کی بٹالین نے جہاز کو گھیرے میں لے لیا..... کمانڈو محمود اور کمانڈو شیر خان اور کمانڈو شمشاد نے جہاز کی تمام کھڑکیوں کے شٹر گرا دیئے..... ایئر ہوسٹس نے مجاہدوں سے اجازت طلب کی کہ

مسافر بھوکے ہیں، انہیں کھانا کھلانا ہے..... مجاہدوں نے اجازت دے دی اور ان کی نگرانی میں مسافروں میں کھانا تقسیم کیا جانے لگا..... دوسری طرف کمانڈو شاہد علی اور کمانڈو حمزہ کاک پٹ میں موجود تھے اور شارجہ ٹرمینل کے کنٹرول ٹاور سے مصروف گفتگو تھے..... کمانڈو حمزہ نے کنٹرول ٹاور سے کہا۔

"ہم کشمیری حریت پسند ہیں..... ہم دہشت گرد نہیں ہیں..... شارجہ میں بھارتی قونصل جنرل کو بلوایا جائے"۔

کنٹرول ٹاور نے جواب دیا۔

"ہم نے تم لوگوں کو پہلے ہی بتادیا تھا کہ تمہیں یہاں کسی سے براہ راست رابطہ پیدا کرنے کی اجازت نہیں دی جائے گی..... تمہیں کھانا وغیرہ بھی سپلائی نہیں کیا جائے گا..... جہاز میں صرف ایندھن بھر دیا جائے گا..... اس کے فوراً بعد تمہیں یہاں سے پرواز کر جانا ہوگا"۔

کمانڈو حمزہ نے کہا۔

"اگر تم بھارتی قونصل جنرل کو نہیں بلوا سکتے تو انہیں ہمارا پیغام پہنچادو کہ جب تک اودھم پور جیل سے حریت کانفرنس کے کشمیری لیڈر خواجہ اسداللہ کو رہا نہیں کیا جائے گا، ہم جہاز کے بھارتی مسافروں کو نہیں چھوڑیں گے"۔

کنٹرول ٹاور نے کہا۔

"ہم یہ پیغام بھی نہیں پہنچا سکتے..... تم لوگ تیل لے کر یہاں سے نکل جاؤ"۔

کنٹرول ٹاور نے رابطہ کاٹ دیا..... کمانڈو محمود نے جو پستول اور دستی بم لے کر کاک پٹ کے دروازے پر مستعد ہو کر کھڑا تھا۔

کمانڈو حمزہ سے کہا۔

"شارجہ کنٹرول ٹاور سے بات کرنی بیکار ہے..... تیل لے لیتے ہیں"۔

کمانڈو حمزہ نے کہا۔

"تم یہاں اپنی پوزیشن پر ہی رہو..... ریڈیو آپریٹر اور ان دونوں پائلٹوں میں سے کسی نے بھی اپنے طور پر وائرلیس پر کسی سے رابطہ پیدا کرنے کی کوشش کی تو اسے فوراً شوٹ کر دینا"۔

کمانڈو حمزہ تیزی سے کاک پٹ سے نکل کر فسٹ کلاس میں سے ہوتا ہوا کمانڈو شیر خان اور شاہد علی کے پاس آ گیا..... انہوں نے ایک کھڑکی کا شٹر اوپر اٹھا کر باہر دیکھا جہاز میں تیل بھرا جا رہا تھا..... مسافر خاموشی سے کھانا کھا رہے تھے..... ایک ایئر ہوسٹس لڑکی نے روتے ہوئے شیر خان سے کہا۔

"سر! مجھے یہیں اتار دیں میری طبیعت خراب ہو رہی ہے"۔

شیر خان نے ایئر ہوسٹس سے کہا۔

"اسے کوئی دوائی دے دو"۔

پھر اس نے گرلز کالج کی تمام سہمی ہوئی لڑکیوں اور دوسرے مسافروں سے کہا۔

"جب تک ہمارے لیڈر کو تمہاری حکومت رہا نہیں کر دیتی تم میں سے کوئی بھی طیارے سے باہر قدم نہیں رکھ سکے گا..... خبردار اب کوئی ہم سے بات کرنے کی کوشش نہ کرے"۔

کمانڈو حمزہ کمانڈو شیر خان کو ایک طرف لے گیا اور بولا۔

"شیر خان! ہمیں شارجہ سے نکل جانا ہو گا..... تمہارے خیال میں ہمیں کہاں جانا چاہئے..... آگے تو مشرق وسطیٰ کے مسلمان ملک شروع ہو جاتے ہیں اور میرا خیال ہے کہ کوئی ملک ہمیں اپنے ایئرپورٹ پر اترنے کی اجازت نہیں دے گا"۔

شیر خان نے کہا۔

"میری مانو..... ہم جہاز کو سیدھا لندن لے چلتے ہیں..... وہاں بھارت کے ہائی کمشنر سے براہ راست بات چیت ہو سکے گی..... برطانوی حکومت مجھے یقین ہے ایک سو ستر مسافروں کی جان بچانے کی خاطر جہاز کو اپنے کسی نہ کسی ایئرپورٹ پر اترنے کی

اجازت دے دے گی"۔

"ٹھیک ہے..... ہم یہاں سے سیدھا لندن کی طرف جائیں گے"۔

جب جہاز میں ایندھن بھرا جا چکا اور کاک پٹ کے ڈائیل نے دکھا دیا کہ تیل کی ٹینکیاں فل ہو گئی ہیں تو کمانڈو حمزہ نے پائلٹ چڈھ سے کہا۔

"یہاں سے لندن کی طرف چلو"۔

پائلٹ نے کہا۔

"اس میں خطرہ ہے"۔

"کیا خطرہ ہے؟" کمانڈو حمزہ نے پوچھا۔

پائلٹ نے کہا۔

"ایئر بس کے لئے جہاز میں ایندھن ناکافی ہو گا"۔

کمانڈو حمزہ نے کہا۔

"میں جانتا ہوں اتنے لمبے روٹ کے لئے کتنے ایندھن کی ضرورت ہوتی ہے..... تم جہاز کو ٹیک آف کرنے کی تیاری کرو"۔

آدھ گھنٹے کے بعد انڈین ایئر لائنز کا طیارہ شارجہ ایئرپورٹ سے پرواز کے بعد فضا میں پہنچ چکا تھا..... اس کا رُخ لندن کی طرف تھا..... چھ سات گھنٹے کی پرواز تھی..... مسافروں کی حالت خراب سے خراب ہوتی جا رہی تھی..... ایک مسافر کو دل کا دورہ بھی پڑ گیا..... اُسے ایئر ہوسٹسوں نے فسٹ ایڈ دے کر کسی قدر سنبھال لیا..... بچے تھوڑی تھوڑی دیر بعد رونے لگتے تھے..... عورتوں پر خوف و ہراس کی کیفیت طاری تھی..... پانچوں مجاہدوں کا مسافروں کے ساتھ رویہ بڑا سخت تھا..... وہ بار بار جہاز کو اُڑا دینے کی دھمکیاں دیتے تھے..... دستی بم ان کے ہاتھوں میں تھے جن کے صرف پن کھینچنے کی دیر تھی۔

کمانڈو حمزہ اور کمانڈو شیر خان نے اعلان کر دیا تھا کہ اگر ہمارا مطالبہ بھارتی

حکومت نے نہ مانا تو ہم جہاز کو اپنے اور تمام مسافروں سمیت دھماکوں سے اُڑا دیں گے
سبھی مسافروں پر موت کا خوف طاری تھا..... کسی کو کچھ خبر نہ تھی کہ ان کا
کیا ہونے والا ہے..... جہاز رات کے وقت برطانیہ کی فضائی حدود میں داخل ہو
ہیتھرو ایئرپورٹ (لندن) کے کنٹرول ٹاور نے جہاز سے رابطہ پیدا کرنے کے بعد پوچھا
"تم کون ہو؟ تم شیڈول کے بغیر ہماری فضا میں غیر قانونی طور پر داخل ہو
ہو..... اپنی شناخت کراؤ"۔

اتنے میں فضا میں گڑگڑاہٹ کی آوازیں گونجنے لگیں..... کمانڈو شیر خان
ایک کھڑکی میں سے باہر دیکھا..... اسے اندھیری فضا میں کچھ لڑاکا جیٹ طیاروں
سائے اور جلتی بجھتی سرخ اور سبز روشنیاں دکھائی دیں..... دو جیٹ لڑاکا طیارے ان
ایئربس کے اوپر سے غوطہ لگا کر گزر گئے۔

کمانڈو حمزہ کاک پٹ میں موجود تھا اس نے لندن کے ہیتھرو ایئرپورٹ سے
رابطہ پیدا کرتے ہوئے جہاز کے پائلٹ چڈہ سے کہا کہ کنٹرول ٹاور کو بتاؤ کہ ہمارے
جہاز کا ایندھن ختم ہو رہا ہے اگر ہمیں ایئرپورٹ پر اترنے کی اجازت نہ دی گئی
جہاز ایک سو ستر مسافروں کے ساتھ گر کر تباہ ہو جائے گا..... ہیتھرو ایئرپورٹ
کنٹرول ٹاور نے پوچھا۔

"تمہاری فلائٹ ہمارے شیڈول میں نہیں ہے..... کیا تمہارا جہاز ہائی جیک
گیا ہے؟"۔

کمانڈو حمزہ نے پستول کی نالی انڈین ہوا باز چڈہ کی کنپٹی سے لگا رکھی تھی اور اسے
پہلے ہی سختی سے منع کر دیا تھا کہ وہ یہ بات ہرگز ہرگز کنٹرول ٹاور کو نہیں بتائے گا
جہاز کو حریت پسندوں نے ہائی جیک کیا ہوا ہے..... انڈین ہوا باز نے کنٹرول ٹاور کو
کہ ہمارا جہاز ہائی جیک نہیں ہوا..... کنٹرول ٹاور نے پوچھا۔

"اگر ہائی جیک نہیں ہوا تو پھر تم بغیر شیڈول اور پیشگی اطلاع کے برطانیہ کی فضا

حدود میں کیسے آ گئے ہو؟"۔

انڈین ہوا باز نے کہا۔

"ہماری ایئربس میں ٹیکنیکل خرابی پیدا ہو گئی تھی..... ہمیں استنبول اترنا تھا مگر ہمارے راڈار نے کام کرنا بند کر دیا اور یوں ہم فضا میں سمت بھول گئے..... ہمارے وائرلیس آپریٹر نے بھی وقتی طور پر کام کرنا بند کر دیا تھا..... ہم چھ گھنٹوں سے فضا میں بھٹک رہے تھے کہ اچانک ہمارا وائرلیس سسٹم اپنے آپ ٹھیک ہو گیا اور راڈار نے بھی دوبارہ کام کرنا شروع کر دیا..... اس دوران ہمارے جہاز کا ایندھن تقریباً ختم ہو چکا تھا..... صرف اتنا ہی تیل باقی تھا کہ ہم کسی جگہ اُتر سکتے تھے..... ہمیں ہمارے فضائی روٹ کے کمپیوٹر نے بتایا کہ ہم برطانیہ کی فضاؤں میں داخل ہو چکے ہیں..... بس یہ ہماری کہانی ہے..... برائے مہربانی ہمیں ہیتھرو ایئرپورٹ پر اترنے کی اجازت دی جائے..... ہم تیل لے کر فوراً واپس استنبول چلے جائیں گے..... مسافروں میں سے اکثر کی حالت خراب ہو رہی ہے"۔

ہیتھرو ایئرپورٹ کے کنٹرول ٹاور پر کچھ دیر خاموشی رہی..... پھر آواز آئی۔

"ہمارے ایئرپورٹ کا کوئی رن وے خالی نہیں ہے..... تم جرمنی چلے جاؤ..... فرینکفرٹ کا ایئرپورٹ یہاں سے قریب ہی ہے..... اس سے رابطہ پیدا کر کے وہاں اتر جاؤ"۔

انڈین ہوا باز چڈہ نے کہا۔

"جہاز میں اتنا ایندھن نہیں ہے..... اگر میں نے فرینکفرٹ کا رُخ کیا تو جہاز راستے میں ہی گر کر تباہ ہو جائے گا"۔

لندن ایئرپورٹ کے کنٹرول ٹاور نے ایک سو ستر انسانی جانوں کو بچانے کے خیال سے انڈین ایئر لائنز کی فلائٹ اے ٹی 310 کو اترنے کی اجازت دے دی۔

عین اس وقت جیکر جہاز کے پہیوں نے زمین پر آ کر رن وے کو چھوا شارجہ میں

مقیم انڈین قونصل جنرل کا لندن میں تعینات بھارتی ہائی کمشنر کو خفیہ پیغام وصول ہوا کہ انڈین ایئر لائنز کا ایک مسافر بردار جہاز جس میں ایک سو ستر مسافر سوار ہیں کشمیری حریت پسندوں نے اغوا کر لیا ہے اور وہ براستہ شارجہ آگے مڈل ایسٹ یا یورپ کے کسی ملک کی طرف جا رہے ہیں..... اگر وہ لندن کے ایئرپورٹ پر اتریں تو جہاز کے مسافروں کو ہر صورت میں دہشت گردوں سے نجات دلائی جائے، کیونکہ مسافروں میں لکھنؤ گرلز کالج کی تیس طالبات بھی ہیں جن میں فوجی جرنیلوں اور اعلیٰ سول آفیسروں کی بیٹیاں بھی شامل ہیں..... لندن میں مقیم بھارتی ہائی کمشنر نے اسی وقت برطانیہ کی وزارت داخلہ کو اس خبر سے آگاہ کر دیا اور اپنے پریس اتاشی کو ہیتھرو ایئرپورٹ کی طرف روانہ کر دیا..... اسی دوران بھارتی ہائی کمشنر کو ان کے عملے کے ہی ایک جاسوس نے آکر اطلاع دی کہ انڈین ایئر لائنز کا ایک مسافر بردار جہاز اے ٹی 310 جس میں ایک سو ستر مسافر سوار ہیں ٹیکنیکل خرابی کے باعث ہیتھرو ایئرپورٹ پر اترا ہے۔ برطانوی وزارت نے برطانیہ کی وزارت سول ایوی ایشن کو اغوا ہونے والے جہاز کی اطلاع کر دی..... سول ایوی ایشن نے ہیتھرو ایئرپورٹ کے چیف سے رابطہ پیدا کیا اور بھارتی طیارے کے بارے میں پوچھا تو ہیتھرو ایئرپورٹ اور کنٹرول ٹاور والوں کو اس وقت معلوم ہوا کہ جہاز کسی ٹیکنیکل خرابی کی وجہ سے ایئرپورٹ پر نہیں اترا بلکہ یہ جہاز ہائی جیک ہو چکا ہے اور اس کی ساری مصیبت اب لندن کے ایئرپورٹ والوں پر اور برطانوی حکومت پر پڑ گئی ہے..... محکمے نے پہلا کام تو یہ کیا کہ سب سے پہلے کنٹرول ٹاور کے ان ارکان کو فوری طور پر معطل کر دیا جو اغوا شدہ طیارے کو ہیتھرو ایئرپورٹ پر اتارنے کے ذمے دار تھے..... اس کے بعد پولیس چیف اور برطانوی فضائیہ کے سربراہ کو بھی اس حادثے سے مطلع کر دیا..... اس کے بعد ہائی جیک کرنے والی پارٹی یعنی اپنے پانچوں کمانڈو مجاہدوں سے بات چیت شروع کر دی۔

اس دوران میں کمانڈو حمزہ نے بھی ہیتھرو ایئرپورٹ لندن کے کنٹرول ٹاور کو بھی

صحیح صورت حال سے آگاہ کرتے ہوئے بتا دیا کہ ہم نے جہاز کو اغوا کیا ہوا ہے اور جہاز کے عملے سمیت ایک سو ستر مسافروں کو یرغمالی بنا لیا ہے اور اگر بھارتی حکومت نے ہمارے کشمیری لیڈر خواجہ اسد اللہ کو چوبیس گھنٹے کے اندر اندر ادھم پور جیل سے رہا نہ کیا تو ہم جہاز کو مسافروں سمیت اُڑا دیں گے۔

اب ہائی جیکنگ کا پیچیدہ اور مسافروں کے لئے انتہائی تکلیف دہ مرحلہ شروع ہو گیا..... بھارتی ہائی کمشنر کے ذریعے بھارتی حکومت سے گفت و شنید ہونے لگی..... پہلے تو انڈین گورنمنٹ نے جہاز کے اغوا اور مجاہدوں کے مطالبات کو کوئی اہمیت نہ دی بلکہ کشمیری حریت پسند لیڈر کو رہا کرنے سے صاف انکار کر دیا، لیکن جب اغوا شدہ جہاز میں موجود بعض بھارتی فوجی جرنیلوں اور اعلیٰ سول افسروں کی طرف سے زبردست دباؤ پڑا تو بھارتی حکومت گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہو گئی..... اس کے باوجود بھارتی حکومت نے برطانوی حکومت سے استدعا کی کہ وہ اپنے کمانڈوز کی مدد سے جہاز کے مسافروں کو رہا کروائے اور ہائی جیکروں کو گرفتار کرنے میں اس کی مدد کرے، جس پر برطانوی حکومت نے یہ کہتے ہوئے کمانڈو ایکشن لینے سے صاف انکار کر دیا کہ ہم جہاز کے مسافروں کو ادویات، خوراک اور ضرورت کی دوسری اشیاء ضرور فراہم کر دیں گے لیکن اپنے کمانڈوز اور مسافروں کی زندگیاں خطرے میں ڈالنے سے گریز کریں گے۔

اس دوران جہاز کو ہیتھرو ایئرپورٹ پر کھڑے تین دن ہو گئے تھے اور جہاز کے مسافروں کی حالت خراب سے خراب ہوتی جا رہی تھی..... تب بھارتی حکومت نے مجاہدوں کے مطالبے کو تسلیم کرنے کا فیصلہ کر لیا..... ساتھ ہی برطانوی حکومت سے کہا کہ وہ جہاز اغوا کرنے والوں کو گرفتار کر کے بھارتی حکومت کے حوالے کر دیں..... برطانیہ کی وزارت داخلہ نے اس کے جواب میں کہا کہ ہائی جیکروں کو ہم بین الاقوامی

ون کے تحت ضرور گرفتار کریں گے، لیکن ان پر ہم اپنی سرزمین پر ہی مقدمہ چلا کر یں سزائیں دیں گے..... ہم انہیں بھارتی حکومت کے حوالے کرنے کے پابند نہیں ں..... اس کا بھارتی حکومت کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔

جب جہاز کے اندر پانچوں مجاہدوں، یعنی کمانڈو حمزہ، کمانڈو شیر خان، شاہد علی، انڈو محمود اور شمشاد کو اطلاع دی گئی کہ انڈین گورنمنٹ کشمیری لیڈر کو رہا کرنے پر ضی ہو گئی ہے تو جہاز مجاہدین کے اللہ اکبر کے نعروں سے گونج اٹھا اور نیم مردہ سافروں کی جان میں بھی جان آئی..... کمانڈو حمزہ نے کنٹرول ٹاور کے ذریعے لندن ں بھارتی ہائی کمشنر سے خواجہ صاحب کی رہائی کا طریق کار یہ طے پایا کہ کشمیری لیڈر کو ھم پور جیل کے باہر کل جماعتی حریت کانفرنس کے قائم مقام سیکرٹری جنرل کے والے کیا جائے گا اور کل جماعتی حریت کانفرنس کے قائم مقام سیکرٹری جنرل سے انڈو حمزہ کی فون پر بات چیت ہو گی..... جب مجاہدوں کو یقین ہو جائے گا کہ ان کے یڈر کو رہا کر کے حریت کانفرنس کے حوالے کر دیا گیا ہے اور وہ انہیں مجاہدوں کے کسی فیہ ٹھکانے پر لے جا چکے ہیں تو جہاز کے تمام مسافروں کو رہا کر دیا جائے گا۔

اس کے بعد مجاہدوں یعنی کمانڈو حمزہ اور کمانڈو شیر خان اور ساتھیوں نے یہ بھی طالبہ کیا کہ ان کی پارٹی کو ایک ہیلی کاپٹر مہیا کیا جائے گا جس میں بیٹھ کر وہ برطانیہ کی رحدوں سے نکل کر کسی دوسرے قریبی ملک میں چلے جائیں گے..... برطانوی حکومت نے مجاہدوں کے اس مطالبے کو تسلیم کر لیا اور جہاز سے کچھ فاصلے پر ایک ہیلی کاپٹر کو لا کر کھڑا کر دیا، لیکن یہ عیار برطانوی حکومت کی ایک چال تھی..... وہ برطانوی حکومت ہر حالت میں پانچوں مجاہدوں کو گرفتار کر کے اپنی عدالتوں میں ان پر مقدمہ چلانا اور انہیں بین الاقوامی قانون کے مطابق موت کی سزا دلوانا چاہتی تھی..... تاکہ برطانوی قانون کی ساکھ بھی قائم رہے اور ان کے انڈیا کے ساتھ تعلقات بھی خراب نہ ہوں"۔

مجاہدوں کا جموں کے ساتھ رابطہ قائم کر دیا گیا..... کل جماعتی حریت کانفرنس کا قائم مقام سیکرٹری وہاں پہنچ گیا..... اس سے خود کمانڈو حمزہ نے بات کی..... وہ سیکرٹری جنرل کی آواز کو اچھی طرح سے پہچانتا تھا..... ایک گھنٹے کے اندر اندر کشمیری لیڈر خواجہ اسد اللہ کو ادھم پور جیل کی پھانسی کی کوٹھڑی سے نکال کر حریت کانفرنس کے سیکرٹری جنرل اور وہاں موجود حریت کانفرنس کے دوسرے لیڈروں کے حوالے کر دیا گیا..... اس کے دو گھنٹوں کے بعد جب حریت کانفرنس کے قائم مقام سیکرٹری نے ٹیلی فون پر ہی کمانڈو حمزہ اور کمانڈو شیر خان اور مجاہد شاہد علی کو بتایا کہ وہ کشمیری لیڈر خواجہ صاحب کو لے کر ایک محفوظ اور خفیہ مقام پر پہنچ چکے ہیں اور خود کشمیری لیڈر نے بھی لندن ایئرپورٹ پر جہاز میں موجود مجاہدوں سے بات کی اور بتایا کہ وہ بالکل محفوظ ہیں اور انہیں دوبارہ پکڑے جانے کا کوئی خطرہ نہیں ہے تو کمانڈو حمزہ نے جہاز کے مسافروں کو رہا کرنے کا اعلان کر دیا۔

اس اعلان سے جہاز کے مسافروں اور عملے کے ارکان میں مسرت کی لہر دوڑ گئی..... سب سے پہلے عورتوں کو، بچوں کو ایمرجنسی دروازوں سے باہر نکالا گیا..... اس کے بعد دوسرے مسافروں کو نکالا گیا..... سب سے آخر میں جہاز کے عملے کے ارکان کو جہاز کی قید سے نجات ملی..... اس دوران کمانڈو حمزہ اور اس کے ساتھیوں کو بتا دیا گیا تھا کہ ان کے لئے ہیلی کاپٹر اتار دیا گیا ہے جو جہاز سے کچھ فاصلے پر کھڑا ہے..... اس ہیلی کاپٹر کو تمام مجاہدوں نے دیکھ بھی لیا تھا..... انہیں یقین دلایا گیا تھا کہ جیسے ہی جہاز میں سے آخری مسافر باہر نکلے گا ہیلی کاپٹر کو جہاز کے پاس لے آیا جائے گا جس میں سوار ہو کر وہ لوگ برطانیہ کی سرحد سے باہر نکل سکیں گے۔

جس وقت طیارے میں سے عملے کے ارکان سمیت تمام مسافر نکل کر ایئرپورٹ کی بلڈنگ میں چلے گئے اور جہاز کے اندر صرف پانچوں مجاہد یعنی کمانڈو شیر خان، کمانڈو حمزہ، محمود، شاہد علی اور شمشاد ہی رہ گئے تو ایئرپورٹ کے کنٹرول ٹاور نے ان سے رابطہ

پیدا کرنے کے بعد کہا۔

آپ کو برطانیہ کی سرحد سے پار لے جانے کے لئے ہیلی کاپٹر تیار کھڑا ہے، لیکن ہماری صرف ایک شرط ہے کہ آپ اپنے پستول اور دستی بم ہمارے حوالے کر دیں، کیونکہ اگر یہ اسلحہ آپ کے پاس رہے گا تو ہمیں خطرہ ہے کہ آپ ہمارے ہیلی کاپٹر کو بھی عملے سمیت اغوا کر کے کسی طرف لے جا سکتے ہیں..... ایسا ہم صرف اپنی حفاظت کے لئے کر رہے ہیں"۔

اس پیغام کے ملتے ہی پانچوں مجاہد کمانڈو آپس میں مشورہ کرنے لگے..... کمانڈو شیر خان نے کہا۔

"یہ ان لوگوں کی کوئی چال بھی ہو سکتی ہے..... عین ممکن ہے انہوں نے ہمیں گرفتار کرنے کا پروگرام بنایا ہوا ہو"۔

کمانڈو حمزہ کہنے لگا۔

"لیکن اب ہم کیا کر سکتے ہیں..... ہم نے تو اپنی تمام کشتیاں جلا دی ہیں..... ہمارے پاس دوسرا کوئی راستہ نہیں ہے سوائے اس کے کہ اپنا اسلحہ ان کے حوالے کر دیں"۔

شاہد علی بولا۔

"ہم ایک دستی بم اور ایک پستول چھپا کر اپنے پاس رکھ لیتے ہیں..... اگر ہمیں گرفتار کرنے کی کوشش کی گئی تو ہم اپنی مدافعت کر سکیں گے"۔

کمانڈو حمزہ نے کہا۔

"مسافروں نے لندن پولیس کو بتا دیا ہے کہ ہم پانچ مجاہد ہیں اور ہم میں سے ہر ایک کے پاس ایک ایک پستول اور ایک ایک دستی بم ہے..... کنٹرول ٹاور پر سے سکاٹ لینڈ یارڈ کے چیف نے باقاعدہ کہا ہے کہ ہمیں پانچوں پستول اور دستی بم ان کے حوالے کرنے ہوں گے"۔

کمانڈو محمود بولا۔

"ہم سے غلطی ہو گئی ہے..... ہمیں ایک دو مسافر یرغمالی بنا کر جہاز میں ہی رکھنا چاہئے تھے..... اب کچھ نہیں ہو سکتا..... ہمیں پولیس کے مطالبے کو تسلیم کرنا پڑے گا"۔

اتنے میں ایک ہیلی کاپٹر جہاز کے اوپر چکر لگاتا ہوا آیا اور جہاز سے کچھ دُور رن وے پر اتر گیا..... کمانڈو شیر خان بولا۔

"ہیلی کاپٹر بھی آ گیا ہے"۔

کمانڈو حمزہ نے کہا۔

"غور سے دیکھو..... ہیلی کاپٹر میں پائلٹ کے علاوہ کون کون ہے؟"۔

وہ سب جہاز کی کھڑکیوں میں سے کچھ فاصلے پر کھڑے ہیلی کاپٹر کو دیکھنے لگے۔

شاہد علی بولا۔

"مجھے صرف پائلٹ ہی نظر آ رہا ہے، ہو سکتا ہے کچھ کمانڈوز اندر چھپے ہوئے ہوں"۔

کمانڈو شیر خان نے کہا۔

"ہم بھی یہ شرط رکھ دیتے ہیں کہ ہم ہیلی کاپٹر کی تلاشی لینے کے بعد اس میں سوار ہوں گے"۔

کمانڈو حمزہ نے وائرلیس کے ذریعے کنٹرول ٹاور کو اپنی شرط سے آگاہ کر دیا۔ کنٹرول ٹاور میں بیٹھے ہوئے پولیس چیف نے جواب میں کہا۔

"آپ لوگ ہیلی کاپٹر کی تلاشی لے سکتے ہیں"۔

اس وقت رات کا پچھلا پہر شروع ہو چکا تھا..... ایئرپورٹ کے ٹرمینل میں کافی روشنیاں تھیں مگر جس الگ تھلگ رن وے پر اغوا کیا ہوا جہاز کھڑا تھا وہاں اندھیرا تھا..... صرف جہاز کے اندر کی بتیاں روشن تھیں یا پھر ہیلی کاپٹر پر سرخ اور سبز بتیاں جل بجھ رہی تھیں..... کمانڈو حمزہ نے مشورہ دیا کہ ہم لوگ پوزیشنیں بنا کر اندھیرے

میں ہیلی کاپٹر کی طرف جائیں گے..... تاکہ اگر ہیلی کاپٹر کے اندر سے فوجی ہم پر حملہ کر دیں تو ہم ان کا مقابلہ کر سکیں۔

مجاہد شاہد علی نے کہا۔

"ہمارے پاس صرف پستول ہیں اور پانچ دستی بم ہیں..... ہم زیادہ دیر تک مقابلہ نہیں کر سکیں گے"۔

کمانڈو شیر خان بولا۔

"اگر ہم پر حملہ کیا گیا تو ہم یونہی تو اپنے آپ کو ان کے حوالے نہیں کر دیں گے..... ہم آخر دم تک مقابلہ کریں گے اور اگر حالات ہمارے خلاف ہو گئے تو ہم میں سے ہر کوئی فرار ہونے کی کوشش کرے گا..... پھر ایک دوسرے کی خبر رکھنے کی ضرورت نہیں ہو گی، جس کو جس طرف راستہ ملے گا بھاگ جائے گا..... اگر زندہ رہے تو پھر بھی ملاقات ہو جائے گی، مگر کنٹرول ٹاور کو ہم یہی بتائیں گے کہ ہمارا ایک کمانڈو ہیلی کاپٹر کی تلاشی لینے آ رہا ہے..... باقی ہم چاروں کمانڈو اندھیرے میں متحرک پوزیشنیں بنا کر اپنے ساتھی کو حفاظتی چھتری یعنی کور شیلڈ مہیا کریں گے"۔

اس فیصلے کے بعد کمانڈو حمزہ نے وائرلیس پر کنٹرول ٹاور سے رابطہ قائم کیا اور پولیس چیف سے کہا۔

"ہمارا ایک آدمی ہیلی کاپٹر کی تلاشی لینے جہاز سے باہر نکل رہا ہے..... اگر اس نے ہمیں اشارہ کر دیا کہ ہیلی کاپٹر میں پولیس یا فوجی موجود نہیں ہیں تو ہم اسلحہ آپ کے آدمی کے حوالے کر کے ہیلی کاپٹر میں سوار ہو جائیں گے"۔

پولیس چیف نے کہا۔

"ہمیں منظور ہے..... آپ اپنا آدمی ہیلی کاپٹر کی طرف بھیجیں"۔

سکاٹ لینڈ یارڈ یعنی لندن کی پولیس نے جو چال چلی تھی اس سے یہ مجاہد بدقسمتی سے بے خبر تھے..... جس وقت پولیس چیف نے کمانڈو حمزہ سے کہا تھا کہ اپنا آدمی ہیلی

کاپٹر کی طرف بھیجیں، اس وقت تک برٹش آرمی کی کمانڈو بٹالین کے فوجی جہاز اور ہیلی کاپٹر کے اِردگرد اندھیرے میں پوزیشنیں سنبھال چکے تھے..... کمانڈو شمشاد ہیلی کاپٹر کی چیکنگ کے لئے جہاز سے اتر کر ہیلی کاپٹر کی طرف بڑھا..... جیسے ہی وہ ہیلی کاپٹر کے قریب پہنچا اور اس پر ہیلی کاپٹر کی روشنی پڑی، گھات میں چھپے ہوئے برٹش کمانڈو پارٹی نے اس پر فائر کھول دیا..... کمانڈو شمشاد گولیوں سے چھلنی ہو کر گرا..... کمانڈو حمزہ نے چلا کر کہا۔

"شیر خان! اٹیک!"۔

اس کے ساتھ ہی کمانڈو شیر خان، شاہد علی، کمانڈو محمود اور کمانڈو حمزہ نے جس طرف سے کمانڈو شمشاد پر فائر آیا تھا اس طرف فائرنگ شروع کر دی..... کمانڈو حمزہ نے ہینڈ گرنیڈ بھی پھینکا، لیکن صرف پستولوں اور چار دستی بموں سے یہ لوگ برٹش آرمی کی پوری کمانڈو بٹالین کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے..... کمانڈو شمشاد تو شہید ہو چکا تھا..... انہوں نے منصوبے کے مطابق فائرنگ کرتے ہوئے اندھیرے میں رن وے کے دوسرے رُخ کی جانب کھسکنا شروع کر دیا۔

ان پر برطانوی کمانڈوز کا بے پناہ فائر آ رہا تھا، لیکن یہ بھی کمانڈو تھے..... انہیں اپنا بچاؤ کرنا آتا تھا، مگر وہ ایک دوسرے سے الگ ہو گئے تھے..... ایک کو دوسرے اور دوسرے کو اپنے تیسرے ساتھی کی خبر نہیں تھی..... ان کا منصوبہ بھی یہی تھا کہ اگر حملہ ہو جائے تو جان بچا کر جس طرف راہ ملے فرار ہونے کی کوشش کی جائے..... کمانڈو شیر خان بھی اپنے ساتھیوں سے جدا ہو چکا تھا اور رن وے کی دوسری طرف گھاس اور جھاڑیوں کی آڑ لیتا پیچھے ہٹ رہا تھا..... ساتھ ساتھ وہ اکا دکا فائر بھی کرتا جا رہا تھا..... اس کے پاس صرف ایک ہی میگزین تھا جس کی گولیاں ختم ہوتی جا رہی تھیں..... اس کے پاس صرف ایک دستی بم تھا جو اس نے کسی خطرناک موقع کے لئے سنبھال لیا تھا۔

وہ اندھیرے میں تھا..... کھلی جگہ پر آیا تو وہاں سرد دھند نے کمانڈو شیر خان کو ایک اچھی آڑ مہیا کر دی تھی..... اس کے میگزین میں چند ایک گولیاں ہی باقی رہ گئی تھیں، جس طرف وہ پیچھے ہٹتا جا رہا تھا اس طرف کچھ فاصلے پر تین بلند عمارتیں نظر آ رہی تھیں جن میں روشنی ہو رہی تھی..... ان عمارتوں کے پیچھے تاریکی چھائی ہوئی تھی..... کمانڈو شیر خان لندن صرف ایک بار ہی آیا تھا اور یہاں کے علاقوں سے وہ زیادہ واقف نہیں تھا، لیکن اس وقت اسے ہر حالت میں اپنی جان بچانی تھی اور بے موت نہیں مرنا تھا..... وہ رات کے پچھلے پہر کے اندھیرے اور لندن کی سرد دُھند میں دُور سے نظر آنے والی عمارتوں کی دُھندلی روشنیوں کی طرف دوڑنے لگا۔

یہ عمارتیں بھی ہیتھرو یعنی لندن ایئرپورٹ کا ایک حصہ تھیں..... کمانڈو شیر خان ان کے پہلو سے ہو کر آگے نکل گیا..... آگے خاردار تاروں کی ایک اونچی لمبی دیوار تھی..... شیر خان دیوار کے ساتھ پیچھے کی طرف دوڑنے لگا..... لندن کا رات کے پچھلے پہر کا آسمان سرد اور تاریک تھا..... صرف مشرقی اُفق پر ہلکی ہلکی بیمار سی سفید روشنی اُبھرنے لگی تھی..... خاردار دیوار ختم ہونے میں ہی نہیں آتی تھی..... شیر خان نے دستی بم اپنی پتلون کی پچھلی جیب میں رکھ لیا تھا..... اس کے ہاتھ میں آٹو میٹک پستول تھا جس میں چند ایک گولیاں ہی باقی رہ گئی تھیں..... اس نے سرد دُھند اور اندھیرے میں دیکھا کہ دیوار کے نیچے ایک جگہ گڑھا پڑا ہوا تھا..... شاید وہاں سے بارش کا پانی مسلسل گزر رہا تھا جس کی وجہ سے پانی وہاں سے مٹی کو بہا کر لے گیا تھا۔

کمانڈو شیر خان گڑھے میں اُتر کر رینگ کر خاردار تار والی دیوار کی دوسری طرف آ گیا..... اب وہ لندن ایئرپورٹ کی حدود سے نکل آیا تھا..... اس نے ایک چھوٹی سی سڑک کراس کی اور سامنے درختوں کے جھنڈ میں گھس گیا..... یہ کوئی جنگل نہیں تھا بلکہ بہت بڑا پارک تھا..... پارک کے وسط میں میدان تھا جس کے کنارے کنارے لکڑی کا جنگلا لگا ہوا تھا..... کمانڈو شیر خان جنگلے کے ساتھ ہو کر تیز تیز چلنے لگا..... اب

وہ دوڑ نہیں رہا تھا..... اسے یقین ہو گیا تھا کہ وہ کسی حد تک خطرے کی حدود سے دور ہو چکا ہے..... اس نے ایک جگہ رُک کر اپنے سانس کو بحال کیا..... اپنی جیبوں کی تلاشی لی..... اس کے پاس انڈین کرنسی کے سو سو کے تین نوٹ اور کچھ ریزگاری تھی..... یہ کرنسی لندن میں فوری طور پر اس کے کام نہیں آسکتی تھی..... یہ کرنسی برطانوی پونڈ میں تبدیل ہو کر ہی اس کے کسی کام آسکتی تھی۔

حالت یہ تھی کہ کمانڈو شیر خان اس علاقے سے بالکل بے خبر تھا..... سردی بڑی شدید پڑ رہی تھی اس نے صرف ایک قمیض ہی پہن رکھی تھی..... دوڑتے اور تیز تیز چلتے وقت تو اسے سردی کا اتنا زیادہ احساس نہیں ہو رہا تھا لیکن اب جبکہ وہ نارمل رفتار سے چل رہا تھا اور کوئی پناہ گاہ تلاش کرنے کی فکر میں تھا تو اسے سردی لگنے لگی تھی..... یورپ کی سردی ہمارے ہاں کی سردی سے بڑی مختلف اور شدید ہوتی ہے..... ہمارے ملک میں تو سردی سے بچنے کے لئے دھوپ میں بیٹھو تو بڑی گرمائش ملتی ہے، لیکن یورپ کی سردی میں آدمی کو دھوپ میں بھی سردی لگتی ہے..... سردی کا مسئلہ تو ثانوی حیثیت رکھتا تھا، اس وقت کمانڈو شیر خان کو یہ فکر تھی کہ کوئی ایسی خفیہ پناہ گاہ مل سکے کہ جہاں چھپ کر وہ دن کا کچھ وقت گزار سکے..... غور کر کے اور پھر سوچ بچار کے بعد کوئی دوسرا قدم اٹھا سکے..... دوسرا قدم اس کے ذہن میں تھا کہ کسی طریقے سے لندن میں پاکستان کے سفارت خانے تک پہنچا جائے..... پاکستانی سفارت خانہ ہی اس کے لئے ایک آخری پناہ گاہ ثابت ہو سکتا تھا۔

پارک ختم ہو گیا تھا..... وہ ایک چھوٹی سڑک پر نکل آیا تھا جس پر کھمبے لگے تھے اور مرکری لائٹس روشن تھیں..... دُھند کی وجہ سے ان کی روشنی زیادہ دُور تک نہیں پڑ رہی تھی..... آسمان پر صبح کی پہلی پھیکی پھیکی روشنی ظاہر ہونے لگی تھی..... اچانک پولیس کی گاڑی کے سائرن کی آواز سنائی دی..... کمانڈو شیر خان وہیں رُک کر ایک درخت کے پیچھے ہو گیا..... اس نے پیچھے کی طرف دیکھا..... چھوٹی سڑک پر دُھند میں

رہی تھی..... اس دُھند میں پولیس کی گاڑی کی گھومتی ہوئی روشنی سائرن کی آواز کے ساتھ دُھند میں سڑک پر بڑھتی چلی آ رہی تھی..... شیر خان جلدی سے سڑک سے ہٹ کر پارک کے درختوں میں گھس گیا..... جب پولیس کی ویگن سائرن بجاتی گزر گئی تو شیر خان سڑک پر آ گیا اور سوچنے لگا کہ کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ یہ سڑک آگے کسی پولیس سٹیشن کو جاتی ہو، مگر کمانڈو شیر خان کو ہر حالت میں ایئرپورٹ کے علاقے سے دُور نکلنا تھا..... اس نے اس سڑک کو چھوڑ دیا پارک میں آ گیا اور اس کے میدان کو پار کر کے پارک کی دوسری جانب نکل گیا..... اس وقت تک صبح کی پھیکی روشنی پھیل گئی تھی۔

اس کے سامنے ایک اور چھوٹی سی سڑک تھی جس کی دوسری طرف ڈھلان پر چھوٹے چھوٹے کاٹیج نما مکان ایک قطار کی شکل میں دُور تک چلے گئے تھے..... ہر مکان کے آگے چھوٹا سا لان تھا اور باڑ لگی ہوئی تھی..... ایک لڑکا تیز تیز سائیکل چلاتا ہر کاٹیج کے لان میں اخبار پھینکتا جا رہا تھا..... سڑک پر سے ایک دو منزلہ سرخ بس گزر گئی..... یہ لندن کی خاص دو منزلہ سرخ بس تھی۔

کمانڈو شیر خان کی ایک جیب میں پستول تھا اور عقبی جیب میں دستی بم تھا..... یہ دونوں چیزیں اسے دہشت گرد ثابت کرنے کے لئے کافی تھیں..... وہ ایک طرف ہو کر سوچنے لگا کہ اسے کیا کرنا چاہئے..... دستی بم کو تو اس نے جیب سے نکال کر ایک طرف جھاڑیوں میں لڑھکا دیا..... پستول وہ اس وقت تک اپنے پاس ہی رکھنا چاہتا تھا جب تک اسے پورا اطمینان نہیں ہو جاتا تھا کہ وہ خطرے سے نکل چکا ہے، مگر جب تک وہ پاکستانی سفارت خانے میں نہیں پہنچ جاتا اس کے لئے ہر طرف خطرہ ہی خطرہ تھا..... خاص طور پر جبکہ اس کی جیب میں آٹومیٹک کمانڈو پستول بھی تھا..... کچھ سوچ کر اس نے پستول بھی جھاڑیوں میں ایک طرف پھینک دیا..... وہ لندن کے شہری آبادی والے علاقے میں تھا اور یہاں اسے پستول وغیرہ کی ضرورت نہیں تھی..... اس وقت تو اس

کے سامنے ایک ہی مسئلہ تھا کہ وہ کسی طرح پاکستانی سفارت خانے کی حدود میں داخل ہو جائے..... پاکستانی سفارت خانے کی چار دیواری میں پہنچنے کے بعد وہ بالکل محفوظ ہو جاتا تھا۔

کمانڈو شیر خان کو اپنے ساتھیوں کا خیال بھی آ رہا تھا کہ خدا جانے وہ کس حال میں ہوں گے..... ایئرپورٹ سے نکل جانے میں کامیاب بھی ہوئے ہوں گے یا پولیس نے انہیں گرفتار کر لیا ہو گا..... جیسے جیسے دن نکل رہا تھا سڑک پر ٹریفک کی آمد و رفت زیادہ ہو رہی تھی..... شیر خان جھاڑیوں میں سے نکل کر سڑک کے کنارے آ کر کھڑا ہو گیا..... اس کا خیال تھا کہ سڑک کراس کر کے دوسری طرف نکل جائے گا اور کسی مارکیٹ وغیرہ سے انڈین کرنسی کو برطانوی کرنسی میں تبدیل کروانے کی کوشش کرے گا۔

اچانک اس کی نگاہ ایک خالی ٹیکسی پر پڑی..... ایک دم سے شیر خان کو ایک خیال آیا اور اس نے ٹیکسی کو ہاتھ دے دیا..... ٹیکسی اس کے پاس آ کر رُک گئی..... شیر خان اس میں بیٹھ گیا اور ڈرائیور سے کہا۔

"پاکستانی سفارت خانے چلو"۔

ٹیکسی ڈرائیور انگریز گورا ہی تھا..... اس نے میٹر ڈاؤن کیا اور ٹیکسی سڑک پر چل پڑی..... خدا جانے ٹیکسی کون کون سے علاقے سے گزرنے کے بعد ایک جگہ آ کر رُک گئی..... سامنے ایک عمارت تھی جس کے آہنی گیٹ کے باہر دائیں بائیں دو انگریز سنتری کھڑے پہرہ دے رہے تھے..... گیٹ کے اوپر پاکستانی پرچم لہرا رہا تھا..... اگر آپ نے یہ دیکھنا ہے کہ اپنے وطن کی محبت کیا شے ہوتی ہے تو کبھی کسی دُور دراز ملک میں کسی جگہ پاکستانی پرچم کو لہراتے ہوئے دیکھ لیں۔

شیر خان کو ایسے محسوس ہوا جیسے وہ ہزارہا بلاؤں اور مصیبتوں سے نکلنے کے بعد اپنے گھر پہنچ گیا ہے جہاں اسے کسی قسم کا کوئی خطرہ نہیں ہے..... اس نے ٹیکسی ڈرائیور

سے کہا۔

"تم تھوڑی دیر انتظار کرو..... مجھے اندر پانچ منٹ کا کام ہے..... اگر مجھے زیادہ وقت لگا تو میں تمہیں اندر سے ٹیکسی کا کرایہ بھیج دوں گا"۔

انگریز ٹیکسی ڈرائیور نے اوکے کیا اور ٹیکسی پارکنگ میں ایک طرف کھڑی کر دی..... کمانڈو شیر خان نے گیٹ پر موجود گارڈ سے کہا کہ وہ پاکستان کے کسی بھی سفارت کار سے ملنا چاہتا ہے..... گارڈ نے گیٹ پر ڈیوٹی روم میں فون کیا اور کمانڈو شیر خان سے کہا کہ وہ ڈیوٹی آفیسر سے بات کرے..... شیر خان نے ڈیوٹی آفیسر سے کہا کہ مجھے پاکستان کے کسی بھی سفارت کار سے بڑا ضروری ملنا ہے..... میں پاکستانی ہوں، ڈیوٹی آفیسر نے کہا۔

"اندر آ جاؤ"۔

اس نے ڈیوٹی روم سے جو گیٹ کے قریب ہی تھا گارڈ کو کوئی سگنل دیا..... گارڈ نے شیر خان کو ڈیوٹی روم میں پہنچا دیا..... اندر ایک خوش لباس پاکستانی نوجوان بیٹھا ہوا کسی سے فون پر بات کر رہا تھا..... اس نے فون کرتے ہوئے نظریں اٹھا کر شیر خان کا جائزہ لیا اور لندن کی شدید سردی میں کسی حد تک ٹھٹھرے ہوئے کمانڈو شیر خان سے زیادہ متاثر نہ ہوا..... سمجھ گیا کہ یہ بھی کوئی ایسا ہی پاکستانی نوجوان ہے جس کا لندن میں کوئی جاننے والا نہیں ہو گا..... یونہی سیر کرنے آ گیا ہے اور جیب کٹ گئی ہو گی اور زرِ مبادلہ کے ساتھ پاسپورٹ بھی جاتا رہا ہو گا..... ڈیوٹی افسر نے ہاتھ کے اشارے سے کمانڈو شیر خان کو بیٹھنے کے لئے کہا..... شیر خان میز کے ساتھ رکھی ہوئی کرسی پر بیٹھ گیا..... ڈیوٹی روم کے آتشدان میں بجلی کے ہیٹر کی بجائے پتھر کے کوئلے جل رہے تھے جن کی وجہ سے اندر پڑی پر سکون گرمائی تھی..... شیر خان کو لگا جیسے کسی نے اس کے کندھوں پر کمبل ڈال دیا ہے..... میز پر تین چار انگریزی اخبار پڑے ہوئے تھے..... کمانڈو شیر خان نے ان پر نگاہ ڈالی..... ایک اخبار کے پہلے صفحے پر درمیان میں

جہاز کے ہائی جیک کرنے کی خبر بڑی سرخی کے ساتھ چھپی ہوئی تھی اور طیارے کی تصویر بھی چھپی تھی۔

اتنے میں ڈیوٹی آفیسر نے ٹیلی فون بند کیا اور کمانڈو شیر خان کی طرف متوجہ ہو کر پوچھا۔

"آپ پاکستان سے آئے ہیں؟"۔

شیر خان نے کہا۔

"جی ہاں"۔

ڈیوٹی ا ے پوچھا۔

"ہم آپ کی کیا خدمت کر سکتے ہیں"۔

شیر خان نے کہا۔

"باہر ٹیکسی کھڑی ہے..... پہلا کام تو یہ کیجئے کہ اُسے تین پونڈ کرایہ بھجوا کر اسے فارغ کر دیں، کیونکہ میرے پاس برطانوی کرنسی نہیں ہے"۔

ڈیوٹی افسر نے ایک ناگوار سی نظر شیر خان پر ڈالی اور ایک آدمی سے کہا کہ باہر جا کر ٹیکسی کا کرایہ ادا کر دے..... اس کے بعد اس نے شیر خان سے کہا۔

"اب فرمایئے..... ہم آپ کی کیا خدمت کر سکتے ہیں؟"۔

شیر خان نے کہا۔

"مجھے پاکستان کے ہائی کمشنر صاحب سے ملنا ہے اور میری ملاقات بہت ضروری ہے"۔

ڈیوٹی افسر نے پوچھا۔

"آپ کس سلسلے میں ملنا چاہتے ہیں..... آپ کا نام کیا ہے..... کیا آپ کے پاس پاکستانی پاسپورٹ موجود ہے؟"۔

کمانڈو شیر خان نے کہا۔

"میں ان سارے سوالوں کے جواب ہائی کمشنر صاحب کو ہی دوں گا..... آپ مجھے ان سے ملوا دیں"۔

ڈیوٹی افسر نے کہا۔

"ہائی کمشنر صاحب تو اس وقت آؤٹ آف سٹیشن ہیں"۔

شیر خان نے کہا۔

"ان کی جگہ جو کوئی بھی کام کر رہے ہوں مجھے ان سے ملوا دیں"۔

"آپ کو کام کیا ہے" ڈیوٹی افسر نے کہا..... "مجھے بتائیں میں آپ کی خدمت کرنے کو تیار ہوں"۔

کمانڈو شیر خان نے کہا۔

"میں آپ کو کچھ نہیں بتا سکتا"۔

ڈیوٹی افسر نے انٹر کام پر کسی سے بات کی اور شیر خان سے کہا۔

"میرے ساتھ آئیں..... میں آپ کو فسٹ سیکرٹری صاحب سے ملوا دیتا ہوں"۔

ڈیوٹی افسر کمانڈو شیر خان کو ایک کمرے میں لے گیا جہاں آتشدان دہک رہا تھا..... فضا نیم گرم اور پر سکون تھی..... وہاں فسٹ سیکرٹری سے شیر خان کی ملاقات ہوئی تو اس نے بھی پہلا سوال شیر خان سے یہی کیا کہ آپ کون ہیں اور کس لئے آئے ہیں..... اس وقت کمرے میں سوائے شیر خان اور فسٹ سیکرٹری کے تیسرا کوئی نہیں تھا..... کمانڈو شیر خان نے کہا۔

"میرا نام شیر خان ہے..... میں کشمیری حریت پسند ہوں"۔

فسٹ سیکرٹری نے شیر خان کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

"آپ طیارہ ہائی جیک کر کے لائے تھے ناں؟"۔

"جی ہاں" شیر خان نے کہا۔

فسٹ سیکرٹری نے کہا۔

"دیکھئے شیر خان صاحب..... ہمارا طیارے کے اغوا سے کوئی تعلق نہیں ہے اور ہم خواہ مخواہ کسی پریشانی میں نہیں اُلجھنا چاہتے..... پاکستان کشمیری حریت پسندوں کی اخلاقی اور سیاسی مدد ضرور کرتا ہے، مگر ہم کسی بھی ملک کا طیارہ اغوا کرنے کے حق میں نہیں ہیں..... آپ کے پاس پاسپورٹ بھی نہیں ہے..... آپ کے پاس کوئی ثبوت نہیں کہ آپ پاکستانی نیشنل ہیں..... آپ انڈین مسلمان بھی ہو سکتے ہیں"۔

کمانڈو شیر خان نے کہا۔

"میں صرف اتنا ہی کہہ سکتا ہوں کہ میں اور میرے ساتھی..... ہم کشمیری حریت پسند ہیں اور ہم نے اپنی جان کی بازی لگا کر اپنے کشمیری لیڈر کو بھارت کی قید سے رہائی دلائی ہے، لیکن برطانیہ کی کمانڈو بٹالین نے وعدہ خلافی کرتے ہوئے آخری وقت میں ہم پر حملہ کر کے ہمارے ایک مجاہد کو شہید کر دیا..... ہم کل پانچ مجاہد تھے..... مجھے معلوم نہیں میرے باقی تین ساتھیوں کا کیا انجام ہوا..... میں تو فرار ہو کر یہاں پہنچ گیا ہوں"۔

فسٹ سیکرٹری نے کہا۔

"آج کے تمام اخباروں میں یہی لکھا ہے کہ ہائی جیکنگ کا ڈرامہ ختم ہو گیا ہے..... مسافروں کو رہا کروالیا گیا ہے..... برطانوی کمانڈوز کے ساتھ جھڑپ میں ایک کشمیری ہائی جیکر ہلاک ہو گیا ہے..... باقی چار ہائی جیکر فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے ہیں"۔

کمانڈو شیر خان نے کہا۔

"اس خبر سے یہ تو ضرور ثابت ہو گیا ہو گا کہ ہم ہندوستانی یعنی بھارتی نہیں ہیں..... کشمیری حریت پسند ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہم پاکستانی مسلمان ہیں..... ہم ایک مسلمان کی حیثیت سے اپنی مرضی سے آزادی کشمیر کے جہاد میں شریک ہوئے ہیں..... ہمیں پاکستان کی حکومت نے کشمیر کے محاذ پر نہیں بھیجا تھا..... آپ صرف اتنا

کیجئے کہ ہمارے عارضی پاسپورٹ بنوا کر ہمیں واپس پاکستان پہنچانے کا انتظام کروا دیجئے تاکہ ہم کشمیر کے محاذ پر واپس جا کر جہاد فی سبیل اللہ میں شامل ہو سکیں"۔

فسٹ سیکرٹری نے کہا۔

"اس وقت آپ ہی میرے سامنے موجود ہیں..... میں آپ کا عارضی پاسپورٹ بنوا کر آپ کو پاکستان واپس بھجوانے کا انتظام کر دوں گا..... اگرچہ اس میں بھی ہمیں اور آپ کو رازداری سے کام لینا ہو گا تاکہ ہمارے ملک پر یہ الزام عائد نہ ہو سکے کہ ہائی جیکنگ کی اس واردات میں پاکستان ملوث تھا، جبکہ آپ بھی جانتے ہیں کہ ایسی بات نہیں ہے"۔

کمانڈو شیر خان نے کہا۔

"مجھے پاکستان کی عزت اور پاکستان کا وقار اپنی جان سے بڑھ کر عزیز ہے..... ہماری طرف سے آپ مطمئن رہیں کہ اس واردات میں پاکستان کا نام نہیں آنے پائے گا..... بھارتی حکومت اگر پاکستان کے خلاف پراپیگنڈہ کرتی ہے تو اس کا علاج ہمارے پاس نہیں ہے"۔

فسٹ سیکرٹری نے کہا۔

"بھارتی حکومت کو ایسا کرنے دیں..... جب ان کے پاس ہائی جیکنگ میں ہمارے ملک کے ملوث ہونے کا کوئی ثبوت نہیں ہو گا تو ان کا پراپیگنڈہ اپنے آپ بے اثر ہو جائے گا..... لیکن آپ کو ہر حالت میں احتیاط سے کام لینا ہو گا..... آپ کو ہم کل ہی کسی فلائٹ پر پاکستان روانہ کر دیں گے..... اس وقت تک آپ ہمارے سفارت خانے میں ہی رہ سکتے ہیں"۔

کمانڈو شیر خان نے کہا۔

"جب تک مجھے اپنے ساتھیوں کے بارے میں علم نہیں ہو جاتا کہ وہ کہاں ہیں اور کس حال میں ہیں میں واپس نہیں جا سکتا..... مجھے ہر حالت میں پہلے انہیں تلاش

کرنا ہوگا"۔

"تو پہلے آپ اپنے ساتھیوں کا کھوج لگالیں..... جب وہ آپ کو مل جائیں تو ہمیں اطلاع کردیں"۔

کمانڈو شیر خان نے کہا۔

"میرے پاس برطانوی کرنسی نہیں ہے..... مجھے اتنی رقم دے دیجئے کہ میں کسی معمولی سے ہوٹل میں دو ایک روز رہ کر اپنے ساتھیوں کو تلاش کروں"۔

فسٹ سیکرٹری نے کہا۔

"اس کا بندوبست ہو جائے گا"۔

اس کے بعد فسٹ سیکرٹری نے کمانڈو شیر خان کو اتنی رقم دے دی کہ وہ کسی معمولی درجے کے ہوٹل میں کم از کم تین دن تک ٹھہر سکتا تھا..... اس نے شیر خان کو لندن کے ایک علاقے میں ایک غریبانہ ہوٹل کا پتہ بھی بتادیا۔

کمانڈو شیر خان کو بخوبی علم تھا کہ اتنے بڑے شہر لندن میں اپنے مفرور ساتھیوں کو تلاش کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے، بلکہ قریب قریب ناممکن ہے، لیکن وہ اکیلا پاکستان واپس جا بھی نہیں سکتا تھا..... سفارت خانے میں ہی شیر خان کو گرم سویٹر، گرم جیکٹ اور مفلر پہننے کو دیا گیا، کیونکہ لندن کی شدید سردی روکنے کے لئے اس کی خالی قمیض ناکافی تھی..... شیر خان سفارت خانے سے نکل کر ایک ٹیکسی میں بیٹھا، لندن کے اس علاقے کی طرف روانہ ہوا جس کا پتہ اسے دیا گیا تھا۔

لندن کا یہ علاقہ ایسا تھا کہ یہاں نیگرو، بھارتی، بنگلہ دیشی، سری لنکن اور فلپائنی باشندے آباد تھے..... ان میں پاکستانی بھی تھے..... یہاں ایک چھوٹے سے درمیانے درجے کے ہوٹل میں کمانڈو شیر خان نے ایک کمرہ کرائے پر لے لیا..... اس کا خیال تھا کہ اگر اس کے ساتھی لندن میں ہی ہیں اور لندن سے فرار ہونے میں کامیاب نہیں ہوئے تو اس بات کا امکان ہے کہ وہ اس علاقے میں کسی جگہ چھپنے کی کوشش کریں،

کیونکہ یہاں ان کے وطن کے لوگ آباد ہیں..... خوش قسمتی کی بات یہ ہوئی تھی کہ لندن کے اخباروں میں اس کی اور اس کے ساتھیوں میں سے کسی کی تصویر نہیں چھپی تھی، کیونکہ لندن پولیس اور پریس کے فوٹوگرافران کی تصویریں نہیں لے سکے تھے، ورنہ شیر خان فوراً پہچان لیا جاتا اور پولیس کو اس کی اطلاع مل جاتی۔

اس وجہ سے کمانڈو شیر خان کو اپنا حلیہ بدلنے کی بھی ضرورت نہیں تھی..... کمانڈو شیر خان کا کمرہ ہوٹل کی دوسری منزل کے کونے میں تھا..... اگرچہ اس کمرے کا کرایہ زیادہ نہیں تھا مگر شیر خان کے پاس اتنے ہی پیسے تھے کہ وہ ہوٹل میں زیادہ سے زیادہ تین دن بسر کرسکتا تھا..... ان تین دنوں میں اسے اپنے ساتھیوں کمانڈو حمزہ، مجاہد شاہد علی وغیرہ کو تلاش کرنا تھا اور اگر وہ اپنی تلاش میں ناکام رہتا ہے تو اسے واپس پاکستان چلے جانا تھا..... سفارت خانے والوں کے ساتھ یہی کچھ طے ہوا تھا..... اس علاقے کا ماحول بالکل اپنے وطن کے بازاروں جیسا تھا..... یہاں بھارتیوں، پاکستانیوں، بنگلہ دیشیوں کی دکانیں بھی تھیں اور ان کے ریستوران بھی تھے جہاں ان ملکوں کے کھانے مل جاتے تھے..... کمانڈو شیر خان دوپہر کے وقت ہوٹل میں آیا تھا..... کھانا کھانے کے بعد وہ کمرے میں جاکر سو گیا اور شام تک سویا رہا..... اس کے بعد اس نے اٹھ کر منہ ہاتھ دھویا اور ہوٹل کے ریسٹورنٹ میں آکر بیٹھ گیا اور کافی منگوا کر پینے لگا۔

لندن کی یہ شام سرد اور دھندلی تھی..... ریسٹورنٹ کی فضا نیم گرم تھی اور سگریٹوں کے دھوئیں اور کافی چائے کی خوشبوؤں سے لبریز تھی..... ریسٹورنٹ میں زیادہ تر بنگالی اور بھارتی لوگ بیٹھے تھے..... ہوسکتا ہے ان میں پاکستانی بھی ہوں مگر سب انگریزی لباس میں تھے..... الگ سے پہچاننا مشکل تھا..... کچھ ساڑھی پوش عورتیں بھی تھیں..... شیر خان نے محسوس کیا کہ ایک عورت کونے والی میز پر تنہا بیٹھی ہوئی سگریٹ پی رہی ہے..... اس عورت نے فر کا گرم لمبا کوٹ پہن رکھا تھا جس کے بٹن

کھلے ہوئے تھے اور اس کی سرخ ساڑھی دکھائی دے رہی تھی..... اس کے ماتھے پر بندیا بھی تھی جو اس بات کی علامت تھی کہ وہ ہندو ہے..... کمانڈو شیر خان نے اس عورت کو اتنی تفصیل سے اس لئے دیکھا تھا کہ اس عورت نے دو تین بار شیر خان پر نگاہیں ڈالی تھیں..... عورت کی عمر تیس پینتیس کے قریب لگتی تھی، اس کے سیاہ بال شانوں پر گرے ہوئے تھے..... عورت خوش شکل تھی..... کمانڈو شیر خان سوچنے لگا کہ اس عورت نے دو تین بار اس کی طرف کیوں دیکھا ہے..... ہو سکتا تھا کہ یہ سی آئی ڈی کی کوئی آفیسر ہو..... شیر خان محتاط ہو گیا۔

شاید وہ ریسٹورنٹ میں مزید کچھ دیر بیٹھتا، لیکن اس مشکوک عورت کی وجہ سے وہ جلدی بل ادا کر کے ریسٹورنٹ سے نکل گیا..... سردی اور دُھند کی وجہ سے لندن کے اس علاقے کے فٹ پاتھ خاموش پڑے تھے..... لوگ گاڑیوں میں آ جا رہے تھے..... فٹ پاتھ پر شیر خان اس عورت کے بارے میں سوچتا آہستہ آہستہ ٹہلنے کے انداز میں چلا جا رہا تھا کہ اس جگہ اسے اپنے پیچھے کسی کے جوتوں کی ٹک ٹک سنائی دی..... یہ عورت کے جوتوں کی آواز ہی ہو سکتی تھی..... کمانڈو شیر خان رُک گیا..... اس نے مڑ کر پیچھے دیکھا..... پیچھے کوئی بھی نہیں تھا..... سردی اور دُھند کی نمی کی وجہ سے گیلا فٹ پاتھ خالی تھا..... کھمبوں کی روشنی اس پر کہیں کہیں پڑ رہی تھی۔

شیر خان نے پاؤں کے جوزمانہ جوتوں کی آواز کو اپنا وہم سمجھا اور ٹہلنے کے انداز میں چلتا رہا..... آگے چھوٹا سا چوک تھا جہاں کئی ایک ریسٹورنٹ اور سٹور تھے..... باہر گاڑیاں کھڑی تھیں..... کچھ دُور تک ٹہلنے کے بعد وہ واپس اپنے ہوٹل کی طرف آ گیا..... اگرچہ اسے ایسا یقین نہیں تھا لیکن غیر شعوری طور پر اس کے دل میں شک سا پڑ گیا تھا کہ اس کا پیچھا کیا جا رہا ہے..... وہ اپنے کمرے میں آ کر پلنگ پر لیٹ گیا..... نیچے ریستوران سے انڈین فلمی میوزک کی ہلکی ہلکی آواز آ رہی تھی۔

کسی نے دروازے پر آہستہ سے دستک دی..... کمانڈو شیر خان نے دروازے کی

طرف دیکھا..... پھر اٹھ کر دروازے کے پاس جا کر پُوچھا۔

"کون ہے؟"۔

دوسری طرف سے کسی عورت کی آواز آئی۔

"پلیز دروازہ کھولیں..... مجھے آپ سے ایک ضروری بات کرنی ہے"۔

عورت نے یہ جملہ بڑی صاف اُردو زبان میں ادا کیا تھا..... شیر خان نے دروازہ کھول دیا..... اس کے سامنے وہی عورت کھڑی تھی جسے اس نے نیچے ریستوران میں دیکھا تھا..... اس نے ساڑھی کے اوپر فر کے کالر والا ہاف کوٹ پہن رکھا تھا..... شیر خان نے وہیں کھڑے اس سے پوچھا کہ اس کو کیا کام ہے؟ عورت نے کہا۔

"کیا آپ مجھے اندر آنے کی اجازت نہیں دیں گے؟"۔

اس کے چہرے پر کچھ گھبراہٹ سی تھی..... کمانڈو شیر خان دروازے سے ایک طرف ہٹ گیا..... عورت اندر آ کر صوفے پر بیٹھ گئی..... شیر خان نے دروازہ بند کیا اور اس کے سامنے صوفے پر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

"محترمہ! آپ کو شاید کوئی غلط فہمی ہوئی ہے..... میں آپ کو بالکل نہیں جانتا"۔

عورت نے کہا۔

"آپ پاکستانی ہیں ناں؟"۔

کمانڈو شیر خان نے کہا۔

"ہاں..... لیکن آپ کا مسئلہ کیا ہے؟"۔

عورت نے اطمینان کا سانس لیا اور کہنے لگی۔

"میرا نام رخسانہ ہے..... میں بھی پاکستانی ہوں..... دو برس سے لندن میں مقیم ہوں..... ایک سٹور میں کام کرتی ہوں اور ساؤتھ اینڈ کے ایک فلیٹ میں اپنی سہیلی کے ساتھ رہتی ہوں..... میں اپنی ایک اور سہیلی سے ملنے اس علاقے میں آئی تھی..... سہیلی نہیں ملی..... واپس جا رہی تھی کہ دو گوروں نے میرا پیچھا کرنا شروع کر دیا.....

میں بڑی مشکل سے ان بدمعاشوں سے پیچھا چھڑا کر اس ریستوران کی طرف آگئی ہوں، کیونکہ یہ پاکستانی ریسٹورنٹ ہے..... میں نے آپ کو اوپر جاتے دیکھا تو شکل سے پہچان لیا کہ آپ کا تعلق پاکستان سے ہے..... پلیز مجھے اتنی اجازت دیں کہ میں کچھ دیر کے لئے یہاں چھپی رہوں..... اس دوران غنڈے مجھے نہ پا کر چلے جائیں گے..... پھر میں اپنے فلیٹ پر چلی جاؤں گی"۔

شیر خان نے کہا۔

"آپ پولیس کو کیوں نہیں فون کرتیں..... پولیس آپ کو آپ کے فلیٹ پر پہنچادے گی"۔

اس عورت نے سگریٹ نکالتے ہوئے کہا۔

"پولیس میری بات کا یقین نہیں کرے گی..... آپ سگریٹ پئیں گے؟"۔

عورت نے شیر خان کو سگریٹ پیش کیا..... شیر خان نے کہا۔

"شکریہ! میں سگریٹ نہیں پیتا"۔

اس نے سگریٹ سلگالیا اور کمرے کا جائزہ لینے لگی..... کمانڈو شیر خان اس عورت کو کمرے میں چھپا کر خواہ مخواہ کسی اور مصیبت میں نہیں پھنسنا چاہتا تھا..... اس نے کہا۔

"محترمہ! بہتر یہی ہے کہ آپ نیچے ریستوران سے پولیس کو فون کر کے مدد حاصل کریں..... پولیس اپنی حفاظت میں آپ کو آپ کے فلیٹ پر پہنچادے گی"۔

عورت نے ایک خاص انداز سے شیر خان کی طرف دیکھا اور سگریٹ کا کش لے کر بولی۔

"آپ کب سے لندن میں رہ رہے ہیں؟"۔

کمانڈو شیر خان نے کہا۔

"ان باتوں کا میں سمجھتا ہوں کہ آپ سے کوئی تعلق نہیں ہے..... بہتر یہی ہے کہ آپ تشریف لے جائیں..... مجھے ایک ضروری کام سے جانا ہے"۔

عورت نے کہا۔

"تو پھر ایسا کریں کہ مجھے بھی ساتھ لیتے جائیں اور مجھے ساؤتھ اینڈ میں ڈراپ کردیں"۔

شیر خان نے صاف انکار کرتے ہوئے کہا۔

سوری محترمہ! میں آپ کو ساتھ نہیں لے جاسکتا..... آپ تشریف لے جائیں..... میں آپ کی کوئی مدد نہیں کر سکتا"۔

اس عورت نے ایک گہری اور بڑی معنی خیز نگاہ شیر خان پر ڈالی اور اٹھ کھڑی ہوئی..... پھر مسکرائی۔

"لگتا ہے آپ ابھی اس شہر کی تہذیب و تمدن سے واقف نہیں ہیں..... اچھا..... میں جاتی ہوں..... پھر آؤں گی"۔

اور وہ عورت کمرے سے نکل گئی..... شیر خان نے دروازہ بند کر دیا اور سوچنے لگا کہ یہ عورت کون ہو سکتی ہے..... اس نے کہیں پڑھ رکھا تھا کہ سکاٹ لینڈ یارڈ نے ان علاقوں میں جہاں جنوبی ایشیا کے لوگ رہتے ہیں جرائم کا سراغ لگانے کے لئے ان علاقوں سے تعلق رکھنے والی عورتوں کو بھرتی کر رکھا ہے جو سکاٹ لینڈ یارڈ کے لئے جاسوسی کرتی ہیں اور جرائم پیشہ سمگلروں اور مفرور مجرموں کا سراغ لگاتی ہیں..... اگر اس عورت کا تعلق سکاٹ لینڈ یارڈ کی مخبر عورتوں سے تھا تو یہ بات خطرناک ثابت ہو سکتی تھی..... اتنے میں دروازے پر ایک بار پھر دستک ہوئی..... شیر خان نے پوچھا..... "کون ہے؟"۔

دوسری جانب سے کسی مرد کی آواز آئی۔

"میں ہوں..... ہوٹل کا منیجر پلیز دروازہ کھولئے..... مجھے آپ سے ایک ضروری بات کرنی ہے"۔

شیر خان نے دروازہ کھول دیا..... ہوٹل کا ادھیڑ عمر منیجر اندر آگیا..... وہ پاکستانی

تھا..... کہنے لگا۔

"یہ عورت جو ابھی ابھی آپ کے کمرے سے نکل کر گئی ہے کیا کرنے آئی تھی؟"۔

شیر خان نے اسے ساری بات بیان کر دی..... ہوٹل کا منیجر صوفے پر بیٹھ گیا..... کہنے لگا۔

"اس عورت کا آپ کے کمرے میں آنا آپ کے حق میں کسی مصیبت کا باعث بن سکتا ہے..... یہ پولیس کی بہت بڑی مخبر ہے..... یہ عورت آپ کو خواہ مخواہ کسی مصیبت میں پھنسا سکتی ہے..... بہتر یہی ہے کہ آپ اسی وقت کسی دوسرے علاقے کے ہوٹل میں منتقل ہو جائیں"۔

کمانڈو شیر خان نے کہا۔

"مگر میں کوئی جرائم پیشہ نہیں ہوں"۔

منیجر نے کہا۔

"ایک بات میں آپ کو بتا دوں کہ اگر آپ کا کسی جرم سے تعلق نہ ہوتا یا آپ پر اسے شک نہ ہوتا کہ آپ کا تعلق کسی جرائم پیشہ گروہ سے ہے تو یہ کبھی آپ کے کمرے میں نہ آتی..... میری بات مانیں اور اسی وقت دوسرے ہوٹل میں منتقل ہو جائیں..... پولیس نے چھاپہ مارا تو ہماری بھی بدنامی ہو گی"۔

شیر خان خود وہاں سے نکل جانا چاہتا تھا..... اس نے کہا۔

"ٹھیک ہے..... میں ابھی کسی دوسرے ہوٹل میں چلا جاتا ہوں..... کیا آپ مجھے کسی دوسرے ہوٹل کا ایڈریس بتا سکتے ہیں؟ میں مہنگے ہوٹل میں نہیں ٹھہر سکتا"۔

منیجر نے کہا۔

"آپ ٹیکسی میں بیٹھ کر ایسٹ اینڈ کی میکفورڈ سٹریٹ میں چلے جائیں..... وہاں بنگلہ دیشیوں کے دو ہوٹل ہیں..... وہ مہنگے نہیں ہیں"۔

یہ لیجئے اپنے پونڈ۔

اور منیجر نے شیر خان کو وہ ایڈوانس واپس کر دیا جو شیر خان نے کمرے کے چوبیس گھنٹے کے کرائے کے طور پر ادا کیا تھا۔

"آپ دیر نہ کریں..... دیر کرنی آپ کے لئے اچھی نہ ہو گی"۔

یہ کہہ کر ہوٹل کا منیجر چلا گیا..... کمانڈو شیر خان کے پاس کون سا سامان تھا جس کو باندھنے اور پیک کرنے کی ضرورت پڑتی..... اس نے جیکٹ کے بٹن بند کئے کالر کو اوپر اٹھایا اور کمرے سے باہر نکل آیا..... زینہ اترا..... ہوٹل کے سامنے کچھ دور ٹیکسیاں وغیرہ کھڑی تھیں..... وہ ایک خالی ٹیکسی میں بیٹھ گیا اور ڈرائیور سے ایسٹ اینڈ کی میکفورڈ سٹریٹ چلنے کو کہا..... رات کا پہلا پہر شروع ہو چکا تھا..... لندن کے اس گنجان آبادی والے علاقے میں خوب روشنیاں ہو رہی تھیں..... ٹیکسی بارونق علاقے میں سے نکل کر ایک کھلی سڑک پر آ گئی..... اچانک انگریز ٹیکسی ڈرائیور نے کہا۔

"مسٹر! ہماری ٹیکسی کا پیچھا کیا جا رہا ہے..... کیا آپ پولیس کو مطلوب ہیں؟"۔

کمانڈو شیر خان نے یہ سن کر فوراً پچھلے شیشے میں سے دیکھا..... اس کے پیچھے قطار میں تین چار گاڑیاں آ رہی تھیں..... اس نے ڈرائیور سے کہا" میرا پولیس سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔

ڈرائیور نے کہا۔

"لیکن میں دیکھ رہا ہوں کہ سکاٹ لینڈ یارڈ کی ایک خفیہ گاڑی ہمارا تعاقب کر رہی ہے..... یہ اسی وقت سے ہمارے پیچھے لگی ہوئی ہے جب ہم چلے تھے"۔

کمانڈو شیر خان کو یقین ہو گیا کہ یہ ٹیکسی ڈرائیور غلط نہیں کہہ رہا..... وہ لندن کا ٹیکسی ڈرائیور تھا اور پولیس اور خفیہ پولیس کی گاڑیوں کو پہچانتا تھا..... وہ سوچنے لگا کہ اب اسے کیا کرنا چاہئے..... یہ بات واضح ہو گئی تھی کہ وہ عورت خفیہ پولیس کی عورت تھی اور اس نے پولیس کو اطلاع کر دی تھی، اس کا مطلب تھا کہ لندن پولیس نے

شیر خان کا سراغ لگالیا تھا، مگر پولیس کو کیسے پتہ چلا کہ میرا تعلق طیارہ ہائی جیک کرنے والے مجاہدوں سے ہے؟ شیر خان کا ذہن ان ہی خیالات میں اُلجھا ہوا تھا اور ساتھ ساتھ وہ یہ بھی سوچ رہا تھا کہ پولیس کی گاڑی سے کیسے پیچھا چھڑایا جائے۔

اس نے ڈرائیور سے کہا۔

"کیا تم مجھے کسی ایسی جگہ لے جاسکتے ہو جہاں میں پولیس کی نظروں سے غائب ہو سکوں؟ میں تمہیں چار پونڈ دوں گا"۔

انگریز ڈرائیور بولا۔

"میں کوشش کرتا ہوں"۔

اور اس نے ٹیکسی کی رفتار تیز کردی اور اسے سڑک کی درمیان والی قطار سے نکال کر سڑک کے کنارے والی قطار میں لے آیا..... شیر خان نے پیچھے دیکھا..... پیچھے گاڑیوں کی ہیڈ لائٹس میں سے اسے کچھ پتہ نہ چل سکا کہ کون سی گاڑی اس کا پیچھا کررہی ہے..... آگے ایک جگہ چھوٹی سی سڑک بائیں جانب نکلتی تھی..... انگریز ڈرائیور نے جلدی سے گاڑی اس سڑک پر موڑ دی اور اس کی رفتار مزید تیز کردی..... سڑک کچی تھی..... گاڑی کو دھچکے لگنے لگے۔

شیر خان نے شیشے میں سے پیچھے دیکھا..... ایک گاڑی کی روشن بتیاں پیچھے برابر چلی آرہی تھیں..... ڈرائیور نے کہا

"سر! سکاٹ لینڈ یارڈ والوں کی گاڑی ہمارے پیچھے آرہی ہے..... اب میں کچھ نہیں کرسکتا..... میں نہیں چاہتا کہ پولیس آپ کے ساتھ مجھے بھی پکڑ لے"۔

جیسے ہی سڑک ایک دوسری پکی اور کھلی سڑک پر پہنچی..... سامنے پولیس کی دو گاڑیاں کھڑی تھیں جن کی نیلی اور سرخ روشنیاں مسلسل گھوم رہی تھیں..... چھ سات پولیس کانسٹیبل گھیرا ڈالے کھڑے تھے..... پولیس نے ٹیکسی کو رکنے کا اشارہ کیا..... ڈرائیور نے گاڑی ایک طرف کرکے کھڑی کردی..... دو پولیس کانسٹیبل ٹیکسی کے

پاس آئے..... ان کے ہاتھوں میں ریوالور تھے۔

کمانڈو شیر خان کے پاس کچھ بھی نہیں تھا..... اتنے میں جو گاڑی تعاقب کررہی تھی وہ بھی وہاں پہنچ گئی..... اس میں سے تین گورے نکلے..... یہ سفید کپڑوں میں پولیس کے افسر تھے..... باوردی کانسٹیبل نے شیر خان سے کہا۔

"باہر آجاؤ اور اپنا پاسپورٹ دکھاؤ"۔

شیر خان نے باہر نکل کر کہا۔

"میں پاسپورٹ اپنے ساتھ لے کر تو نہیں چلتا..... پاسپورٹ میرے ہوٹل میں ہے"۔

سفید کپڑوں والے انگریز پولیس افسر بھی اب شیر خان کے پاس آگئے تھے..... ان میں سے ایک نے آگے بڑھ کر شیر خان کو کہا۔

"ہم تمہیں انڈین ایئر لائنز کا طیارہ اغوا کرنے اور اسے غیر قانونی طور پر برطانیہ کی سرزمین پر اتارنے کے جرم میں گرفتار کرتے ہیں"۔

اس کے ساتھ ہی ایک پولیس کانسٹیبل نے بڑی تیزی سے اس کے ہاتھ پیچھے کرکے ہتھکڑی لگادی..... تین کانسٹیبل ریوالور لئے شیر خان کو گھیرے ہوئے تھے..... انہوں نے شیر خان کو پولیس کی گاڑی میں دھکیل دیا اور خفیہ پولیس اور لندن پولیس کی تینوں گاڑیاں شور مچاتیں پولیس سٹیشن کی طرف چل پڑیں۔

یہ سب کچھ اتنی جلدی ہوگیا کہ شیر خان کو کچھ سوچنے کا موقع ہی نہ مل سکا..... جب گاڑیاں پولیس ہیڈ کوارٹر کی طرف جارہی تھیں تو شیر خان نے اپنے ساتھ بیٹھے ہوئے گورے پولیس کانسٹیبل سے کہا۔

"آپ کے پاس کیا ثبوت ہے کہ میرا تعلق کسی ہائی جیکنگ پارٹی سے ہے؟"۔

پولیس کانسٹیبل نے کہا۔

"ثبوت تمہیں پولیس ہیڈ کوارٹر چل کر مل جائے گا..... ہم کسی کو بغیر ثبوت کے

کبھی نہیں پکڑتے"۔

شیر خان نے ایک بار پھر احتجاج کرتے ہوئے کہا۔

"آپ لوگ مجھے غیر قانونی طور پر گرفتار کر کے لے جا رہے ہیں..... میرا کسی ہائی جیک کرنے والے گروہ سے کوئی تعلق نہیں ہے"۔

اس کے جواب میں اگلی سیٹ پر بیٹھے ہوئے پولیس انسپکٹر نے کہا۔

"مسٹر شیر خان! تمہارے دو ساتھی ہم نے گرفتار کر لئے ہیں..... تمہارے بارے میں ہمیں سب کچھ معلوم ہو گیا ہے..... بہتر یہی ہے کہ تم خاموشی سے بیٹھے رہو..... تمہیں شاید علم نہیں کہ طیارہ اغوا کرنے کے جرم میں تمہیں موت کی سزا بھی ہو سکتی ہے..... یہ ایک بین الاقوامی قانون ہے اور ہم نے اس قانون کے تحت تمہیں گرفتار کیا ہے"۔

کمانڈو شیر خان خاموش ہو گیا..... اس کے دو ساتھی انہوں نے گرفتار کر لئے تھے..... یہ ایک بری خبر تھی..... پتہ نہیں شاہد علی، کمانڈو حمزہ اور کمانڈو محمود میں سے کون گرفتار ہوا تھا..... کمانڈو شمشاد تو ایئرپورٹ پر ہی شہید ہو گیا تھا، لیکن ان کا مشن کامیاب ہو گیا تھا اور جہاد کشمیر کا لیڈر بھارت کی قید سے نجات حاصل کر چکا تھا اور تحریک آزادی کشمیر کی راہنمائی کے لئے اپنے مجاہدوں کے درمیان پہنچ گیا تھا۔

کمانڈو شیر خان کا خیال تھا کہ بین الاقوامی قوانین کی رو سے اسے جس سرزمین پر گرفتار کیا گیا ہے اسی ملک کی عدالت میں اس پر مقدمہ چلایا جائے گا، لیکن ایسا نہ ہوا کچھ عرصہ کے لئے اسے لندن کے ایک پولیس سٹیشن کی حوالات میں سخت حفاظتی انتظامات کے تحت قید رکھا گیا..... اس دوران ہی اسے پتہ چل گیا کہ برطانیہ کی حکومت اسے بھارتی حکومت کے حوالے کرنے والی ہے..... شیر خان نے حلفیہ بیان دیا تھا کہ وہ کشمیری حریت پسند ہے اور پاکستان سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے اس لئے پاکستانی سفارت خانے کے لئے خاموشی اختیار کئے رکھنا ہی بہتر تھا..... ویسے اخلاقی طور

پر انگلستان کے پریس نے دبی زبان میں اس رائے کا ضرور اظہار کیا کہ کشمیری فریڈم فائٹر شیر خان پر لندن ہی کی کسی عدالت میں مقدمہ چلنا چاہئے، لیکن حکومت برطانیہ کو بھارت کی خوشنودی منظور تھی، چنانچہ ایک روز رات کے دو بجے کمانڈو شیر خان کو کڑے پہرے میں بھارتی کمانڈو بٹالین فورس کے کمانڈوز کے حوالے کر دیا گیا..... جو خاص اس مقصد کے لئے نئی دہلی سے لندن آئے تھے..... لندن کی عدالت سے شیر خان کو پھر بھی انصاف کی توقع تھی، لیکن بھارتی حکومت سے انصاف کی توقع رکھنا عبث تھا..... اسے معلوم تھا کہ بھارت کی سرزمین میں پہنچتے ہی اسے ہر قسم کی غیر انسانی وحشیانہ اذیتیں دے دے کر ہلاک کر دیا جائے گا..... شیر خان کو اپنے ساتھی مجاہدوں کے انجام کی کوئی خبر نہیں تھی کہ اگر وہ پکڑے گئے ہیں تو کیا انہیں بھی بھارتی درندوں کے حوالے کر دیا گیا ہے یا نہیں۔

رات کے تین بجے لندن کے ہیتھرو ایئرپورٹ سے انڈین ایئر لائنز کا ایک سپیشل طیارہ کمانڈو شیر خان کو لے کر بھارت کی طرف پرواز کر گیا..... دلی ایئرپورٹ سے کمانڈو شیر خان کو زنجیروں میں جکڑ کر سیدھا بدنام ترین اور کشمیری مجاہدوں کی قاتل جیل تہاڑ جیل میں لا کر بند کر دیا گیا..... ایک ہفتہ تک اس سے پوچھ گچھ ہوتی رہی..... اس دوران اسے ہر قسم کی اذیت دی گئی اور اس سے اس کے ساتھیوں کے بارے میں پوچھا گیا کہ وہ کون کون تھے اور لندن یا یورپ کے کس شہر میں روپوش ہیں..... وہاں پہلی بار شیر خان پر یہ خوشگوار انکشاف ہوا کہ اس کے ساتھیوں میں سے کوئی بھی گرفتار نہیں ہوا اور لندن پولیس نے جو اسے کہا تھا کہ اس کے دو ساتھی گرفتار کر لئے گئے ہیں یہ پولیس کی بلف چال تھی..... کمانڈو شیر خان نے دل میں خدا کا شکر ادا کیا کہ صرف وہ اکیلا ہی گرفتار ہوا ہے اور اس کے باقی ساتھی ماسوائے شہید شمشاد کے زندہ اور مفرور ہیں..... اسے یقین تھا کہ وہ کسی نہ کسی طرح ضرور کشمیر کے محاذ پر واپس پہنچ جائیں گے۔

ایک ہفتے کے بعد اسے لکھنؤ کی جیل میں منتقل کر دیا گیا، کیونکہ جہاز لکھنؤ سے اغوا ہوا تھا اور بھارتی انٹیلی جنس یہ معلوم کرنا چاہتی تھی کہ لکھنؤ میں وہ کون کون لوگ تھے جنہوں نے جہاز کے اغوا کرنے میں مجاہدین کی مدد کی تھی..... عدالت میں شیر خان کا چالان تیار کر کے پیش کر دیا گیا..... عدالت کی کارروائی محض ایک دکھاوا تھی..... جب پیشی کے وقت شیر خان کو عدالت میں جج کے سامنے پیش کیا جاتا تو اکثر اوقات تشدد کی وجہ سے اس سے چلا نہیں جاتا تھا اور چہرہ ضربات کے نشانوں سے نیلا پڑ گیا ہوتا تھا مگر جج نے اس کا کبھی نوٹس نہیں لیا تھا اور پولیس کو اس کا مزید ریمانڈ دے دیا جاتا تھا اور شیر خان پر تشدد کا سلسلہ دوبارہ شروع ہو جاتا تھا۔

عدالت کی کارروائی تو محض دُنیا کو دکھانے کے لئے تھی..... اصل مقصد کمانڈو شیر خان کو لکھنؤ میں رکھ کر اس سے وہاں کی خفیہ تنظیم کے مجاہدوں کے بارے میں معلومات حاصل کرنا تھی جس میں انڈین انٹیلی جنس بری طرح ناکام ہو رہی تھی، کیونکہ کمانڈو کے زبان کھولنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا..... اس نے تشدد کرنے والے چیف انٹیلی جنس کو کھلے لفظوں میں کہہ دیا تھا کہ موت کو خوشی خوشی گلے سے لگالوں گا لیکن اپنے ساتھی مجاہدوں کے بارے میں کچھ نہیں بتاؤں گا۔

ہر طرح سے اور ہر طرف سے ناکام ہو جانے کے بعد طیش میں آکر لکھنؤ کے انٹیلی جنس چیف نے اتر پردیش کے انسپکٹر جنرل پولیس کو لکھ بھیجا کہ مجرم شیر خان پر وقت اور روپیہ ضائع کرنا بیکار ہے..... میری رائے میں اسے لکھنؤ ایئرپورٹ پر سرعام پھانسی دے دی جائے تاکہ دوسرے لوگوں کو اس سے عبرت ہو، لیکن آئی جی پولیس نے اس تجویز سے اتفاق نہ کیا اور لکھا کہ مجاہد شیر خان سے کچھ وقت کے لئے مزید پوچھ گچھ جاری رکھی جائے۔

انٹیلی جنس چیف مالک رام زہر کے گھونٹ پی کر رہ گیا..... وہ شیر خان کو اذیتیں دے دے کر ہلاک کر دینا چاہتا تھا..... اس کی وجہ یہ تھی کہ جس جہاز کو مجاہدوں نے

ہائی جیک کیا تھا اس کے مسافروں میں لکھنؤ گرلز کالج کا جو گروپ شامل تھا اس میں انٹیلی جنس چیف مالک رام کی بیٹی سوشیلا بھی تھی..... چنانچہ انٹیلی جنس چیف کمانڈو شیر خان سے اپنی بیٹی کو پہنچائے گئے ذہنی صدمے کا بدلہ لینا چاہتا تھا، حالانکہ پانچوں مجاہدوں نے جہاز کو ہائی جیک کرنے کے بعد تمام مسافروں خصوصاً خواتین سے بلاامتیاز اس کے کہ وہ ہندو ہیں یا مسلمان، ان سے بڑا اچھا سلوک کیا تھا..... ان کو وقت پر طیارے میں کھانا پینا ملتا رہا تھا، لیکن انٹیلی جنس چیف مالک رام نے فیصلہ کر رکھا تھا کہ اگر وہ اسے لکھنؤ ایئرپورٹ پر پھانسی پر لٹکوانے میں کامیاب نہ ہوا تو وہ اسے ایسی اذیتیں دے گا کہ وہ ساری زندگی کے لئے معذور ہو جائے گا۔

چنانچہ اس درندہ صفت انٹیلی جنس چیف مالک رام نے اتر پردیش کے آئی جی پولیس (خفیہ) کو ایک اور تجویز پیش کی جس میں اس سے گزارش کی گئی کہ مجھے اجازت دی جائے کہ میں ہائی جیکر شیر خان کو ستیل گڑھ کے ٹارچر سنٹر میں منتقل کردوں..... مجھے یقین ہے کہ ستیل گڑھ کے ٹارچر سنٹر میں اس ہائی جیکر سے اس کے اتر پردیش میں موجود ساتھیوں کے نام پتے معلوم کرنے میں کامیاب ہو جاؤں گا۔

آئی جی خفیہ پولیس نے اس کی اجازت دے دی۔

ستیل گڑھ کا ٹارچر سنٹر لکھنؤ سے گونڈا کی جانب بہادر گنج رینج کے خطرناک جنگلوں میں خاص طور پر ایسے ملزموں کے لئے بنایا گیا تھا جو ہر قسم کے ٹارچر کے باوجود اپنا راز نہیں اُگلتے تھے..... یہ بہادر گڑھ کے سٹیشن سے سات کوس کے فاصلے پر ایک گنجان جنگل میں واقع تھا..... اس ٹارچر سنٹر کے بارے میں پولیس کے محکمے میں مشہور تھا کہ بڑے سے بڑا سخت جان شخص بھی وہاں کی اذیت دو دن سے زیادہ برداشت نہیں کر سکتا اور زبان کھولنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

اس ٹارچر سنٹر میں اذیت دینے کے طریقے بڑے وحشیانہ اور سب سے انوکھے تھے..... بہادر گڑھ رینج کا یہ ہلاکت خیز جنگل زہریلے حشرات الارض اور انسانی خون کے پیاسے شیر چیتوں سے بھرا ہوا تھا..... اس ٹارچر سنٹر کا سکیورٹی سٹاف اور عملہ ایسے سپاہیوں پر مشتمل تھا جو کئی ملزموں کو غیر انسانی اذیتیں دے کر ہلاک کر چکے تھے..... یہ

جلادوں سے بھی بڑھ کر سنگ دل سپاہی تھے..... انہیں جنگل میں رہنے کا سپیشل الاؤنس ملتا تھا اور اگر ان کے ہاتھوں کوئی بے گناہ ملزم مر جاتا تھا تو ان سے کوئی باز پرس نہیں ہوتی تھی بلکہ الٹا انٹیلی جنس چیف مالک رام کی طرف سے انعام دیا جاتا تھا۔

مالک رام اس ٹارچر سنٹر کا انچارج تھا..... اس جلاد کو مجاہد کمانڈو شیر خان سے اس کے ساتھیوں کے بارے میں معلومات حاصل کرنے سے اتنی دلچسپی نہیں تھی، وہ تو اس سے اپنی بیٹی سوشیلا کو جہاز کے ساتھ اغوا کرنے اور اسے ذہنی صدمہ پہنچانے کا انتقام لینا چاہتا تھا..... اگر آئی جی پولیس نے اسے یہ حکم نہ دیا ہوتا کہ ہائی جیکر شیر خان کو ابھی موت کے گھاٹ نہ اتارا جائے اور اس سے اس کے ساتھیوں کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کی پوری پوری کوشش کی جائے تو جلاد انٹیلی جنس چیف شیر خان کو اب تک ہلاک کر چکا ہوتا..... ستیل گڑھ کے ٹارچر سنٹر میں منتقل کرنے کی اجازت ملنے کے بعد مالک رام کے جذبہ انتقام کو تھوڑی سی تسکین ضرور مل گئی تھی..... اس ٹارچر سنٹر میں وہ ایک فرعون کی طرح حکومت کرتا تھا..... یہاں اسے کوئی پوچھنے والا نہیں تھا اور وہ اپنی مرضی کے مطابق اپنے ایجاد کئے ہوئے وحشیانہ طریقوں سے شیر خان کو اذیتیں دے سکتا تھا۔

ایک رات شیر خان کو پولیس کی بند گاڑی میں بٹھا کر لکھنؤ سے ستیل گڑھ ٹارچر سنٹر کی طرف روانہ کر دیا گیا..... انٹیلی جنس چیف مالک رام بھی ایک گاڑی میں اس کے ساتھ تھا..... مسلح پولیس گارد کی دو گاڑیاں آگے پیچھے تھیں، جس بند گاڑی میں کمانڈو شیر خان کو لے جایا جا رہا تھا وہ درمیان میں تھی..... کمانڈو شیر خان کو ہتھکڑی لگا دی گئی تھی..... اس کے پیچھے انٹیلی جنس چیف مالک رام کی گاڑی تھی جس کی حفاظت کے لئے سکیورٹی گارڈ کا دستہ گاڑی میں موجود تھا..... اس کے پیچھے پولیس گارڈ کی دوسری گاڑی تھی..... یہ گاڑیاں ستیل گڑھ کو جانے والی سڑک پر رات کے اندھیرے میں رواں دواں تھیں..... دن نکل رہا تھا جب گاڑیاں گونڈا بہادر گڑھ رینج کے جنگل میں داخل

ہو گئیں۔

یہ ایسے پر خطر جنگل تھے کہ جہاں شکاری بھی سوچ سمجھ کر قدم رکھتے تھے اور صرف تجربہ کار شکاری ہی ادھر کا رُخ کرتے تھے..... اناڑی شکاری عام طور پر شیر چیتوں کا لقمہ بن جاتے تھے..... جنگل کیسے بھی ہوں وہاں جنگلی لوگوں کی جھونپڑیاں کہیں نہ کہیں ضرور نظر آجاتی ہیں، لیکن ستیل گڑھ کے اس جنگل میں دُور دُور تک کسی انسان کی صورت نظر نہ آتی تھی..... انٹیلی جنس کے محکمے نے صوبائی حکومت کی اجازت سے سخت جان ملزموں سے راز اگلوانے کے لئے ٹارچر سنٹر کے واسطے خاص طور پر اس جنگل کو منتخب کیا تھا..... یہاں چیف مالک رام کا قانون چلتا تھا..... عام طور پر یہاں ملزموں کو ہلاک کرنے کے لئے ہی لایا جاتا تھا..... اذیت کے علاوہ ان پر طرح طرح کے طبی تجربے کئے جاتے تھے..... ایک بار یہاں ڈاکٹروں کی ایک ٹیم آئی جو سانپ کے کاٹے کا تیر بہدف تریاق ایجاد کرنا چاہتی تھی..... اس ٹیم نے تین ملزموں کو پہلے زہریلے سانپوں سے ڈسوایا..... پھر اپنے تیار شدہ انجکشن لگائے لیکن تینوں مر گئے۔

جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں..... اس ٹارچر سینٹر کی پولیس بھی جرائم پیشہ افراد پر مشتمل تھی جن میں سے اکثر سزا یافتہ تھے اور انہیں حکومت کی خصوصی اجازت سے کنٹریکٹ پر بھرتی کیا گیا تھا..... ان میں قاتل بھی تھے جو سات سات سال کی سزا بھگت چکے تھے..... ٹارچر سنٹر کی عمارت کے چار کمرے تھے..... ایک کمرہ چیف مالک رام کے لئے مخصوص تھا..... باقی تین کمروں میں سے ایک کمرے میں اسلحہ خانہ تھا..... ایک ٹارچر سیل تھا..... ان کمروں کے پیچھے ایک چھوٹی لمبی بارک تھی جس میں ٹارچر سنٹر کے جرائم پیشہ سنتری اور عملے کے تین ارکان رہتے تھے..... ٹارچر سنٹر کے گرد گرد دس فٹ اونچی خاردار تار کی دیوار تھی..... یہ خاردار تار اتنی گنجان تھی کہ اس میں سے خرگوش بھی بڑی مشکل سے گزر سکتا تھا..... یہاں ہر وقت تین چار ملزم موجود رہتے تھے جن سے پوچھ گچھ کے دوران وحشیانہ سلوک کیا جاتا تھا اور ان کی درد انگیز

چیخوں کی آوازیں جنگل میں بلند ہوتی رہتی تھیں، مگر وہاں ان کی فریاد سننے والا کوئی نہیں تھا۔

ستیل گڑھ جنگل کے ٹارچر سنٹر میں شیر خان کو ایک چھوٹے سے کوٹھڑی نما کمرے میں بند کر دیا گیا..... اس کی ہتھکڑی کھول دی گئی تھی، مگر یہ کوٹھڑی پھانسی کی کوٹھڑی سے بھی بدتر تھی..... اس میں کوئی روشن دان اور کھڑکی نہیں تھی..... صرف ایک چھوٹا آہنی سلاخوں والا دروازہ تھا جس کے آگے تھوڑی سی خالی جگہ تھی اور آگے ایک پتھر کی دیوار تھی..... کوٹھڑی کے باہر ایک سنتری ہر وقت پہرے پر موجود رہتا تھا..... رات کے وقت دوسرا سنتری آجاتا تھا..... دونوں سنتری تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد کمانڈو شیر خان کو گالیاں وغیرہ بکتے رہتے تھے۔

کمانڈو شیر خان ان کی بکواس سننے پر مجبور تھا، لیکن اس نے وہاں آتے ہی فرار کے منصوبے پر غور کرنا شروع کر دیا تھا جو بظاہر ناممکن معلوم ہوتا تھا..... پہلے دن تو جلاد مالک رام نے شیر خان سے پوچھ گچھ کے دوران روایتی تشدد سے کام لیا، مگر شیر خان نے کچھ بتانے سے انکار کر دیا..... شیر خان نے یہ تسلیم کر لیا تھا کہ وہ کشمیری مجاہد ہے اور اسی نے اپنے ساتھیوں سے مل کر طیارہ اغوا کیا تھا، مگر اس کے آگے اس نے اپنے ساتھیوں کے بارے میں ایک لفظ بھی نہیں کہا تھا..... جلاد مالک رام نے شیر خان سے کہا۔

"تم جوان ہو..... ابھی تمہاری ساری زندگی پڑی ہے..... تم دوسروں کی خاطر اپنی جان کیوں گنواتے ہو..... ہمیں اپنے ساتھیوں کے نام پتے بتا دو اور یہ بھی بتا دو کہ لکھنؤ میں تم لوگوں کی خفیہ تنظیم کہاں پر ہے اور اس میں کون کون لوگ شامل ہیں..... میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ تمہارا نام ظاہر نہیں کیا جائے گا..... ہم یہی کہیں گے کہ پولیس نے اتفاق سے چھاپہ مار کر کچھ لوگوں کو گرفتار کر لیا ہے..... اس کے بعد ہم تمہیں آزاد کر دیں گے"۔

لیکن کمانڈو نیر خان نے کچھ بتانے سے صاف انکار کر دیا اور کہا۔

"تم میرے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے بھی کردو گے تو میری زبان پر اپنے ساتھیوں کے نام نہیں آئیں گے"۔

اس روز جلاد مالک رام نے اپنے خاص طریقے آزمانے کا فیصلہ کر لیا..... اگلے دن شام ہونے سے ذرا پہلے چار جرائم پیشہ سنتری شیر خان کی کوٹھڑی میں آئے..... انہوں نے اس کے ہاتھ رسی سے پیچھے باندھے، اس کے چہرے کو سیاہ تھیلا نما نقاب سے ڈھانپا اور اسے لے کر جنگل میں ایک طرف چل پڑے..... شیر خان کی گردن میں بھی رسی ڈال دی گئی تھی..... ٹارچر سنٹر سے کوئی ڈیڑھ دو سو گز کے فاصلے پر زمین کے اندر ایک تہہ خانہ بنایا گیا تھا جس میں ایک تنگ زینہ اترتا تھا..... اس تہہ خانے کے زینے کو اوپر سے لوہے کے جالی دار فریم سے ڈھانپ دیا گیا تھا..... آہنی فریم کی جالیوں میں سے ہی ہوا نیچے تہہ خانے میں جاتی تھی..... آہنی فریم کو مضبوط جالی ایک خاص وجہ سے لگائی گئی تھی جسے ہم آگے چل کر بیان کریں گے..... کمانڈو شیر خان کو تہہ خانے کے زینے میں دھکیل کر زینے کو اوپر سے جالی دار آہنی فریم سے ڈھانپ دیا گیا۔

تہہ خانے کی تنگ کوٹھڑی میں اندھیرا تھا..... صرف زینے کے اوپر پڑے ہوئے جالی دار فریم میں سے دن کی ہلکی ہلکی روشنی اندر آرہی تھی..... فرش پر سوکھی گھاس بچھی تھی..... کمانڈو شیر خان دیوار سے لگ کر بیٹھ گیا..... اتنا اس نے دیکھ لیا تھا کہ یہ کوئی جنگل ہے جو لکھنؤ سے کافی طویل فاصلے پر واقع ہے..... اسے رات کے وقت بند گاڑی میں لایا گیا تھا جس کی وجہ سے اسے راستے کا اندازہ نہیں ہو سکا تھا کہ گاڑی کہاں کہاں سے گزری ہے..... پولیس کی گاڑیاں ساری رات اور دوسرا آدھا دن سفر کرتی رہی تھیں..... کمانڈو شیر خان ہمت ہار کر بیٹھنے والا شخص نہیں تھا..... اسے ہر حالت میں وہاں سے فرار ہونا تھا..... اس حقیقت کا علم اسے ہو چکا تھا کہ جب تک وہ کوئی اہم راز انٹیلی جنس چیف مالک رام کو نہیں بتاتا اسے ہلاک نہیں کیا جائے گا..... وہاں سے آسانی کے ساتھ فرار ہونے کا کوئی راستہ نظر نہیں آتا تھا، مگر شیر خان کا ذہن اس کے

باوجود فرار کے طریقوں پر برابر غور کر رہا تھا۔

تہہ خانے کا زینہ اس سے دس گیارہ فٹ کے فاصلے پر اس کے بالکل سامنے تھا جس کی سیڑھیوں پر اوپر سے دن کی روشنی آرہی تھی..... اوپر ایسے لگ رہا تھا جیسے سپاہی اِدھر اُدھر کچھ نقل و حرکت کر رہے ہیں..... ان کے قدموں کی آواز کے ساتھ ان کی ایک دوسرے سے بات کرنے کی آوازیں بھی آرہی تھیں..... سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کیا باتیں کر رہے ہیں..... اوپر کچھ ہو ضرور رہا تھا..... شیر خان کان لگا کر سننے کی کوشش کر رہا تھا..... اتنے میں زینے کے اوپر جالی دار لوہے کا فریم اٹھانے کی آواز آئی..... اس کے فوراً بعد کوئی چیز سیڑھیوں پر گرائی گئی جو لڑھکتی ہوئی شیر خان کے قریب آکر رُک گئی۔

یہ دیکھ کر شیر خان جلدی سے اٹھ کھڑا ہوا کہ وہ سانپوں کی پٹاری تھیں جس میں سے مختلف سائز کے چھوٹے بڑے سانپ نکل کر تہہ خانے میں اِدھر اُدھر رینگنے لگے..... دو سانپ پھنکارتے ہوئے شیر خان کی طرف بڑھے..... شیر خان اس مصیبت کے لئے بالکل تیار نہیں تھا..... ایک سانپ نے اُچھل کر شیر خان کی پنڈلی پر ڈس لیا..... شیر خان نے اسے پکڑ کر اٹھایا اور زور سے دیوار کے ساتھ پٹخ دیا..... اس طرح اس نے دوسرے سانپ کو دُم سے پکڑ کر زور سے دیوار کے ساتھ پٹخ دیا، مگر وہاں تو چھ سات سانپ تھے جو اِدھر اُدھر گھاس کے اندر چھپ گئے تھے اور تہہ خانے میں ان کی پھنکاروں کی آوازیں بلند ہو رہی تھیں۔

شیر خان نے اپنی قمیض کو پھاڑ کر پنڈلی کے اوپر پٹی کس کر باندھ دی..... وہ کونے میں لگ کر کھڑا تھا..... اس نے پنڈلی کو غور سے دیکھا، جہاں سانپ نے کاٹا تھا وہاں سانپ کے دانتوں کا نشان پڑ گیا تھا اور خون نکل آیا تھا..... ایک اور سانپ تیزی سے رینگتا ہوا دائیں جانب سے شیر خان کی طرف آیا..... شیر خان نے اُچھل کر اس کے سر کو اپنے جوتے کے نیچے دبایا اور وہیں کچل ڈالا..... اس نے تین سانپ مار ڈالے تھے، مگر

ابھی اور سانپ زندہ تھے، جن کا کچھ پتہ نہیں تھا کہ تہہ خانے کے فرش پر بچھی ہوئی سوکھی گھاس میں کہاں کہاں چھپے ہوئے ہیں..... اس دوران شیر خان نے محسوس کیا کہ اس کا بدن سن ہوتا جارہا ہے..... اس نے اپنے جسم کو چھوا..... اس کا جسم ٹھنڈا ہورہا تھا..... یہ سانپ کے زہر کا ہی اثر ہو سکتا تھا..... اس کے ساتھی کمانڈو مجاہد شاہد علی نے جس کو سانپوں کا بڑا تجربہ تھا، ایک بار بتایا تھا کہ کچھ سانپوں کے زہر کی تاثیر گرم ہوتی ہے..... ایسا سانپ اگر آدمی کو ڈس لے تو آدمی کا خون گرم ہو کر نتھنوں، کانوں اور منہ کے راستے سے بہنے لگ جاتا ہے اور کچھ سانپوں کے زہر کی تاثیر سرد ہوتی ہے..... ایسا سانپ جب کسی انسان کو ڈستا ہے تو اس کا خون سرد پڑنے لگتا ہے اور پھر رگوں میں جم جاتا ہے جس کے ساتھ ہی انسان کی موت واقع ہو جاتی ہے۔

جس سانپ نے شیر خان کو ڈسا تھا وہ ایسا ہی سانپ معلوم ہوتا تھا جس کے زہر کی تاثیر سرد خشک تھی..... اس کا مطلب تھا کہ شیر خان کی چند لمحوں کی زندگی باقی رہ گئی تھی، مگر وہ ایسی موت مرنے کو ہرگز تیار نہیں تھا..... وہ زبردست قوت ارادی کا مالک تھا..... اس کے علاوہ یہ بات بھی اس کے تحت الشعور میں تھی کہ یہ لوگ اسے ابھی جان سے نہیں ماریں گے تو پھر اس پر زہریلے سانپ چھوڑنے کا کیا مطلب تھا؟ شیر خان کا جسم آہستہ آہستہ سرد ہونے لگا تھا..... وہ پوری قوت ارادی کے ساتھ اس آفت کا مقابلہ کررہا تھا..... اس نے اپنی جگہ پر اُچھل اُچھل کر ورزش شروع کردی تاکہ اس طرح سے اس کا خون گرم رہے، لیکن وہ کب تک اُچھل سکتا تھا..... اس کی طبیعت گرنے لگی تھی..... جسم کی حرکت سست پڑ رہی تھی..... وہ بے اختیار سا ہو کر کونے میں جہاں کھڑا تھا وہیں بیٹھ گیا۔

وہ اپنے ہاتھوں کو زور زور سے اپنے سارے جسم پر رگڑ رہا تھا، لیکن اس کے ہاتھوں کی حرکت اپنے آپ ہلکی پڑتی جارہی تھی، اسے یہ بھی پریشانی تھی کہ کہیں کوئی اور سانپ کسی طرف سے نکل کر اس کو ڈس نہ لے..... تین سانپ تو مار چکا تھا لیکن

پٹاری میں سے اس نے چھ سات سانپ نکلتے دیکھے تھے..... ابھی تک کوئی سانپ کونے کھدرے یا سوکھی گھاس میں سے نہیں نکلا تھا..... یہ بھی ہو سکتا تھا کہ دو تین سانپ تہہ خانے کی دیوار یا چھت کے ساتھ چمٹ گئے ہوں اور اچانک کوئی سانپ چھت پر سے اس کے اوپر گر پڑے..... عجیب پریشانی کا عالم تھا..... کونے میں بیٹھے بیٹھے شیر خان نے محسوس کیا کہ اس کے جسم کی گرمی آہستہ آہستہ واپس آرہی ہے۔

یہ کوئی معجزہ ہی تھا..... اس کا اسے یقین نہیں تھا، لیکن اس کا خون جو سرد ہو رہا تھا اب اس میں دوبارہ حرارت آنا شروع ہو گئی تھی..... اتنے میں دھپ کی آواز کے ساتھ چھت پر سے ایک سانپ اس کے سر پر آن گرا..... شیر خان نے اُچھل کر سانپ کو پکڑنے اور ہلاک کرنے کی کوشش کی مگر وہ اس کے ہاتھ نہیں آیا تھا..... سورج غروب ہو رہا تھا اور زینے پر اوپر سے جو دن کی روشنی آرہی تھی وہ پھیکی پڑتی جارہی تھی..... کچھ ہی دیر کے بعد یہ روشنی بھی غائب ہو گئی اور تہہ خانے کی کوٹھڑی میں اندھیرا ہو گیا۔

آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ ایک آدمی کو اندھیری کوٹھڑی میں بند کر کے اس پر چھ سات سانپ چھوڑ دیئے جائیں تو اس آدمی کا کیا حشر ہو گا..... اس کے باوجود شیر خان نے اپنے ہوش و حواس کو اپنے قابو میں رکھا ہوا تھا..... وہ اندھیرے میں اِدھر اُدھر دیکھ رہا تھا کہ کسی طرف سے کوئی سانپ تو اس پر حملہ کرنے نہیں آرہا..... ایک سانپ کی پھنکار کی دھیمی دھیمی آواز اسے مسلسل سنائی دے رہی تھی..... پھر اچانک کوٹھڑی میں روشنی ہو گئی..... شیر خان نے دیکھا کہ تہہ خانے کی چھت میں لگا ہوا بجلی کا بلب روشن ہو گیا تھا..... یہ بلب باہر سے بٹن دبا کر روشن کیا گیا تھا..... بلب کی روشنی میں شیر خان کو تہہ خانے میں سب کچھ دکھائی دینے لگا..... سب سے پہلے اس نے چھت کی طرف دیکھا..... اسے کوئی سانپ چھت کے ساتھ چمٹا ہوا نظر نہ آیا..... دیواروں پر بھی کوئی سانپ نہیں تھا..... اس کا مطلب تھا کہ باقی کے سانپ گھاس کے اندر چھپے

ہوئے ہیں اور کسی بھی وقت اس پر حملہ کر سکتے تھے، جس سانپ نے شیر خان کو ڈسا تھا اتفاق سے اس کے زہر کی تاثیر سرد تھی اور خوش قسمتی سے اس کا زہر بھی اتنا زیادہ مہلک نہیں تھا..... کچھ زہر کے کم مہلک ہونے کی وجہ شیر خان کی زبردست قوت ارادی تھی جس کی وجہ سے اس پر سانپ کے زہر کا ہلاکت خیز اثر نہیں ہوا تھا، لیکن کسی دوسرے سانپ کا زہر ہلاکت خیز ہو سکتا تھا اور اگر اسے کسی طرف سے اچانک نکل کر کوئی ایسا سانپ کاٹ لیتا ہے جس کے زہر کی تاثیر گرم تھی تو شیر خان کا زندہ بچنا ناممکن تھا۔

خون دوبارہ گرم ہو جانے کے باعث شیر خان کی جسمانی طاقت واپس آگئی تھی..... اب وہ اس کوشش میں تھا کہ کوئی سانپ اسے دکھائی دے جائے یا اس پر حملہ کرے تو وہ اسے وہیں پاؤں سے کچل کر ہلاک کر ڈالے..... بلب کی روشنی اس کی بڑی مدد کر رہی تھی..... اس نے اپنے پیر کا ایک بوٹ اتار کر اپنے ہاتھ میں لے لیا اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے لگا کہ سانپ کس طرف سے حملہ آور ہوتا ہے..... وہ سوکھی گھاس کو پاؤں سے ہلا کر سانپوں کو باہر آنے پر مجبور کر سکتا تھا، لیکن وہ ڈرتا تھا کہ اس طرح سے اگر بیک وقت چار پانچ سانپ اچانک نکل آئے تو وہ کس کس سے اپنے آپ کو بچائے گا..... سانپ کی پھنکار کی جو آواز آرہی تھی وہ اب بند ہو گئی تھی..... اچانک شیر خان نے دیکھا کہ ایک سانپ گھاس میں سے نکل کر دیوار پر چڑھ رہا تھا..... اس نے پوری طاقت سے جوتے کی ایڑی اس کے سر پر دے ماری..... سانپ وہیں سے نیچے گر پڑا اور تڑپنے لگا..... شیر خان نے اس پر جوتا برسانا شروع کر دیا..... یہاں تک کہ سانپ مر گیا۔

وہ حساب ذہن میں رکھتا جا رہا تھا..... اس نے چار سانپ مار ڈالے تھے..... ان میں سے صرف ایک سانپ نے اسے ڈسا تھا جس کے زہر کا اثر اب تقریباً اس کے خون میں سے زائل ہو چکا تھا..... اب وہ پانچویں سانپ کی تلاش میں تھا..... چار سانپ مارنے کے بعد شیر خان کو حوصلہ ہو گیا تھا کہ اگر وہ اپنے ہوش و حواس قابو میں رکھے تو

باقی سانپوں کو بھی ہلاک کر سکتا ہے..... بجلی کی روشنی میں سے ایک جگہ سے سوکھی گھاس ہلتی دکھائی دی..... جوتا اس کے ہاتھ میں ہی تھا..... اس نے ذرا سا آگے ہو کر جوتے سے گھاس کو ہلایا..... ایک سانپ پھنکار مار کر اس کے سامنے آگیا..... جیسے ہی سانپ سامنے آیا شیر خان نے پوری قوت سے جوتے کی ایڑی اس پر دے ماری اور اس وقت تک جوتا مارتا رہا جب تک اس کا بھی سر نہیں کچلا گیا..... اس کے حساب سے اب صرف دو سانپ ہی باقی رہ گئے تھے، مگر یہ دو سانپ کہاں تھے؟ یہ دو سانپ کہیں بھی ہو سکتے تھے..... کسی کونے میں چھپے ہوئے ہو سکتے تھے اور اس جگہ بھی ہو سکتے تھے جہاں وہ جوتا ہاتھ میں لئے کھڑا تھا..... ابھی وہ یہ سوچ ہی رہا تھا کہ ایک سانپ اس کے پاؤں کے قریب ہی سے بڑی تیزی سے گھاس میں سے نکل کر دیوار کی طرف بڑھا اور دیوار پر چڑھنے لگا۔

لیکن وہ شیر خان سے بچ کر نہیں جا سکتا تھا۔

شیر خان نے تابڑ توڑ جوتے برسا کر اس سانپ کو بھی دیوار پر ہی کچل دیا..... سانپ مردہ ہو کر نیچے گر پڑا..... وہ چھ سانپ مار چکا تھا..... اس کو یقین تھا کہ اب صرف ایک ہی سانپ باقی رہ گیا ہے..... ایک سانپ کو وہ چند قدم اِدھر اُدھر چل کر تلاش کر سکتا تھا..... اس نے پہلے تو فرش پر پھیلی ہوئی سوکھی گھاس کا بڑے غور سے جائزہ لیا..... اسے کسی جگہ پر بھی گھاس ہلتی ہوئی دکھائی نہ دی..... اس نے ایک طرف ہٹ کر گھاس کو آہستہ آہستہ ہلانا شروع کیا..... گھاس کو ہلاتے ہوئے وہ ایک ایک فٹ آگے بڑھ رہا تھا..... ایک جگہ سے شیر خان نے گھاس کو جوتے سے ہلایا تو اسے پھنکار کی آواز سنائی دی..... وہ جلدی سے پیچھے ہٹ گیا..... سانپ گھاس کے اندر ہی رہا..... باہر نہ آیا..... گھاس کے اندر ہی چھپا وہ پھنکار رہا تھا۔

گھاس کے اندر جہاں سے سانپ کے پھنکارنے کی آواز آرہی تھی شیر خان نے ایک دم سے وہاں پر جوتوں کی بارش کر دی..... تہہ خانے کا آخری سانپ بھی

مر گیا..... شیر خان کو یقین تھا کہ وہ آخری سانپ ہی تھا..... اس کے بعد تہہ خانے میں خاموشی چھا گئی..... کسی سانپ کے پھنکارنے کی آواز نہ آئی۔

یہ سانپ انٹیلی جنس چیف مالک رام کے حکم سے تہہ خانے میں چھوڑے گئے تھے..... اس سلسلے میں کمانڈو شیر خان کا یہ اندازہ غلط تھا کہ یہ سانپ زہریلے ہیں اور ان کے ڈسنے سے آدمی مر جاتا ہے..... اگر چیف مالک رام کا ارادہ شیر خان کو ہلاک کرنے کا ہوتا تو ان میں سے صرف ایک زہریلا سانپ ہی اسے ہلاک کرنے کے لئے کافی تھا، لیکن حقیقت یہ تھی کہ ان ساتوں کے ساتوں سانپوں میں سے ایک سانپ بھی زہریلا نہیں تھا..... یہ الگ بات ہے کہ آدمی سانپ کے ڈسنے کی دہشت سے مر جاتا ہے لیکن ان کے معمولی زہر سے نہیں مر سکتا تھا..... یہ سانپ خاص طور پر سپیروں سے کہہ کر منگوا کر رکھے گئے تھے جن کے زہر سے آدمی مر نہیں سکتا تھا..... ان کے زہر کی تاثیر اتنی ہی تھی جتنی تاثیر چار پانچ ڈیموؤں کے لڑنے کے زہر کی ہوتی ہے، لیکن یہ بھی حقیقت تھی کہ شیر خان سے پہلے انٹیلی جنس چیف نے جن خطرناک ملزموں پر یہ طریقہ آزمایا تھا ان میں سے تین صرف سانپ کاٹنے کی دہشت سے ہی مر گئے تھے..... لیکن کمانڈو شیر خان کی چٹان ایسی قوت ارادی اور اپنے اللہ پر بھروسہ اور ایمان کی قوت نے اسے بچا لیا تھا۔

رات کے دس بجے کے قریب دو مسلح سنتری کمانڈو شیر خان کے لئے دو جلی ہوئی چپاتیاں اور پتلی دال کا پیالہ پانی کا ڈبہ لے کر آئے تو ان کے ساتھ ایک سپیرا بھی تھا..... ایک سپاہی نے سانپوں کی خالی پٹاری اٹھا رکھی تھی..... دونوں سنتری یا سپاہی زینے میں ہی کھڑے ہو گئے، جبکہ سپیرے نے پٹاری لے کر زمین پر رکھ دی اور بین بجانی شروع کر دی..... یہ سپیرا ان سانپوں کو واپس پٹاری میں بند کرنے کے لئے بین بجا رہا تھا..... کمانڈو شیر خان چپ چاپ بیٹھا یہ تماشہ دیکھتا رہا..... جب کافی دیر تک بین بجانے کے باوجود کوئی سانپ نمودار نہ ہوا تو سپیرے نے بین بجانی بند کر دی اور

سپاہیوں کی طرف دیکھ کر کہا۔

"مہاراج لگتا ہے..... سانپ یہاں نہیں ہیں"۔

"تو پھر کہاں چلے گئے سالے؟"۔

ایک سپاہی نے سپیرے کو گالی دے کر کہا..... سپیرے نے کہا۔

"مہاراج! پتہ نہیں کہاں چلے گئے ہیں..... اگر یہاں ہوتے تو اب تک باہر آ گئے ہوتے"۔

دوسرے سپاہی نے کہا۔

"ابے سالے آگے جا کر گھاس میں ڈھونڈھ تیرے باپو گھاس میں چھپے ہوں گے"۔

سپیرا سمجھ گیا تھا کہ سانپ تہہ خانے میں کہیں نہیں ہیں..... گھاس کے اندر بھی نہیں ہیں..... اگر ہوتے تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا کہ اس کے بین بجانے پر باہر نہ نکلتے، لیکن سپاہیوں کا حکم پورا کرنے کی خاطر اس نے گھاس کو اِدھر اُدھر کھنگالنا شروع کر دیا..... پہلے ایک سانپ کی لاش نکلی..... سپیرے نے چونک کر کہا۔

"مہاراج! یہ تو مر گیا ہے"۔

اس کے بعد ساتوں کے ساتوں مرے ہوئے سانپ برآمد ہو گئے..... سپاہیوں نے کمانڈو شیر خان کو گالی دی تو شیر خان نے اٹھ کر ایک سپاہی کے منہ پر اتنے زور سے مکا رسید کیا کہ وہ پیچھے جا گرا..... دوسرے سپاہی نے رائفل کی نالی شیر خان کی طرف کر دی اور بولا۔

"مجھے تمہیں ابھی زندہ رکھنے کا حکم نہ ہوتا تو میں نے ساری گولیاں تیرے بدن سے پار کر دینی تھیں"۔

پہلے سپاہی نے اُٹھ کر شیر خان کو مکا مارنا چاہا تو شیر خان نے اس کی گردن اس طرح اپنے بازو کے شکنجے میں لے لی کہ اس کی چیخیں نکل گئیں..... شیر خان نے اسے پرے دھکیل کر کہا۔

"اگر پھر کبھی مجھے گالی دینے کی جرات کی تو میں تجھے زندہ نہیں چھوڑوں گا"۔

کمانڈو شیر خان کی دلیری اور طاقت کے مظاہرے سے دونوں سپاہیوں کی طبیعتیں ٹھکانے پر آ گئی تھیں...... اگرچہ وہ خود جرائم پیشہ اور سزا یافتہ تھے مگر سمجھ گئے تھے کہ ان کا واسطہ کسی معمولی آدمی سے نہیں پڑا ہے...... سپیرے نے سانپوں کی لاشیں پٹاری میں بند کر لیں...... سپاہی شیر خان کے آگے پانی کا ڈبہ اور دال روٹی رکھ کر واپس چلے گئے اور جاتی دفعہ تہہ خانے کے اوپر والے دہانے کو آہنی سلاخوں والے جالی دار دروازے کو بند کرتے گئے۔

جب اگلے روز انٹیلی جنس چیف مالک رام کو یہ خبر پہنچی کہ شیر خان نے ساتوں سانپوں کو کچل کر ہلاک کر دیا ہے تو اس نے سپاہیوں سے کہا۔

"اس پر آج کی رات فارمولا نمبر 2 استعمال کرو...... یاد رکھو...... اس آدمی کو موت کے اتنا قریب لے جاؤ کہ اسے یقین ہو جائے کہ یہ اب زندہ نہیں بچ سکتا، لیکن اسے ابھی مارنا بالکل نہیں ہے...... اسے آئی جی صاحب کے حکم کے مطابق اس وقت تک زندہ رکھنا ہے جب تک یہ اپنے ساتھیوں کے بارے میں نہیں بتا دیتا...... اگر سانپوں کے کاٹنے کی دہشت کو اس نے ہضم کر لیا ہے تو فارمولا نمبر 2 کی اذیت اسے ضرور زبان کھولنے پر مجبور کر دے گی...... اسے ساری رات لٹکائے رکھو...... میں صبح کو آ کر اس سے بات کروں گا...... مجھے یقین ہے فارمولا نمبر 2 کو وہ ہضم نہ کر سکے گا اور ہمیں سب کچھ بتا دے گا...... جاؤ...... سورج غروب ہوتے ہی اسے لے جاؤ"۔

اس کام کے لئے ان ہی چار سپاہیوں کی ڈیوٹی لگائی گئی جنہوں نے کمانڈو شیر خان کو تہہ خانے میں بند کر کے اس پر سانپ چھوڑے تھے...... سورج غروب ہونے کے بعد شیر خان کو ہتھکڑی لگا کر اور پاؤں میں لوہے کے موٹے کڑے ڈال کر تہہ خانے سے نکالا گیا...... اسے ایک چھکڑے پر بٹھا دیا گیا...... دو مسلح سپاہی اس کے دائیں بائیں بیٹھ گئے...... دو سپاہی چھکڑے کے پیچھے پیچھے نگرانی کی خاطر چلنے لگے...... چھکڑے کے

گے ایک بیل جتا ہوا تھا...... گاڑی بان بیل کو چلا رہا تھا...... یہ گاڑی بان بھی ستیل گڑھ ٹارچر سنٹر کا ملازم ہی تھا...... چھکڑا جنگل میں درختوں کے نیچے ایک طرف کو آہستہ آہستہ چلا جا رہا تھا۔

کمانڈو شیر خان کو کچھ معلوم نہیں تھا کہ یہ لوگ کہاں لے جا رہے ہیں اور وہاں لے جا کر اس کے ساتھ کس قسم کا وحشیانہ تشدد کرنے والے ہیں۔

جنگل میں ایک جگہ بانس کے درختوں کے پاس چھکڑا رک گیا...... شیر خان کو چلا کر ایک بہت بڑے مٹی کے تودے کے پاس لے جایا گیا...... اس تودے کی پہلو میں بانسوں کا ایک بہت بڑا جھنڈ تھا...... وہاں پہلے سے ایک آدمی کھڑا ان کا انتظار کر رہا تھا...... یہ آدمی جنگلی لگتا تھا...... اس نے بانس کے درختوں کے درمیان ایک جگہ کو پانچ مربع فٹ کے قریب صاف کر دیا ہوا تھا...... شیر خان کو وہاں لا کر بٹھا دیا گیا...... دو مسلح سپاہی رائفلیں تانے اس کے پاس کھڑے ہو گئے...... جنگلی آدمی کو مخاطب کرتے ہوئے ایک حوالدار سنتری نے پوچھا۔

"کیوں بے جگہ تلاش کر لی ہے تم نے؟"۔

جنگلی آدمی نے کہا۔

"ہاں مہاراج! یہاں سے بانس کی شاخ زمین کے اندر سے پھوٹی ہوئی ہے...... آپ خود آ کر دیکھ لیں"۔

حوالدار سنتری دو قدم چل کر اس جگہ بیٹھ گیا جہاں جنگلی آدمی نے اشارہ کیا تھا...... اس نے جھک کر دیکھا کہ زمین کے نیچے سے بانس کی ایک نوکیلی کونپل تھوڑی سی باہر نکلی ہوئی تھی...... اس نے بانس کی کونپل کو انگلی سے چھوا...... اس کی نوک سوئی کی نوک کی طرح تیکھی اور سخت تھی...... اس نے اٹھ کر جنگلی آدمی سے کہا۔

"چاروں طرف میخیں ٹھونک دو"۔

جنگلی آدمی نے چھکڑے پر رکھی ہوئی لکڑی کی موٹی میخیں اور ہتھوڑا اور رسیاں

اٹھائیں اور اس جگہ آ گیا جہاں بانس کی کونپل پھوٹی ہوئی تھی..... اس نے اندازے سے چاروں طرف ایک ایک میخ زمین میں اس طرح گاڑ دی کہ وہ آدھی زمین کے اندر اور آدھی زمین سے باہر تھی..... سنتری حوالدار نے سپاہیوں سے کہا۔

"اس بھوپت ڈاکو کو یہاں لا کر لٹا دو"۔

شیر خان کی سمجھ میں ابھی تک نہیں آ رہا تھا کہ اس کے ساتھ کیا ہونے والا ہے..... اس کے دونوں ہاتھوں کو پیچھے کی طرف کر کے ہتھکڑی لگی ہوئی تھی..... دونوں پاؤں میں لوہے کے موٹے کڑے تھے..... رائفلوں کی نوک پر اسے زمین پر اس طرح لٹا دیا گیا کہ زمین سے پھوٹی ہوئی بانس کی سخت کونپل کی سوئی اس کی کمر کے بالکل درمیان میں آ گئی تھی..... سب سے پہلے اس کے دونوں پاؤں رسیوں سے دو میخوں سے کس کر باندھ دیئے گئے..... اس کے بعد اس کی ہتھکڑی کھول کر اس کے دونوں ہاتھ بھی رسیوں سے اوپر والی دو میخوں کے ساتھ باندھ دیئے گئے۔

کمانڈو شیر خان بانس کے درختوں کے نیچے اس طرح لیٹا ہوا تھا کہ اس کے دونوں بازو اور ٹانگیں پھیلی ہوئی تھیں اور اسے اپنی کمر میں قمیض کے نیچے بانس کی سخت کونپل کی نوک کی چبھن محسوس ہو رہی تھی..... اس کے دونوں ہاتھ اور پاؤں رسیوں سے میخوں کے ساتھ اس طرح باندھے گئے تھے کہ دونوں ہاتھ پاؤں کو جھٹکنا تو دُور کی بات تھی، وہ انہیں ایک انچ بھی آگے پیچھے حرکت نہیں دے سکتا تھا..... جب کمانڈو شیر خان کو زمین پر پوری طرح سے جکڑ کر لٹا دیا گیا تو جنگلی آدمی رام رام کر کے چلا گیا..... دو سنتری بھی چھکڑے پر بیٹھ کر واپس چلے گئے..... وہاں صرف دو سنتری رہ گئے..... یہ دونوں رائفلیں سنبھالے کچھ دیر اِدھر اُدھر ٹہلتے رہے پھر شیر خان کے قریب آ کر اسے غور سے دیکھا اور ان میں سے ایک نے کہا۔

"ارے بھیا بھوپت ڈاکو بننے کی کوشش نہ کرو..... اب بھی وقت ہے اپنے ساتھیوں کے بارے میں بتا دو ورنہ صبح تمہاری یہاں لاش پڑی ہو گی"۔

کمانڈو شیر خان نے کوئی جواب نہ دیا۔

دوسرے سنتری نے کہا۔

"بھیا خودکشی نہ کرو..... کہہ دو، میں سب کچھ بتانے کو تیار ہوں..... ہم ابھی تمہیں یہاں سے اٹھا کر واپس لے جائیں گے..... ارے تمہیں معلوم ہی نہیں ہے کہ تمہاری موت کتنی تکلیف والی اور دردناک ہو گی"۔

کمانڈو شیر خان نے پھر بھی کوئی جواب نہ دیا..... اس کی خاموشی کو نیم رضامندی تصور کرتے ہوئے جب پہلے سنتری نے کہا۔

"شاباش بھیا! ہاں کہہ دو..... تمہاری جان بچ جائے گی"۔

تب شیر خان نے کہا۔

"مسلمان مجاہد موت سے نہیں ڈرتا، بلکہ موت اس سے ڈرتی ہے..... میں اپنے ساتھیوں کے بارے میں کچھ نہیں بتاؤں گا"۔

سنتری نے کہا۔

"تم مرنا ہی چاہتے ہو تو جاؤ مرو..... ہم تمہاری موت کا مزے سے تماشہ دیکھیں گے"۔

یہ حقیقت ہے کہ کمانڈو شیر خان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ لوگ اسے کس طریقے سے مارنا چاہتے ہیں..... آخر وہ یہی سمجھا کہ اسے اسی طرح زمین پر باندھ کر بھوکا پیاسا مارا جائے گا..... اس سے زیادہ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا..... یہ خیال ضرور اسے پریشان کر رہا تھا کہ آخر ان لوگوں نے زمین پر اس جگہ کیوں لٹا کر باندھا گیا ہے جہاں زمین کے اندر سے بانس کی کونپل پھوٹی ہوئی ہے اور اس کونپل کی سوئی کی چبھن اس کو کمر میں باقاعدہ محسوس ہو رہی ہے۔

یہاں ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس بات کی تھوڑی سی تشریح یا وضاحت کر دی جائے کہ تشدد بلکہ موت کی سزا دینے کا یہ طریق کار آخر ہے کیا..... یہ حقیقت ہے کہ

تمام درختوں میں سے بانس کے درخت کی کونپل سخت اور تیکھی ہوتی ہے..... دوسری حقیقت یہ ہے کہ بانس کی کونپل زمین میں سے سر نکالنے کے بعد بالکل سیدھی بڑھتی ہے اور بڑی تیزی سے بڑھتی ہے..... قدیم زمانے میں راجہ اور بادشاہوں نے قتل کے کسی مجرم یا اپنے کسی دشمن کو اذیت ناک طریقے سے موت کی سزا دینی ہوتی تھی تو اس شخص کو بانس کے درخت کے نیچے کسی ایسی جگہ اوندھا کر کے لٹا دیا جاتا تھا جہاں زمین کے اندر سے بانس کی تازہ کونپل پھوٹی ہوئی ہوتی تھی..... اہتمام خاص طور پر کیا جاتا تھا کہ بانس کی کونپل کی نوک مجرم کی ناف کے عین نیچے ہو..... اس کے بعد موت کی سزا پانے والے کے چاروں ہاتھ پیروں کو اس طرح سے باندھ دیا جاتا تھا کہ وہ ذرا سی بھی حرکت نہ کر سکے..... اس کے بعد ایک اذیت ناک موت کا عمل شروع ہو جاتا تھا۔

کہا جاتا ہے کہ بانس کی سخت اور سوئی ایسی کونپل آہستہ آہستہ زمین سے نہیں نکلتی بلکہ تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد ایک دم سے باہر کو نکلتی رہتی ہے..... جیسے جیسے بانس کی یہ تیکھی کونپل زمین سے باہر آتی ہے وہ نیچے سے موٹی ہوتی جاتی ہے..... ساری رات یہ کونپل مجرم کی ناف کے اندر دھنستی چلی جاتی ہے اور اذیت ناک موت کا شدید کرب لمحہ بہ لمحہ بڑھتا چلا جاتا ہے..... موت کے شکنجے میں جکڑا ہوا بدنصیب انسان ساری رات عذاب میں مبتلا بلبلاتا، کراہتا اور چیختا رہتا ہے..... اسے اس طریقے سے باندھا گیا ہوتا ہے کہ وہ درد کی شدت سے تڑپ بھی نہیں سکتا کہ شاید تڑپنے ہی سے درد کچھ کم ہو جائے..... صبح کے وقت جب بادشاہ آ کر اسے دیکھتا تو بانس کی کونپل ایک نیزے کی طرح اس کی کمر سے باہر نکلی ہوتی تھی اور بدنصیب انسان مر چکا ہوتا تھا۔

انٹیلی جنس چیف مالک رام نے تاریخ کی کسی کتاب میں موت کی سزا دینے کا یہ وحشیانہ طریقہ پڑھ لیا تھا، چنانچہ اپنے ٹارچر سنٹر میں وہ جنہیں ہلاک کرنا ہوتا تھا انہیں اسی فارمولے سے ہلاک کرتا تھا، لیکن کمانڈو شیر خان کو چونکہ ابھی ہلاک کرنے کے آرڈر نہیں ہوئے تھے اس لئے اسے اتنی رعایت دی گئی تھی کہ بانس کی کونپل جب اس

کی کمر میں کھال کے ذرا سی اندر جائے تو اس کو ایک بار پھر موقع دیا جائے کہ وہ اپنے ساتھیوں کے نام پتے بتا دے..... جنگلی آدمی جس نے کمانڈو شیر خان کو لٹایا تھا چیف مالک رام کو بتا دیا تھا کہ رات کے گیارہ اور بارہ کے درمیان بانس کی کونپل مجرم کی کمر کی کھال کے اندر چلی جائے گی..... چنانچہ رات کے گیارہ اور بارہ کے درمیان مالک رام جلاد نے وہاں آ کر کمانڈو شیر خان کو ایک بار پھر زبان کھولنے پر راضی کرنے کی کوشش کرنی تھی، مگر اس سلسلے میں کمانڈو شیر خان کو کچھ نہیں بتایا گیا تھا..... اسے یہی کہا گیا تھا کہ وہ مرنے کے لئے تیار ہو جائے، اب اس سے کوئی پوچھ گچھ نہیں کی جائے گی۔

احتیاط سے کام لیتے ہوئے اس خیال کے پیش نظر کہ شیر خان کی موت نہ واقع ہو جائے ایک تو اسے پیٹ کے بل بانس کی کونپل کے اوپر نہیں لٹایا گیا تھا، دوسرے بانس کی کونپل کو اس کی کمر پر اس جگہ پر رکھا گیا تھا کہ جہاں اگر بانس کی کونپل اس کے جسم کے تھوڑی سی اندر بھی چلی جائے تو اس کی موت واقع نہ ہو..... زخمی بے شک ہو جائے۔

کمانڈو شیر خان کی حالت یہ تھی کہ وہ بانس کے درختوں کے نیچے ننگی اور گیلی زمین پر چت لیٹا ہوا تھا..... اس کے ہاتھ پاؤں رسیوں سے میخوں کے ساتھ بندھے ہوئے تھے..... اس کی کمر کی بائیں جانب اسے ہلکی سی چبھن برابر محسوس ہو رہی تھی..... وہ یہی سمجھ رہا تھا کہ اس کی کمر کے نیچے کوئی کانٹا اتفاق سے آ گیا ہے جو اسے چبھ رہا ہے..... وہ یہی سمجھا ہوا تھا کہ اسے یہی اذیت دی گئی ہے کہ وہ ساری رات بندھے ہوئے ہاتھ پاؤں کے ساتھ زمین پر اس طرح سیدھا پڑا رہے کہ ذرا سی بھی حرکت نہ کر سکے۔

دونوں سپاہی رائفلیں تھامے اس سے چند گز کے فاصلے پر کھڑے اسے دیکھ رہے تھے..... پھر وہ آپس میں باتیں کرتے ہوئے ٹہلنے لگے..... اس کے بعد وہ ایک درخت کے نیچے لکڑی کے سٹولوں پر بیٹھ کر سگریٹ پینے لگے..... شام کا سرمئی دھندلکا آہستہ آہستہ رات کے اندھیرے میں گھل مل رہا تھا..... ایک سپاہی اٹھا اور اس نے شیر خان

کے سرہانے کی جانب ایک پتھر رکھ کر اس پر بڑی موم بتی روشن کر دی..... شیر خان کا جکڑا ہوا جسم جیسے اکڑ گیا تھا..... وہ صرف اپنی گردن ہی ہلا سکتا تھا..... اچانک اسے ایسا محسوس ہوا جیسے اس کی کمر میں جہاں کانٹے کی ہلکی چبھن ہو رہی تھی وہاں کسی چیونٹی نے کاٹا ہو، مگر یہ چیونٹی نے نہیں کاٹا تھا بلکہ بانس کی کونپل کی سخت سوئی زمین کے اندر سے تھوڑی سی باہر نکل کر شیر خان کی کمر کی کھال میں گھس گئی تھی۔

چبھن نہ تو کم ہو رہی تھی نہ بڑھ رہی تھی..... ایک سطح پر آ کر رُک گئی تھی..... شیر خان سوچنے لگا کہ اگر کسی چیونٹی نے کاٹا ہو اور اس جگہ کو کھجلایا نہ جائے تو درد کی چبھن تھوڑی دیر کے بعد اپنے آپ غائب ہو جاتی ہے..... یہ کیسی چبھن ہے کہ مسلسل ایک ہی سطح پر برقرار ہے..... جنگل میں بڑی وحشت ناک خاموشی چھائی ہوئی تھی..... دونوں سنتری باتیں کرتے کرتے خاموش ہو گئے تھے..... اندھیرے میں شیر خان کو ان کے سائے سے ہی نظر آ رہے تھے..... رات گزرتی جا رہی تھی..... شیر خان کی کمر میں چبھن کی لہر مسلسل جاری تھی اور اس میں تھوڑا سا اضافہ ہو گیا تھا اور وہ حیران ہو رہا تھا کہ یہ معاملہ کیا ہے..... کبھی اسے خیال آتا کہ ایک چیونٹی بار بار اس کی کمر پر کاٹ رہی ہے..... کبھی وہ سوچتا کہ شاید وہ کانٹا جو اس کی کمر کے نیچے آ گیا تھا اس کی کمر میں گھس گیا ہے..... کوئی ایک شے واضح ہو کر اس کے ذہن میں نہیں آ رہی تھی۔

رات شاید گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ مزید گزر گئی تھی کہ اچانک چبھن کی تکلیف ایک دم سے بڑھ گئی..... شیر خان کو لگا کہ اسی چیونٹی نے اس کی کمر پر اس دفعہ بڑے زور سے کاٹا ہے..... ایسی کوئی بات نہیں تھی بات یہ تھی جسے آپ بھی سمجھ گئے ہوں گے کہ قدرت کے نظام کے تحت بانس کی کونپل جوش نمو میں زمین کے اندر سے تھوڑی سی اور نکل کر شیر خان کی کھال میں گھس گئی تھی..... ڈیڑھ گھنٹے کے وقفے کے بعد بانس کی تیکھی کونپل زمین میں سے تھوڑی سی اور باہر نکل کر ایسے شیر خان کی کمر میں مزید گھس گئی جس طرح انجکشن لگایا جاتا ہے..... اس وقت شیر خان کو محسوس ہونے لگا کہ معاملہ

کچھ اور ہی ہے..... اس کی کمر کا وہ حصہ جہاں بانس کی کونپل گھسی ہوئی تھی ایسے جکڑا گیا تھا جیسے کسی نے شکنجے میں کس دیا ہو..... اب شیر خان کو اپنی کمر میں کھال کے اندر کسی لمبے کانٹے کی موجودگی کا باقاعدہ احساس ہونے لگا تھا۔

اس وقت شیر خان پر یہ راز کھلا کہ اس کو بانس کی کسی کونپل کے اوپر لٹایا گیا ہے اور زمین کے اندر سے بانس کی کونپل باہر نکل کر اس کے جسم میں داخل ہو رہی ہے..... اسے معلوم تھا کہ صبح تک بانس کی کونپل نیزے کی طرح اس کے جسم سے باہر نکل چکی ہو گی اور وہ ختم ہو چکا ہو گا..... اس کا مطلب تھا کہ انٹیلی جنس چیف نے اسے ہلاک کرنے کا فیصلہ کر لیا ہوا تھا..... اب جو بھی فیصلہ ہوا تھا کمانڈو شیر خان اس فیصلے کے خلاف مدافعت یا مزاحمت کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھا..... اس نے دو ایک بار پاؤں کو جھٹکنے کی کوشش کی کہ شاید اسی طرح سے ان میخوں کو اکھاڑ سکے جس کے ساتھ اس کے پاؤں اور ہاتھوں کو باندھا گیا تھا مگر اسے اس طریقے سے جکڑا گیا تھا کہ وہ اپنے ہاتھ پاؤں کو جھٹک نہیں سکتا تھا۔

اس وقت رات آدھی گزر چکی تھی..... کمانڈو شیر خان نے چت لیٹے لیٹے دیکھا کہ دُور جنگل کے درختوں میں کسی گاڑی کی بتیاں روشن ہو گئی ہیں اور یہ روشنی قریب آ رہی ہے..... اب اسے گاڑی کے انجن کی آواز بھی آنے لگی تھی..... پھر ایک جیپ وہاں آ کر کھڑی ہو گئی..... جیپ کی بتیاں بجھائی نہیں گئی تھیں بلکہ روشن ہی رکھی گئی تھیں..... شیر خان نے دیکھا کہ جیپ میں سے دو مسلح گارڈ کے ساتھ چیف مالک رام اترا اور آہستہ آہستہ چل کر اس کے قریب آ کر کھڑا ہو گیا۔

ایک دو لمحے تک وہ کمانڈو شیر خان کو زمین پر پڑے دیکھتا رہا..... پھر بولا۔

"تم ابھی تک زندہ ہو؟" کوئی بات نہیں صبح کو تمہاری لاش یہاں پڑی ہو گی"۔

کمانڈو شیر خان کی کمر میں درد کی ٹیسیں اُٹھ رہی تھیں، مگر وہ شدید سے شدید درد برداشت کرنا جانتا تھا..... اس نے کہا۔

"تم مجھے موت سے نہ ڈراؤ..... موت تو ایک مجاہد کے لئے جنت کی خوشخبری لے کر آتی ہے"۔

چیف مالک رام نے کہا۔

"اب بھی وقت ہے اگر تم اپنے ساتھیوں کے بارے میں بتادو تو تمہاری جان بچ سکتی ہے..... نہیں تو جو بانس کی شاخ نیزے کی طرح تمہاری کمر میں دھنس رہی ہے وہ صبح تک تمہارے سینے سے باہر آچکی ہوگی"۔

کمانڈو شیر خان بولا۔

"مجھے ایک ہزار ایک بار مرنا قبول ہے مگر میں اپنے ساتھیوں کے بارے میں کچھ نہیں بتاؤں گا"۔

جلاد صفت مالک رام نے کہا۔

"تو پھر مرو..... نرک میں جاؤ"۔

وہ جیپ میں بیٹھ کر چلا گیا اور جنگل میں پھر وہی تاریکی چھا گئی..... صرف ایک موم بتی تھی جو شیر خان کے سرہانے کی جانب کچھ فاصلے پر جلتی جلتی آدھی رہ گئی تھی..... دونوں سنتری کچھ دیر تو شیر خان کے چاروں طرف چل پھر کر پہرہ دیتے رہے..... پھر وہ درخت کے نیچے اپنی پہلے والی جگہ پر بیٹھ کر سگریٹ پیتے اور آہستہ آہستہ باتیں کرنے لگے۔

شیر خان نے آنکھیں بند کرلی تھیں..... اس کی درد کی شدت میں اضافہ ہو گیا تھا..... وہ موت کو گلے لگانے کے لئے بالکل تیار تھا..... وہ جانتا تھا کہ درد جب ایک حد سے گزر جائے گا تو اس کی روح قفس عنصری سے پرواز کر جائے گی..... اسے اپنے ساتھی مجاہدوں کا خیال آنے لگا، لیکن جلد ہی اس نے اپنے ساتھیوں کا خیال دل سے نکال دیا اور خدا سے اپنے گناہوں کی معافی مانگنے لگا۔

درد کی ٹیسیں ایک لہر کی طرح اس کی کمر کے نیچے سے اٹھ کر سارے جسم میں

پھیل رہی تھیں..... شیر خان دل میں کلمہ شریف کا ورد کرنے لگا..... جلاد صفت مالک رام کو گئے پندرہ بیس منٹ گزرے ہوں گے کہ وہی جیپ دوبارہ آگئی..... اس کی ہیڈ لائٹس کی روشنیاں شیر خان پر پڑ رہی تھیں..... جیپ میں سے تین سپاہی اترے..... انہوں نے وہاں پر پہلے سے پہرہ دیتے سپاہیوں کو اشارہ کیا اور دونوں سپاہی بھی ان کے ساتھ شامل ہوگئے..... انہوں نے ہتھوڑوں کی مدد سے وہ میخیں زمین میں سے اکھاڑ دیں جن کے ساتھ شیر خان کے ہاتھ پیر باندھے گئے تھے..... پھر انہوں نے شیر خان کو اٹھا کر بٹھادیا..... زمین سے اوپر اٹھتے وقت شیر خان کو محسوس ہوا جیسے اس کی کمر میں دھنسی ہوئی کوئی سلاخ باہر نکل گئی ہو..... اسے چین سا آگیا..... سپاہیوں نے اس کے دونوں ہاتھ پیچھے باندھے..... پاؤں کی رسیاں کھول دیں اور اسے چلاتے ہوئے جیپ میں لا کر بٹھادیا..... دو سپاہی رائفلیں تان کر جیپ کے پیچھے کھڑے ہوئے..... دو مسلح سپاہی کمانڈو شیر خان کے دائیں بائیں بیٹھ گئے اور جیپ واپس روانہ ہوگئی۔

شیر خان سمجھ گیا کہ اوپر سے آرڈر آگئے ہوں گے کہ اسے جان سے نہ مارا جائے۔

بہر حال جان بچ جانے پر کمانڈو شیر خان نے اللہ کا شکر ادا کیا کہ وہ ایک بار پھر جہاد میں حصہ لے سکے گا..... راتوں رات شیر خان کو ستیلی گڑھ ٹارچر سنٹر کی ایک ڈسپنسری میں پہنچادیا گیا..... وہاں ایک سفید کوٹ والے ڈاکٹر یا کمپوڈر نے اسے سٹریچر پر پیٹ کے بل لٹادیا اور کمر پر جہاں بانس کی سوئی اس کے جسم میں داخل ہوئی تھی خون صاف کیا اور دوائی لگا کر پٹی باندھ دی..... ایک ہفتہ تک کمانڈو شیر خان کا علاج ہوتا رہا..... اس دوران چیف مالک رام اس کے پاس آکر اس کی جھوٹی دلجوئی بھی کرتا رہا اور بڑی عیاری سے اس کو قائل کرنے کی کوشش بھی کرتا رہا۔

جب شیر خان کا زخم بھر گیا اور وہ چلنے پھرنے کے قابل ہوگیا تو اسے ایک بار پھر زمین دوز کوٹھڑی یعنی پرانے والے تہہ خانے میں بند کر دیا گیا..... وہاں مالک رام نے آکر اس سے کہا۔

"آئی جی صاحب نے تمہیں اس شرط پر زندگی کی مہلت دی ہے کہ تم ہمیں اپنے ساتھیوں کے نام بتادو اور یہ بتادو کہ وہ کون لوگ تھے..... یہ یقین رکھو کہ ہم ان کا سراغ لگالیں گے، وہ لوگ پولیس سے بچ کر نہیں جائیں گے، لیکن اگر تم بتادو گے تو ایک تو تمہاری جان بخشی ہو جائے گی اور دوسرے ہمیں زیادہ بک بک جھک جھک نہیں کرنی پڑے گی"۔

شیر خان نے کہا۔

"آپ کو میں کئی بار کہہ چکا ہوں کہ میں اپنے ساتھیوں کے نام کبھی نہیں بتاؤں گا چاہے آپ مجھے آدم خور شیروں کے آگے ڈال دیں..... چاہے مجھے پھانسی پر لٹکادیں..... پھر آپ بار بار مجھ سے یہ سوال کیوں کر رہے ہیں..... باقی رہی زندگی کی مہلت دینے کی بات تو آپ کا آئی جی پولیس کون ہوتا ہے مجھے زندگی کی مہلت دینے والا..... اس کو خود اپنی زندگی کا پتہ نہیں کہ کب موت آکر اس کا گلا دبادے گی..... وہ مجھے زندگی کی کیا مہلت دے گا..... میری زندگی اور موت صرف میرے اللہ کے ہاتھ میں ہے..... تم لوگ مجھ سے جو غیر انسانی سلوک کر رہے ہو بے شک کرتے چلے جاؤ..... میری زبان پر میرے ساتھیوں کا نام کبھی نہیں آئے گا..... اگر اللہ نے میری موت تمہارے ہاتھوں لکھ دی ہے تو مجھے کوئی نہیں بچا سکے گا، اگر میری موت کا وقت ابھی نہیں آیا تو تم میرا کچھ نہیں بگاڑ سکو گے"۔

جلاد صفت مالک رام کو غصہ آگیا" اس نے کہا۔

"میں دیکھ لوں گا تم کیسے زبان نہیں کھولتے..... اس وقت تمہاری زندگی اور موت میرے ہاتھ میں ہے اور اب تمہیں موت سے کوئی نہیں بچا سکے گا"۔

مالک رام غصے سے پھنکارتا ہوا چلا گیا۔

شیر خان کا خیال تھا کہ ایک بار پھر تہہ خانے میں سانپوں کی پٹاری پھینک دی جائے گی جس میں اس دفعہ بہت زہریلے سانپ ہوں گے، لیکن ایسا نہ ہوا..... رات

گزر گئی تہہ خانے کی سیڑھیوں میں دن کی روشنی تہہ خانے کے دہانے پر رکھے ہوئے آہنی فریم کی جالیوں میں سے نکل کر پڑنے لگی تھی..... ایک مسلح سنتری اس کے لئے دو باسی روٹیاں اور دال لے کر آگیا..... ایک مسلح سپاہی اس کے پیچھے نمودار ہوا..... وہ تہہ خانے کے زینے میں رائفل تان کر کھڑا ہو گیا..... اس کے ہاتھ کھول دیئے گئے۔

سپاہی نے کہا۔

"جلدی جلدی اسے کھالو..... کل تمہیں کچھ کھانے پینے کی حاجت نہیں رہے گی"۔

شیر خان سمجھ گیا کہ یہ لوگ اسے موت کے گھاٹ اترنے کا فیصلہ کر چکے ہیں..... اس کی اسے کوئی پروا نہیں تھی..... اس نے جسم و جان کے رشتے کو برقرار رکھنے کے لئے باسی دال روٹی زہر مار کر لی..... کیونکہ اس کا ایمان تھا کہ اگر اس کی موت ابھی نہیں لکھی ہوئی تو مالک رام کا باپ بھی اسے نہیں مار سکتا..... سپاہی اس کے ہاتھ رسی سے پیچھے باندھ کر چلے گئے..... دوپہر کو اسے چار مسلح سپاہی ایک قریبی تالاب پر لے گئے جہاں اس نے منہ ہاتھ دھویا..... جب تک وہ تالاب پر رہا سپاہی رائفلیں تانے اس کو اپنے حصار میں لئے رہے..... اس کے بعد دوبارہ اس کے ہاتھ پیچھے باندھ دیئے گئے اور اسے تہہ خانے میں ڈال دیا گیا۔

دوپہر کے بعد اسے ایک بار پھر دو باسی روٹیاں ساتھ دال دی گئی..... اس وقت سپاہی نے کہا۔

"بھوپت جی! یہ تمہاری زندگی کا آخری کھانا ہے"۔

تہہ خانے میں تین مسلح سپاہی آئے ہوئے تھے..... جب شیر خان زہر مار کر چکا تو اس کے دونوں ہاتھ پیچھے باندھنے کے بعد اس کی آنکھوں پر بھی کالی پٹی کس کر باندھ دی گئی..... تینوں سپاہی اسے پکڑ کر تہہ خانے سے باہر لے آئے..... کالی پٹی میں سے شیر خان کو کچھ نظر نہیں آرہا تھا..... اسے ایک بیل گاڑی میں بٹھادیا گیا اور بیل گاڑی چل پڑی..... شیر خان نے سوچا کہ یہ لوگ اسے جنگل میں کسی جگہ شوٹ کرنے کے

لئے لے جا رہے ہیں..... شیر خان نے دل میں کلمہ پاک کا ورد شروع کر دیا..... اس نے اپنے آپ کو اللہ کی مرضی کے سپرد کر دیا تھا..... اب اسے کوئی غم فکر نہیں رہا تھا۔

بیل گاڑی جنگل میں چلتی رہی..... پھر ایک جگہ بیل گاڑی رُک گئی..... شیر خان کو گاڑی میں سے دو مسلح سپاہیوں نے پکڑ کر اتارا..... شیر خان کو کچھ معلوم نہیں تھا کہ وہ جنگل میں کس جگہ پر آ گیا ہے..... یہ ہم آپ کو بتاتے ہیں کہ جنگل میں وہ کون سی جگہ تھی جہاں بیل گاڑی آ کر رُکی تھی وہاں چند قدموں کے فاصلے پر ایک اندھا کنواں تھا جو ایک مدت سے بند پڑا تھا..... اس کنوئیں کی گہرائی تیس فٹ کے قریب تھی اور اس کا قطر یعنی گولائی دس فٹ سے کم نہیں تھی..... جلاد صفت مالک رام نے ستپل گڑھ کے جنگل میں ٹارچر سیل قائم کرنے کے بعد جب اِرد گرد کے جنگل کا سروے کیا تھا تو اسے یہ اندھا کنواں نظر آ گیا تھا۔

مالک رام کے وحشیانہ اور ظالمانہ عزائم کی تسکین کے لئے یہ کنواں بڑا موزوں تھا..... مالک رام اس بات کا قائل نہیں تھا کہ کسی مجاہد کو ایک دم سے گولی مار کر ہلاک کیا جائے..... اس کا خیال تھا کہ اس طرح تو مجاہد کو اچانک موت آ جاتی ہے اور موت اس کو جسمانی اذیتوں سے اچانک نجات دلا دیتی ہے..... وہ زیر تفتیش مجاہدوں کو تڑپا تڑپا کر مارنے کا قائل تھا، چنانچہ اس نے اس کنوئیں کا ایک آدمی اس میں اتار کر اچھی طرح سے جائزہ لیا..... اسے معلوم ہوا کہ کنوئیں میں جھاڑ جھنکاڑ اور گلے سڑے پتوں کی وجہ سے ہر وقت زہریلی گیس خارج ہوتی رہتی ہے..... اس کے علاوہ اسے بتایا گیا کہ کنوئیں کی تہہ میں سانپوں کے بل بھی دیکھے گئے ہیں، جس کا مطلب تھا کہ اس اندھے کنوئیں میں سانپوں کا بھی بسیرا تھا..... مالک رام یہ کرتا کہ جو زیر تفتیش مجرم یا مجاہد تشدد کے باوجود زبان نہ کھولتا تھا اسے اس اندھے کنوئیں میں پھینک دیتا..... اوپر سے کنوئیں کا منہ لکڑی کے ڈھکن سے بند کر کے اوپر بھاری پتھر رکھ دیا جاتا..... کنوئیں کے اندر جسے پھینکا جاتا تھا وہ یا تو بھوکا پیاسا مر جاتا اور یا پھر کسی سوراخ میں سے کوئی زہریلا سانپ

نکل کر ڈس لیتا اور اس کی موت واقع ہو جاتی..... اس اندھے کنوئیں میں چیف مالک رام دس بارہ بدنصیب انسانوں کو پھینک چکا تھا، جن کی ہڈیوں کے پنجر اندھے کنوئیں میں ہی پڑے رہتے تھے..... اگر بدنصیب شخص سانپ کے ڈسنے سے بچ جاتا تو کنوئیں سے اٹھنے والی زہریلی گیس کی وجہ سے دم گھٹ کر مر جاتا۔

اس کنوئیں کا نام مالک رام نے موت کا کنواں رکھا ہوا تھا..... جب مالک رام کے طرح طرح کے تشدد کے باوجود کمانڈو شیر خان نے زبان نہ کھولی تو اس نے شیر خان کو اندھے کنوئیں میں پھینکنے کا فیصلہ کر لیا..... اس کی اس نے اوپر سے اجازت بھی لے لی، چنانچہ اسی مقصد کے لئے کمانڈو شیر خان کو بیل گاڑی میں بٹھا کر وہاں لایا گیا تھا..... مالک رام خود بھی ساتھ آیا تھا..... کمانڈو شیر خان کو جب اندھے کنوئیں کی منڈیر پر لا کر کھڑا کر دیا گیا تو مالک رام نے حکم دیا۔

"اس کی آنکھوں کی پٹی کھول دو"۔

ایک سپاہی نے جلدی سے آگے بڑھ کر اس کی آنکھوں کی پٹی کھول دی..... شیر خان نے دیکھا کہ ڈوبتے سورج کی پھیکی روشنی میں جنگل میں جہاں اسے کھڑا کیا گیا ہے، اس کے آگے ایک گہرا کنواں ہے جس کی گول منڈیر پر گھاس اُگی ہوئی ہے..... یہ گھاس اس بات کی طرف اشارہ کرتی تھی کہ یہ کنواں ویران اور اندھا ہے..... مالک رام اس کے سامنے کنوئیں کی دوسری طرف آ کر کھڑا ہو گیا..... شیر خان کے ہاتھ بندھے ہوئے تھے..... اس کو دو آدمیوں نے پکڑ رکھا تھا..... مالک رام نے کہا۔

"ابھی وقت ہے..... اگر تم میری بات مان لو گے تو تم ساری عمر زندہ رہو گے..... ہم تمہیں رہا کر دیں گے..... اگر نہ مانی تو تمہیں اس اندھے کنوئیں میں پھینک دیا جائے گا جو تمہارے ایک قدم آگے ہے..... بولو..... زندگی چاہتے ہو یا موت؟"۔

شیر خان نے کہا۔

"مجھے وہ زندگی ہرگز قبول نہیں جو مجھے اپنے دوستوں اور اپنی زندگی کے نصب

العین سے غداری کرنے کے عوض ملے..... میرا ایمان سلامت ہے..... میں تمہیں کچھ نہیں بتاؤں گا"۔

مالک رام نے کہا۔

"ایک بار پھر سوچ لو، کیونکہ اس کے بعد تمہیں سوچنے کا موقع نہیں ملے گا"۔

شیر خان نے کہا۔

"میں نے جو کچھ کہا ہے وہ میرا آخری فیصلہ ہے..... اگر خدا نے میری موت اسی طرح لکھی ہے تو میں اسے ہنس کر گلے لگاتا ہوں"۔

مالک رام نے سپاہیوں کو اشارہ کیا..... دونوں سپاہیوں نے جو شیر خان کو پکڑ کر کنوئیں کی منڈیر پر کھڑے تھے اسے اندھے کنوئیں میں دھکا دے دیا..... شیر خان اپنے دونوں ہاتھوں سے اپنے سر کو نہیں ڈھانپ سکتا تھا تاکہ چوٹ نہ لگے، کیونکہ اس کے دونوں ہاتھ رسی سے پیچھے بندھے ہوئے تھے..... اس نے وہی کیا جو ایسی صورت میں اسے کرنے کی تربیت دی گئی تھی۔

اس نے گرتے کے ساتھ ہی اپنے آپ کو دوہرا کر کے پہلو رُخ پر کر لیا تاکہ نیچے اس کا سر اور ٹانگیں ٹوٹنے سے محفوظ رہیں..... کنوئیں کی گہرائی قریب قریب تیس فٹ تھی..... یہ بڑی غنیمت رہی کہ وہ پتھروں پر گرنے کی بجائے گلے سڑے پتوں، گھاس، پھونس اور درختوں کی گری پڑی شاخوں اور انسانی ہڈیوں کے پنجروں پر گرا..... اس کے فوراً بعد چیف مالک رام کے حکم پر کنوئیں کو لکڑی کے گول تختے سے ڈھانپ کر اس کے اوپر دو بھاری پتھر رکھ دیئے گئے۔

مالک رام نے ایک سپاہی سے کہا۔

"تم یہاں آج کی رات پہرہ دو گے کل صبح یہ تسلی کرنے کے بعد کہ یہ کشمیری جاسوس مر چکا ہے تم واپس اپنے سنٹر میں آجاؤ گے"۔

اپنی طرف سے مالک رام شیر خان کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم کر کے بیل گاڑی

میں سوار ہو کر واپس چلا گیا..... صرف ایک سنتری پیچھے رہ گیا جو اندھے کنوئیں کے ایک قریبی درخت پر چڑھ کر بیٹھ گیا اور پاؤں لٹکا کر سگریٹ پینے لگا۔

شیر خان نے گرتے ہی سب سے پہلے یہ جائزہ لیا کہ اس کی کوئی ہڈی تو نہیں ٹوٹی..... گھاس پھونس اور گلے سڑے پتوں نے اسے چوٹ لگنے سے بچا لیا تھا..... کنوئیں کو ڈھانپ دینے سے اندر اندھیرا چھا گیا تھا..... اگرچہ باہر ابھی دن کی روشنی باقی تھی..... شیر خان کی ہڈی پسلی سلامت تھی..... ایک رُخ پر گرنے اور انسانی ہڈیوں کے پنجر کے اوپر گرنے سے اس کے ایک جانب کی کولہے کی ہڈی درد کرنے لگی تھی..... کنوئیں میں گلے سڑے پتوں کی وجہ سے ناگوار بو پیدا ہو رہی تھی..... شیر خان نے پہلا یہ کام کیا کہ اپنے آپ کو ہلکے ہلکے جھٹکوں سے دھکیلتے ہوئے کنوئیں کی دیوار کے پاس لے گیا..... یہاں جگہ تھوڑی اونچی اور درختوں کی جھاڑیاں خشک تھیں..... اس نے کنوئیں کی دیوار کے ساتھ پشت لگا لی اور پیچھے بندھے ہوئے ہاتھوں سے دیوار کو ٹٹولا..... دیوار کی چنائی میں اینٹیں بھی استعمال ہوئی تھیں اور پتھر بھی استعمال کیا گیا تھا..... کہیں کہیں دیوار میں گھاس اگ رہی تھی۔

کمانڈو شیر خان نے دیوار میں سے باہر نکلے ہوئے ایک پتھر کو چن لیا اور اس کے ساتھ ہاتھوں پر بندھی ہوئی رسی کو آہستہ آہستہ رگڑنا شروع کر دیا..... یہ بڑا صبر طلب کام تھا اور شیر خان صبر کرنا جانتا تھا..... صبر اس کے مسلمانی ایمان کا ایک حصہ تھا..... اسے اللہ تعالیٰ کا فرمان یاد تھا کہ "اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے" دیوار کا پتھر نوکیلا نہیں تھا..... ہموار تھا، صرف اس کا ایک کنارا ذرا سا اُبھرا ہوا تھا..... شیر خان ہاتھوں کی رسی کو اسی کنارے پر رگڑ رہا تھا..... دیر تک وہ دونوں بندھے ہوئے ہاتھوں کو پتھر کے کنارے پر رگڑتا رہا..... آخر وہ تھک گیا اور رُک گیا..... تھوڑی دیر کے بعد پھر بندھے ہوئے ہاتھوں کی رسی کو اسی جگہ سے رگڑنے لگا..... رسی بڑی مضبوط تھی..... اس پر پتھر کی رگڑ کا بہت کم اثر ہو رہا تھا..... وقفے وقفے سے شیر خان دو تین

گھنٹوں تک رسی کو رگڑتا رہا..... آخر اسے صبر کا انعام مل گیا..... رسی کی ایک گانٹھ کٹ گئی..... اب دوسری گانٹھ باقی تھی..... اس نے اسے بھی آہستہ آہستہ پتھر کی دھار سے رگڑنا شروع کر دیا..... اسے مزید دو گھنٹے لگ گئے..... پھر رسی کی دوسری گانٹھ بھی کٹ گئی۔

شیر خان نے ہلکا سا جھٹکا دیا اور اس کے دونوں ہاتھ آزاد ہو گئے..... وہ دونوں کلائیوں کو سہلاتے ہوئے کنوئیں کی دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گیا..... کنوئیں میں گلے سڑے پتوں کی ناگوار بو پھیلی ہوئی تھی مگر اس بو میں زہریلا عنصر زیادہ مقدار میں نہیں تھا، لیکن ہر سانس کے ساتھ تھوڑی تھوڑی کاربن ڈائی آکسائیڈ گیس اس کے پھیپھڑوں میں ضرور جا رہی تھی جو اسے کچھ وقت گزر جانے کے بعد بے ہوش کر سکتی تھی اور اس کے بعد بے ہوشی میں ہی اس کی موت واقع ہو سکتی تھی..... شیر خان کو اس سے پہلے پہلے کنوئیں سے نکلنے کی کوشش کرنی تھی۔

شیر خان نے اٹھ کر کنوئیں کی دیوار کو دونوں ہاتھوں سے ٹٹول ٹٹول کر دیکھنے کی کوشش کی..... دیوار اینٹوں اور پتھروں کو ملا کر گارے سے بنائی گئی تھی..... بہت پرانی ہونے کی وجہ سے کہیں کہیں سے اینٹیں اور پتھر تھوڑے تھوڑے باہر نکلے ہوئے تھے..... کنوئیں کا قطر یعنی گولائی دس بارہ فٹ تھی اور شیر خان کے لئے یہ ممکن نہیں تھا کہ وہ کنوئیں کی دونوں دیواروں پر پاؤں پھنسا کر اوپر کو چڑھ سکتا..... اسے کنوئیں سے ہر حالت میں باہر نکلنا تھا..... وہ اپنی تمام ذہنی صلاحیتیں بروئے کار لا کر یہ سوچ رہا تھا کہ کنوئیں میں سے کس ترکیب کے ساتھ باہر نکلا جا سکتا ہے..... وہ بیٹھ گیا اور اندھیرے میں ادھر ادھر ہاتھ پھیرنے لگا..... ایک انسانی کھوپڑی اس کے ہاتھ میں آ گئی..... اس نے اسے چھوڑ دیا..... پھر اندھیرے میں انسانی پنجر کی پسلیوں پر اس کے ہاتھ پڑ گئے..... ان انسانی پنجروں کی ہڈیوں سے ظاہر تھا کہ اس سے پہلے بھی ٹارچر سنٹر کا جلاد چیف مالک رام کئی لوگوں کو کنوئیں میں گرا کر ہلاک کر چکا ہے..... یہ ان

بد نصیبوں کی ہڈیوں کے پنجر تھے۔

مگر کمانڈو شیر خان کو ان مردہ ہڈیوں سے کوئی سروکار نہیں تھا..... وہ ان کی کوئی مدد نہیں کر سکتی تھیں..... وہ اٹھ کر آہستہ آہستہ دیوار پر ہاتھ پھیرتا گول دائرے کی شکل میں گھومنے لگا..... ایک جگہ اس کے سر کے ساتھ اوپر سے لٹکتی ہوئی کوئی چیز ٹکرائی..... وہ وہیں رُک گیا..... بند کنوئیں کے اندھیرے میں اس نے ہاتھ اوپر کر کے لٹکتی ہوئی چیز کو چھوا..... وہ کوئی رسی نما چیز تھی..... بہت جلد اسے معلوم ہو گیا کہ یہ کسی درخت کی جڑ ہے جو کنوئیں کی دیوار میں کسی جگہ سے باہر نکلی ہوئی ہے..... اس نے اسے دو تین جھٹکے دیئے..... درخت کی جڑ مضبوط تھی..... شیر خان نے درخت کی جڑ کو دونوں ہاتھوں میں پکڑے رکھا اور اپنے دونوں پاؤں کنوئیں کی دیوار کے ساتھ لگا دیئے..... پھر وہ رسی کو پکڑ پکڑ کر کنوئیں کی دیوار پر اپنے پاؤں اوپر کرتا چلا گیا..... چھ سات فٹ اوپر چڑھنے کے بعد درخت کی وہ جڑ تو ختم ہو گئی مگر اس کی جگہ اسے ایک اور جڑ مل گئی جو اوپر دیوار میں سے باہر نکلی ہوئی دیوار کے بالکل ساتھ لگی ہوئی تھی۔

کمانڈو شیر خان کے دل میں اُمید کی شمع روشن ہو چکی تھی۔

اسے یقین ہو گیا تھا کہ قدرت اس کی مدد کر رہی ہے اور اس نے اسے کنوئیں سے باہر نکالنے کے لئے ایک سبب پیدا کر دیا ہے..... دس گیارہ فٹ اوپر جا کر درخت کی یہ جڑ بھی ختم ہو گئی..... شیر خان نے دونوں پیر کنوئیں کی دیوار سے ٹکائے ہوئے تھے..... اس نے درخت کی جڑ کو ایک ہاتھ سے تھام رکھا تھا..... یہ جڑ بھی کنوئیں کی دیوار کے اندر سے باہر نکلی ہوئی تھیں..... اس نے دوسرے ہاتھ سے دیوار کو ٹٹولا..... درخت کی ایک اور جڑ دیوار کی مٹی میں دیوار کے ساتھ چپکی ہوئی تھی..... اس نے انگلیوں سے کھرچا تو جڑ کا ایک حصہ اس کے ہاتھ میں آ گیا..... شیر خان نے اسے جھٹکا دیا..... درخت کی جڑ دیوار سے الگ ہو گئی..... یہ جڑ بھی رسی کی طرح کنوئیں کی دیوار کے ساتھ اوپر کو چلی گئی تھی۔

کمانڈو شیر خان درخت کی دیوار میں سے نکلی ہوئی جڑوں کو پکڑ پکڑ کر کنوئیں کی آدھی دیوار کا فاصلہ طے کر چکا تھا..... تیسری جڑ کو پکڑنے کے بعد وہ دیوار سے پاؤں ٹکائے مزید اوپر چڑھ گیا..... یہ جڑ کنوئیں کی منڈیر سے دو فٹ نیچے تک گئی ہوئی تھی..... وہ کنوئیں کی منڈیر سے دو فٹ کے فاصلے پر پہنچ چکا تھا۔

اسے کنوئیں کے ڈھکے ہوئے دہانے میں سے آتی جنگل کی تازہ ہوا محسوس ہو رہی تھی..... وہ جانتا تھا کہ مالک رام احمق نہیں ہے..... اس نے شیر خان کے

کنوئیں سے باہر نہ نکلنے کا پورا انتظام بھی کیا ہو گا اور باہر کوئی نہ کوئی سپاہی پہرہ بھی دے رہا ہو گا..... کم از کم اس وقت تک باہر پہرہ موجود رہتا تھا جب تک کہ انہیں یقین نہیں ہو جاتا کہ شیر خان کنوئیں کے اندر سانپ کے کاٹے یا دم گھٹنے سے مر گیا ہے..... بہت جلد اسے اس کا ثبوت مل گیا..... کنوئیں کے بند دہانے کی درزوں میں سے جو تازہ ہوا اندر آ رہی تھی اس میں شیر خان کو تمباکو کے دھوئیں کی بو بھی محسوس ہوئی..... یہ اس بات کی علامت تھی کہ کنوئیں کے باہر پہرے دار موجود ہے اور سگریٹ پی رہا ہے۔

کمانڈو شیر خان نے کنوئیں میں سے باہر نکلنے کا راستہ دریافت کر لیا تھا..... اب اسے اس لمحے کا انتظار کرنا تھا جب باہر بیٹھا سنتری وہاں سے چلا نہیں جاتا..... شیر خان درخت کی جڑوں کو پکڑ کر کنوئیں کی دیوار کے ساتھ پاؤں ٹکا ٹکا کر نیچے اتر آیا اور کنوئیں کی دیوار کے ساتھ لگ کر بیٹھ گیا..... کنوئیں کے اندر مچھروں کی بھرمار تھی..... مچھر شیر خان کو بری طرح کاٹ رہے تھے، مگر اسے یہ تکلیف بھی برداشت کرنی تھی..... ساری رات اس طرح مچھروں کو مارتے گزر گئی..... باہر درختوں میں جنگلی پرندوں کے بولنے کی آوازیں آنے لگیں۔

شیر خان نے اوپر دیکھا..... کنوئیں کے ڈھکے ہوئے دہانے کے کناروں کی درزوں میں سے دن کی روشنی اندر آ رہی تھی، صبح ہو گئی تھی..... پھر اسے باہر قدموں کی آہٹ سنائی دی..... کوئی کنوئیں کی چھت پر چل رہا تھا..... اسے چھت پر سے کسی بھاری پتھر کے لڑھکانے کی آواز آئی..... اس کے بعد کسی نے کنوئیں کے دہانے پر گرائے ہوئے تختے کو ایک طرف گھسیٹنا شروع کر دیا..... شیر خان جلدی سے دیوار سے الگ ہو کر ایک لاش کی طرح جھاڑیوں اور گلے سڑے پتوں کے اوپر لیٹ گیا۔

وہ نیم وا آنکھوں سے کنوئیں کے دہانے کو دیکھ رہا تھا..... اوپر سے تختہ ہٹا دیا گیا..... کنوئیں کے اندر دن کی روشنی آنے لگی..... پھر ایک آدمی نے جھانک کر کنوئیں میں دیکھا..... یہ وہی سپاہی ہو سکتا تھا جو رات بھر کنوئیں کے باہر پہرہ دیتا رہا

تھا..... اس نے آواز دے کر کہا۔

"ہم تمہیں باہر نکالنے آئے ہیں..... فکر نہ کرو آئی جی صاحب نے تمہاری جان بخشی کا حکم دے دیا ہے..... کیا تم زندہ ہو؟ زندہ ہو تو جواب دو تاکہ ہم تمہیں باہر نکلیں"۔

کمانڈو شیر خان سمجھ گیا کہ یہ ایک چال ہے..... سپاہی صرف اس بات کی تسلی کرنا چاہتا ہے کہ شیر خان مر چکا ہے یا ابھی زندہ ہے..... شیر خان اسی طرح لاش کی طرح پڑا رہا..... اس نے کوئی جواب نہ دیا..... پھر اوپر سے ٹارچ کی روشنی نیچے ڈالی گئی..... ٹارچ کی روشنی شیر خان کی آنکھوں پر پڑی تو اس نے آنکھیں بند کر لیں اور جسم کو بے حس و حرکت کئے رکھا..... سپاہی نے اوپر سے تین مرتبہ آواز دے کر پوچھا۔

"زندہ ہو تو آواز دو..... تاکہ ہم تمہیں باہر نکالیں..... تمہیں معافی مل گئی ہے"۔

مگر شیر خان اسی طرح بے حس و حرکت پڑا رہا، نہ اس نے کوئی حرکت کی اور نہ کوئی آواز نکالی..... سپاہی سمجھ گیا کہ کنوئیں میں اتنی بلندی سے گرتے ہی قیدی کی گردن کی ہڈی ٹوٹ گئی ہو گی اور وہ مرا پڑا ہے..... وہ یہ بھی جانتا تھا کہ اگر قیدی ادھ موا بھی ہوا تو بند کنوئیں میں بھوکا پیاسا رہ کر ایک دو دن میں مر جائے گا..... سپاہی نے لکڑی کے تختے سے کنوئیں کا منہ بند کر دیا اور اس پر دونوں بھاری پتھر رکھے اور ٹارچر سنٹر میں پہنچ کر چیف مالک رام کو بڑھا چڑھا کر بتایا کہ قیدی مجاہد مر چکا ہے اور اس کی لاش نے گلنا سڑنا بھی شروع کر دیا ہے..... مالک نے پوچھا۔

"تم نے اچھی طرح سے تسلی کر لی تھی کہ وہ مر گیا ہے؟"۔

سپاہی نے کہا۔

"سر! میں نے خود لاش پڑی دیکھی ہے..... میں نے اوپر سے چھ سات پتھر بھی مارے مگر لاش نے کوئی حرکت نہ کی..... کنوئیں میں لاش کی بدبو پھیلی ہوئی تھی"۔

اس کے بعد مالک رام نے کوئی سوال نہ کیا۔

دوسری طرف جب سپاہی کنوئیں کا منہ بند کر کے چلا گیا تو کمانڈو شیر خان نے باہر نکلنے کی جدوجہد شروع کر دی..... ایک بار وہ ریہرسل کر چکا تھا..... درخت کی پہلی جڑ کو پکڑ کر وہ دوسری جڑ تک آیا..... وہاں سے دوسری جڑ کی مدد سے تیسری جڑ تک پہنچا اور تیسری کو پکڑ کر وہ کنوئیں کے دہانے سے دو فٹ نیچے آ گیا..... آگے اس کی مہم کا سب سے مشکل مرحلہ شروع ہونے والا تھا..... اس نے دیوار میں سے نکلی ہوئی درخت کی جڑ کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر اپنے دونوں پاؤں کنوئیں کی دیوار کے ساتھ ٹکائے ہوئے تھے..... ایک خطرہ یہ بھی تھا کہ درخت کی جڑ نہ ٹوٹ جائے..... درخت کی جڑ ٹوٹ جانے سے اسے چوٹ لگنے کا خدشہ بھی تھا اور اس کے بعد کنوئیں سے باہر نکلنے کا امکان بھی ختم ہو سکتا تھا..... کنوئیں کے بند دہانے کے پاس اس کے اوپر رکھے تختے کی درزوں میں سے دن کی ہلکی ہلکی روشنی اندر آ رہی تھی..... اس روشنی میں شیر خان نے صورت حال کا جائزہ لیا..... اس کا ذہن تیزی سے کسی نتیجے پر پہنچنا چاہتا تھا۔

آخر ایک ترکیب اس کی سمجھ میں آ گئی..... اس نے کسی نہ کسی طرح اور کافی مشکل کے بعد درخت کی جڑ کو اپنی کمر کے گرد لپیٹ لیا..... اس کے دونوں ہاتھ فارغ تھے..... اپنے پاؤں اس نے بدستور کنوئیں کی دیوار کے ساتھ ٹکائے ہوئے تھے..... اس کی پوزیشن بالکل اسی طرح کی تھی جس طرح سے واپڈا کے لائن مین پیٹی سے اپنے آپ کو کھمبے کے ساتھ باندھ کر بجلی کے تاروں کی مرمت کیا کرتے ہیں..... شیر خان نے دونوں بازو اوپر کئے تو اس کے ہاتھ کنوئیں پر رکھے تختے تک پہنچ گئے، مگر وہ تختے کے اتنے قریب نہیں تھے کہ وہ دونوں ہاتھوں کا زور لگا کر تختے کو کھسکانے کی کوشش کر سکتا..... اسے یہ ڈر بھی تھا کہ اگر تختے کو ادھر اُدھر کرتے ہوئے پتھر لڑھک گیا اور اس کی آواز پیدا ہوئی تو ممکن ہے سپاہی ابھی باہر ہی ہو اور وہ فوراً وہاں آ جائے اور شیر خان پر فائر کر کے اسے دوبارہ کنوئیں میں گرا دے..... اسے یہ خبر نہیں تھی کہ سپاہی وہاں سے جا چکا ہے۔

شیر خان نے ایک جگہ کنوئیں کی دیوار میں سے تھوڑا سا باہر نکلے ہوئے پتھر پر پاؤں جمالیا..... اسی طرح کافی جدو جہد کے بعد وہ دوسرا پاؤں بھی گول دیوار پر ایک جگہ ٹکانے میں کامیاب ہو گیا..... اس نے دیوار کو پکڑ کر اپنے آپ کو ذرا سا اوپر اٹھایا..... نیچے گرنے کا خطرہ نہیں تھا، کیونکہ اس نے اپنے آپ کو درخت کی جڑ کے ساتھ باندھا ہوا تھا..... اس کا ایک ہاتھ کنوئیں کی منڈیر تک پہنچ گیا..... اس نے کنوئیں پر رکھے لکڑی کے تختے کو ہاتھ سے زور لگا کر ایک طرف کھسکانے کی کوشش کی مگر وہ ناکام رہا..... اس نے دوسری اور تیسری بار کوشش کی لیکن اس کی ہر کوشش ناکام رہی..... بہت جلد اسے احساس ہو گیا کہ وہ خواہ کچھ کرے کنوئیں کے اوپر پڑے ہوئے تختے کو ایک طرف نہیں کھسکا سکے گا جبکہ تختے کے اوپر دو وزنی پتھر رکھے ہوئے تھے..... اس نے دیکھا کہ کنوئیں کے منہ پر رکھے تختے کے نیچے جس جگہ سے دن کی روشنی کی کرنیں کنوئیں میں آ رہی تھیں وہاں بارش کے پانی نے بہہ بہہ کر چھوٹی سی ڈھلان سی بنائی ہوئی تھی۔

اس نے درخت کی جڑ کو اپنی کمر کے گرد ایک اور بل دے دیا..... اس کا یہ فائدہ ہوا کہ وہ دیوار کے اور قریب ہو گیا..... اس نے ذرا سا اُچک کر اپنے دونوں ہاتھ کنوئیں کی منڈیر پر اس جگہ ٹکا دیئے جہاں سے بارش کے پانی کے بہنے سے ڈھلان سی بنی ہوئی تھی..... اس نے ایک ہاتھ سے وہاں سے مٹی کھرچنی شروع کر دی..... مٹی بھربھری تھی..... اس نے اتنی مٹی گرا لی کہ نیچے سے اینٹ نکل آئی..... اس کا دوسرا ہاتھ منڈیر کو تھامے تھامے تھک گیا تھا..... اس نے دونوں ہاتھ چھوڑ دیئے اور کمر کے گرد بندھی ہوئی درخت کی جڑ کے سہارے دیوار پر پاؤں ٹکائے پیچھے کو ہٹ گیا..... دو تین منٹ کے بعد اس نے دوبارہ اُچک کر کنوئیں کی منڈیر کو ایک ہاتھ سے پکڑا اور دوسرے ہاتھ سے منڈیر کی اینٹ کو باہر نکالنے کے لئے جدو جہد کرنے لگا..... بارشوں نے اس جگہ کو کافی نرم کر دیا ہوا تھا..... تھوڑی سی مزید کوشش کے بعد اس

نے ایک اینٹ اکھاڑ کر نیچے کنوئیں میں گرا دی..... ایک اینٹ کے نکل آنے سے دوسری اینٹ اور پتھر بھی اپنی جگہ سے ہل گئے تھے۔

دس پندرہ منٹ کی جدو جہد کے بعد شیر خان نے ایک اور اینٹ اور ایک اور پتھر اپنی جگہ سے اُکھاڑ کر نیچے پھینک دیا..... اپنے سوچے ہوئے منصوبے کے تحت وہ اپنے کام میں لگا رہا..... تین چار منٹ کنوئیں کی منڈیر کے نیچے سے مٹی اِدھر اُدھر ہٹاتا..... اینٹ اور پتھر کو کھسانے کی کوشش کرتا اور رُک کر تھوڑی دیر آرام کرتا، اس کے بعد پھر اپنی جدو جہد میں مصروف ہو جاتا..... آدھے گھنٹے کی تھکا دینے والی جدو جہد کے بعد شیر خان نے کنوئیں کے اوپر رکھے ہوئے تختے کے نیچے چھ سات اینٹیں اور پتھر نیچے گرا دیئے..... اب وہاں اتنی جگہ بن گئی تھی کہ وہ اس میں سے رینگ کر گزر سکتا تھا، لیکن اب سب سے مشکل مرحلہ درپیش تھا۔

اسے اُچھل کر کنوئیں کی منڈیر کو دونوں ہاتھوں سے پکڑنا اور رینگ کر باہر نکلنا تھا..... اس کے لئے سب سے پہلے اسے اپنی کمر کے گرد لپٹی ہوئی درخت کی جڑ سے اپنے آپ کو الگ کرنا تھا..... درخت کی جڑ سے الگ ہوتے ہی نیچے کنوئیں میں گر پڑنے کا خطرہ تھا..... وہ سوچ میں پڑ گیا..... بظاہر یہ ناممکن بات نظر آتی تھی..... اس دوران درخت کی جڑ دیوار میں جس جگہ سے باہر نکلی ہوئی تھی اس جگہ پر مسلسل زور پڑنے کی وجہ سے مٹی نیچے گرنے لگی تھی..... ایسے لگ رہا تھا کہ اگر شیر خان کچھ اور دیر تک درخت کی جڑ کے ساتھ لٹکا رہا تو جڑ ٹوٹ جائے گی اور اس کا فرار کا سارا منصوبہ خاک میں مل جائے گا اور پھر وہ شاید کبھی اس موت کے کنوئیں سے باہر نہ نکل سکے گا۔

وہاں صرف ایک ہی ترکیب قابل عمل دکھائی دے رہی تھی..... شیر خان کو اسی ترکیب پر عمل کرنا تھا..... اگر اس میں کامیاب ہو گیا تو ہو گیا، ورنہ پھر اس کی قسمت میں اندھے کنوئیں میں گر کر موت کو گلے لگانا ہی لکھا تھا..... یہ ایک بے بسی اور بے کسی کی موت تھی جس کے لئے شیر خان بالکل تیار نہیں تھا..... ایسے حالات میں آدمی کے

اندر قدرتی طور پر ایک مافوق الفطرت طاقت پیدا ہو جاتی ہے اور جس انسان کے سینے میں ایمان کی شمع روشن ہو، جس کا عزم بلند ہو، جس میں زندہ رہنے اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کا جذبہ سلامت ہو اس کے اندر یہ طاقت دوگنا بڑھ جاتی ہے..... کمانڈو شیر خان کو اپنے اندر اس مافوق الفطرت طاقت کا احساس ہو گیا تھا۔

اس نے کلمہ پاک پڑھ کر اللہ سے مدد کی دُعا مانگی اور جتنا وہ اُچھل سکتا تھا اُچھل کر کنوئیں کی منڈیر کو پکڑ لیا..... اس کے دونوں ہاتھ کنوئیں کی منڈیر پر صحیح جگہوں پر پڑے تھے..... درخت کی جڑ کو اس نے اُچھلتے وقت ہی ہاتھ سے چھوڑ دیا تھا..... اپنے بائیں ہاتھ سے اس نے منڈیر میں سے باہر نکلے ہوئے ایک پتھر کو پکڑ رکھا تھا..... یہاں اب دیر لگانے کی گنجائش نہیں تھی، کیونکہ اس کے جسم کا سارا بوجھ دونوں ہاتھوں پر پڑا ہوا تھا..... اللہ کی مدد اس کے شامل حال تھی کہ اس نے دوسرا ہاتھ منڈیر کے شگاف کے دوسرے کنارے پر جمایا اور تھوڑا سا اور اُچک کر اپنا جسم کندھوں تک منڈیر کے شگاف سے باہر نکال دیا..... اللہ کے حکم اور اس کی مدد سے کمانڈو شیر خان کو یہ ایک بہت بڑی کامیابی عطاء ہوئی تھی، ورنہ کوئی بڑے سے بڑا کمانڈو بھی اس اندھے کنوئیں سے باہر نہیں نکل سکتا تھا۔

شیر خان نے رینگ رینگ کر اپنا باقی کا جسم بھی کنوئیں کی منڈیر پر سے باہر نکال لیا..... کنوئیں کے اوپر رکھا ہوا تختہ ویسے کا ویسے ہی پڑا رہا..... اس پر دونوں بھاری پتھر بھی ویسے ہی پڑے ہوئے تھے..... کنوئیں سے باہر نکلتے ہی شیر خان نے دیکھا کہ دھوپ غائب ہو گئی تھی..... اور آسمان پر کالے کالے بادل چھا رہے تھے..... وہ وہیں اوندھا پڑا رہا..... اس نے گھاس میں سے آہستہ سے سر اٹھا کر اردگرد ماحول کا جائزہ لیا..... وہاں اسے کوئی سپاہی دکھائی نہ دیا..... لیکن کسی سپاہی کی موجودگی کا خطرہ موجود تھا..... اٹھ کر چلنے کی بجائے کمانڈو شیر خان وہیں زمین پر پڑے پڑے اندھے کنوئیں کی مخالف سمت کو رینگنے لگا..... جنگل میں وہ کھلی جگہ تھی جہاں وہ رینگ رہا تھا..... گھاس

اور جھاڑیاں کہیں بھی تھیں اور کہیں زمین بالکل بنجر تھی..... وہاں اسے دُور سے دیکھا جا سکتا تھا، لیکن شیر خان ایک فوجی کمانڈو کی طرح جتنی تیز کہنیوں کے بل رینگ سکتا تھا رینگتا چلا جا رہا تھا۔

سامنے کچھ فاصلے پر اونچی جھاڑیاں تھیں..... ان جھاڑیوں کے پیچھے جنگل کے گھنے درختوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا تھا..... شیر خان اونچی جھاڑیوں میں پہنچ کر رُکا اور پھر اٹھ کر بیٹھ گیا اور پیچھے مڑ کر دیکھنے لگا..... اس کے پیچھے جنگل کا خالی حصہ سنسان پڑا تھا..... ڈھکے ہوئے اندھے کنوئیں کے تختے پر بھاری پتھر اسی طرح موجود تھا..... وہ آہستہ سے اٹھا اور جھک کر درختوں کی طرف دوڑ پڑا..... اندھے کنوئیں میں گرتے وقت اس کے کولہے میں چوٹ لگی تھی..... دوڑتے وقت کولہا درد کرنے لگا تھا، مگر اس نے کوئی خیال نہ کیا اور دوڑتے ہوئے درختوں میں پہنچ گیا..... اب وہ سیدھا ہو کر تیز تیز چلنے لگا..... اس جنگل کے بارے میں اسے صرف اتنا ہی علم تھا کہ یہ گونڈا اور ستیل گڑھ کے گرد و نواح کا جنگل ہے اور یہ جنگل شمال کی جانب نیپال کی سرحد تک چلا جاتا ہے اور مشرق کی سمت صوبہ بہار کے جنگلوں میں مل جاتا ہے..... کمانڈو شیر خان نے اپنا رُخ مشرق کی طرف کر لیا۔

صوبہ بہار کا قدیم تاریخی پس منظر یہ ہے کہ مہاتما گاندھی بدھ نے اس سرزمین میں جنم لیا تھا..... آٹھویں صدی عیسوی میں صوبہ بہار کے شمال میں بھاگل پور سے 24 میل دُور ایک قدیم یونیورسٹی وکرم شیلا ہوا کرتی تھی..... نالندہ اور ٹیکسلا کے بعد یہ سب سے بڑی یونیورسٹی تھی..... اس یونیورسٹی کے احاطے کی دیوار مضبوط اور بلند تھی..... علاؤ الدین خلجی نے اسے قلعہ سمجھ کر حملہ کیا..... بعد میں پتہ چلا کہ یہ یونیورسٹی ہے..... وہ لوگ یونیورسٹی کو اپنی زبان میں وہار کہتے تھے جو بعد میں بگڑتے بگڑتے بہار بن گیا اور یہی اس صوبے کا نام پڑ گیا..... اس وقت بہار کا راجہ دھوم پال تھا۔

لیکن شیر خان ابھی اُتر پردیش کے علاقے میں ہی تھا..... جنوب مشرق کی سمت

بہار کے صوبے کی سرحد ابھی کافی فاصلے پر تھی..... شیر خان ان جنگلات سے نکل کر کسی شہر میں چلا جانا چاہتا تھا، جہاں سے وہ دلی سے ہوتا ہوا کشمیر کی جانب نکل جانا چاہتا تھا..... اسے یقین تھا کہ کم از کم ایک روز تک اس کے فرار کا علم پیچھے کسی کو نہیں ہو سکتا تھا، کیونکہ وہ لوگ اپنی طرف سے اسے مار چکے تھے..... پھر بھی اس بات کا امکان تھا کہ مکار چیف مالک رام شیر خان کی لاش دیکھنے وہاں پہنچ جائے۔

اس وجہ سے کمانڈو شیر خان ان جنگلوں میں زیادہ دیر تک نہیں رہنا چاہتا تھا..... اسے کچھ اندازہ نہیں تھا کہ یہ جنگل آگے جا کر کہاں ختم ہو جاتے ہیں..... یا آگے کون سا قصبہ یا شہر آتا ہے..... وہ چلا جا رہا تھا..... اسے چلتے چلے جانا تھا..... آسمان پر بادل ہی بادل تھے، کسی وقت بھی بارش شروع ہو سکتی تھی..... بارش کی صورت میں شیر خان اپنا سفر جاری نہیں رکھ سکتا تھا..... اسے کسی نہ کسی جگہ چھپ کر بارش کے رُکنے کا انتظار کرنا تھا..... ابھی بارش شروع نہیں ہوئی تھی، چنانچہ وہ بارش کے آنے سے پہلے پہلے زیادہ سے زیادہ فاصلہ طے کر لینا چاہتا تھا..... ان جنگلوں میں شیر چیتوں کا بھی خطرہ تھا..... ان سے بچاؤ کے لئے شیر خان کے پاس کوئی ہتھیار نہیں تھا..... وہ بڑا چوکنا ہو کر جا رہا تھا..... ذرا سی آہٹ پر وہ بڑے غور سے دائیں بائیں دیکھنے لگتا۔

اس نے جنگل کا ایک حصہ عبور کر لیا..... آگے کھلی جگہ تھی جہاں کہیں کہیں صرف زرد رنگ کی سوکھی گھاس تھی اور کہیں کہیں تاڑ اور ناریل کے اِکا دُکا درخت سر اٹھائے کھڑے تھے..... وہ اس میدان سے بھی گزر گیا..... میدان کی دوسری طرف ایک اور جنگل شروع ہو جاتا تھا..... چلنے سے شیر خان کا جسم گرم ہو گیا تھا اور اس کے کولہے کی درد بھی کم ہو گئی تھی..... آگے جو جنگل تھا وہ اتنا گھنا نہیں تھا..... کہیں کہیں درختوں کے جھنڈ تھے..... بیچ میں اونچی نیچی جھاڑیوں اور گھاس والی کھلی زمین تھی..... ایک جگہ ناریل کے درخت کے نیچے تین چار کچے ناریل گرے پڑے تھے..... کمانڈو شیر خان نے ایک ناریل توڑ کر اس کے پانی سے پیاس بجھائی اور آگے چل پڑا۔

اب بوندا باندی شروع ہو گئی تھی..... یہ بوندا باندی تیز بارش میں بھی بدل سکتی تھی..... بھارت کے وسطی جنگلوں کی تیز بارشوں کا کمانڈو شیر خان کو تجربہ تھا..... یہ بڑی موسلا دھار بارش ہوتی ہیں..... جنگل میں بارش شروع ہو جائے تو آدمی کو چھپنے کے لئے مشکل ہی سے کوئی جگہ ملتی ہے..... درختوں کے نیچے بارش کا پانی پرنالوں کی طرح گرتا ہے..... یہ سب بارانی جنگل ہیں اور یہاں کی تیز بارشوں میں جنگلی درندے اور دوسرے جانور بھی اپنے ٹھکانوں سے باہر نہیں نکلتے۔

شیر خان کو کسی ایسی جگہ کی بھی تلاش تھی کہ اگر بارش تیز ہو جائے تو وہاں پناہ لی جا سکے..... کھلا میدان ختم ہوا تو ایک جگہ درختوں کے جھنڈ میں اسے ایک دیوار سی دکھائی دی..... شیر خان تیز قدموں سے چل کر دیوار کے پاس آ گیا..... یہ ایک تالاب کے احاطے کی دیوار کا بچا ہوا حصہ تھا..... دیوار کی دوسری جانب ایک تالاب تھا..... تالاب کے کنارے ایک چھوٹی سی مندر نما عمارت تھی..... ایسے تالاب کو جس کے کنارے چھوٹا سا مخروطی مینار والا مندر ہو رام تلائی کہتے ہیں..... ایسی رام تلائیوں کے بارے میں یہ روایت مشہور ہے کہ یہاں اپنے بن باس کے دنوں میں رام چند جی نے کچھ دیر قیام کیا تھا۔

بارش تیز ہو گئی تھی۔

کمانڈو شیر خان تالاب کے کنارے والے چھوٹے سے مندر میں آ کر بیٹھ گیا..... یہ مندر عام مندروں ایسا نہیں تھا..... اس کے اندر کوئی مورتی وغیرہ نہیں تھی..... بس ایک چھوٹی سی ڈیوڑھی تھی جس کے اوپر مخروطی مینار والی چھت تھی..... اس کے آگے سیڑھیاں شروع ہو جاتی تھیں جو تالاب میں اُتر گئی تھیں..... بارش نے جنگل میں شور مچا دیا..... لیکن کچھ دیر تک موسلا دھار بارش ہونے کے بعد خلاف توقع بارش رُک گئی..... کمانڈو شیر خان سوچنے لگا کہ یہاں سے اسے کس طرف جانا چاہئے..... اسے کسی بھی ایسے راستے کا علم نہیں تھا جو اسے جنگل سے باہر لے جاتا..... ان جنگلوں

میں آدمی بھٹک جائے تو پھر اس کا اللہ ہی حافظ ہے۔

شیر خان رام تلائی کے گھاہ نما مندر کی ڈیوڑھی میں بیٹھا سوچتا رہا کہ وہ کس طرف کو جائے..... ابھی تک اسے جنگل میں کوئی جھونپڑی تک دکھائی نہیں دی تھی..... کوئی دیہاتی بھی نظر نہیں آیا تھا کہ وہ اس سے کچھ پوچھ سکتا..... بارش رُک گئی تھی..... ابھی وہ کسی فیصلے پر نہیں پہنچا تھا کہ اسے ڈھولک اور کھڑتالوں کی آواز سنائی دی..... وہ مندر سے نکل کر ایک درخت کے پیچھے آگیا اور جس طرف سے ڈھولک اور کھڑتالوں کے بجنے کی آوازیں آرہی تھیں اس طرف دیکھنے لگا..... اس نے دیکھا کہ چھ سات آدمی جلوس کی شکل میں درختوں میں چلے آرہے ہیں..... ان کے درمیان ایک عورت ہے جس کی گیروے رنگ کی ساڑھی ہے..... بال کھلے ہیں..... ایک آدمی ڈھولک بجا رہا ہے..... ایک آدمی کھڑتالیں بجا رہا ہے..... گیروے ساڑھی والی عورت کھڑتالوں اور ڈھولک کی تال پر آہستہ آہستہ سر کو دائیں بائیں ہلاتی چلی آرہی ہے..... آدمیوں نے اسے گھیرے میں لیا ہوا ہے..... دو آدمی پیچھے پیچھے آرہے تھے..... ان میں سے ایک آدمی نے ایک تھیلا اٹھا رکھا تھا..... یہ جلوس رام تلائی والے مندر کے پاس آکر رُک گیا..... یہاں آکر دو آدمیوں نے کوئی بھجن گانا شروع کر دیا..... عورت ان آدمیوں کے درمیان کھڑی تھی..... کھڑتال بج رہی تھی..... ڈھولک بج رہی تھی..... عورت اپنے کھلے لمبے بالوں کے ساتھ دائیں بائیں سر ہلا رہی تھی جیسے جذب کے عالم میں ہو، جس آدمی نے تھیلا اٹھا رکھا تھا وہ عورت کے قریب ہو گیا..... اس نے تھیلے میں ہاتھ ڈال کر ایک چھوٹے سائز کا ترشول نکالا اور عورت کی طرف اچھال دیا۔

عورت نے سر ہلاتے ہلاتے ترشول کو تھام لیا..... وہ ترشول کو بار بار چوم رہی تھی اور رقص کر رہی تھی..... سارے آدمی اس کے اِردگرد حلقہ بنا کر بیٹھ گئے تھے..... کمانڈو شیر خان درخت کی اوٹ سے یہ سارا پراسرار منظر دیکھ رہا تھا..... پھر ساز چپ ہو گئے..... بھجن کی آوازیں بھی خاموش ہو گئیں..... عورت کے ہاتھوں

میں ترشول تھا اور وہ اسے سینے سے لگا کر زمین پر بیٹھ گئی تھی..... اس کا سر جھکا ہوا تھا اور بال آگے کو گرے ہوئے تھے..... ایک ہٹا کٹا آدمی جس نے پجاریوں والا لباس پہنا ہوا تھا اٹھا..... اس نے عورت کے ہاتھ سے ترشول لے کر اس کے سر کے گرد تین چار مرتبہ گھمایا اور بلند آواز میں کوئی اشلوک یا منتر پڑھا..... منتر کے ختم ہونے پر سب آدمیوں نے رام جی کی جے، سیتا مایا کی جے کا نعرہ لگایا..... پجاری نے سر جھکا کر بیٹھی ہوئی عورت کا ہاتھ پکڑا اور اسے لے کر مندر کی ڈیوڑھی کی طرف بڑھا..... عورت کے چلنے کے انداز سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ اس آدمی کے ساتھ نہیں جانا چاہتی، مگر پجاری اسے کھینچتے ہوئے لئے جا رہا تھا..... باقی آدمیوں نے عورت کے گرد حلقہ بنا لیا تھا اور وہ بھی مندر کی طرف بڑھ رہے تھے۔

تین آدمی جن میں پجاری بھی تھا، عورت کو لے کر مندر کی ڈیوڑھی میں داخل ہو گئے..... باقی مندر کے باہر کھڑے ہو کر بلند آواز میں بھجن گانے لگے..... ڈھولک اور کھڑتالیں پھر سے بجنے لگی تھیں..... مندر کی ڈیوڑھی میں کیا ہو رہا تھا، یہ کمانڈو شیر خان کو نظر نہیں آرہا تھا..... ایک بار اسے عورت کی ہلکی سی چیخ بھی سنائی دی لیکن یہ چیخ بھجن اور ساز کی آوازوں میں گم ہو کر رہ گئی..... شیر خان سمجھ گیا کہ عورت کے ساتھ کوئی زیادتی ہو رہی ہے، مگر وہ اس عورت کی مدد نہیں کر سکتا تھا..... وہ ان آدمیوں کے سامنے بھی نہیں جا سکتا تھا..... بھجن اور سازوں کی آوازیں اسی طرح بلند ہو رہی تھیں..... ڈیوڑھی کے اندر گئے ہوئے تینوں آدمیوں میں سے کوئی بھی باہر نہیں آیا تھا، اسی طرح پندرہ بیس منٹ گزر گئے..... اتنے میں مندر کی ڈیوڑھی سے ایک آدمی باہر نکلا..... وہ باہر آکر دوسرے آدمیوں میں بیٹھ کر بھجن گانے لگا..... تھوڑی دیر بعد دوسرا آدمی باہر نکلا..... وہ بھی اس شیطانی منڈلی میں بیٹھ گیا اور بھجن گانے والوں میں شریک ہو گیا، اسی طرح دس منٹ بعد وہ ہٹا کٹا آدمی باہر آیا جس نے پجاریوں والا لباس پہن رکھا تھا..... اس نے باہر آتے ہی دونوں بازو اوپر اٹھائے۔

سب لوگ بھجن گاتے گاتے ایک دم چپ ہو گئے۔

اس نے بلند آواز میں کچھ کہا..... جو کمانڈو شیر خان کی سمجھ میں نہ آسکا..... اپنی بات ختم کر کے پجاری ایک طرف کو چل پڑا..... سب لوگوں نے خاموشی کے طلسم کو توڑتے ہوئے جے رام جی کی جے..... جے سیتا میا کی جے سب کے سب جے جے کار کی رٹ لگائے اور بھجن گاتے، ڈھولک اور کھڑتالیں بجاتے پجاری کے پیچھے پیچھے چل پڑے..... چند لمحوں کے بعد وہ جدھر سے آئے تھے ادھر کو ہی غائب ہو گئے۔

جب یہ شیطانی منڈلی کمانڈو شیر خان کی نگاہوں سے اُوجھل ہو گئی اور اس کے گانے بجانے کی آوازیں بھی غائب ہو گئیں تو وہ رام تلائی والے مندر کی طرف بڑھا..... مندر کے اندر اور باہر سناٹا چھایا ہوا تھا..... پہلے تو وہ یہ سمجھا کہ عورت مر چکی ہے اور ان لوگوں نے اسے اپنی ہوس کا نشانہ بنانے کے بعد ہلاک کر ڈالا ہے تاکہ ان کی درندگی کا کوئی ثبوت باقی نہ رہے، لیکن اچانک اسے اندر سے کسی کے ہولے ہولے کراہنے کی آواز آئی..... یہ اسی عورت کی آواز ہو سکتی تھی۔

شیر خان دبے پاؤں مندر کی ڈیوڑھی میں داخل ہو گیا۔

اس نے دیکھا کہ مندر کی نیم روشن ڈیوڑھی کے کونے والے ستون کے ساتھ وہی گیروی ساڑھی والی عورت رسیوں سے بندھی ہوئی ہے، اسے اس طرح باندھا گیا تھا کہ وہ ذرا بھی حرکت نہیں کر سکتی تھی اور وہ سر نیچے گرائے کراہ رہی ہے..... کمانڈو شیر خان جلدی سے اس کے پاس گیا اور اس نے اس کی رسیاں کھولنی شروع کر دیں..... عورت نے سر اٹھا کر شیر خان کو دیکھا اور سہمی ہوئی آواز میں کہا۔

"میں گرمیا کی داسی ہوں..... مجھے ہاتھ نہ لگاؤ..... تمہیں پاپ لگے گا..... گرمیا کا شراپ لگے گا"۔

کمانڈو شیر خان اس کی رسیاں کھولتا گیا..... اس نے کہا۔

"میں تمہاری کسی گرمیا کو نہیں مانتا..... تم کون ہو اور یہ لوگ کون تھے؟ میں نے

چھپ کر سارا ڈراما دیکھا ہے"۔

اس عورت نے پوچھا۔

"تم ہندو نہیں ہو۔

شیر خان نے کہا۔

"میں مسلمان ہوں..... کیا تم آزاد ہونا چاہتی ہو"۔

عورت بولی۔

"میں آزاد ہو کر اپنے گھر جانا چاہتی ہوں، مگر بھگت جی نے کہا ہے کہ میں گرمیا کی داسی بن چکی ہوں..... اگر میں گھر گئی یا کسی غیر مرد نے مجھے ہاتھ بھی لگایا تو اس مرد کے ساتھ میں بھی جل کر راکھ ہو جاؤں گی"۔

کمانڈو شیر خان نے کہا۔

"میں نے تمہیں ہاتھ لگا دیا ہے..... میں تو جل کر راکھ نہیں ہوا"۔

اس نے عورت کی ساری رسیاں کھول دیں..... عورت ابھی تک ڈری ہوئی تھی..... اس کے بال اُلجھے ہوئے تھے..... اس کا جسم جگہ جگہ سے عریاں ہو رہا تھا اور جگہ جگہ ایسے نیلے نشان پڑ گئے تھے جیسے کسی نے اسے دانتوں سے کاٹا ہو..... صاف لگ رہا تھا کہ اس کے ساتھ وحشیانہ سلوک ہوا ہے..... شیر خان نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے ہلکے سے جھنجھوڑ کر کہا۔

"میں ان آدمیوں کی طرح درندہ نہیں ہوں..... میں مسلمان ہوں اور ایک غیر عورت کی عزت کرنا جانتا ہوں..... تم میرے ساتھ چاہو تو چل سکتی ہو..... میں تمہیں تمہارے ماں باپ کے پاس پہنچا دوں گا"۔

عورت نے ڈرتے ڈرتے کہا..... "مجھے گرمیا کی بددعا لگے گی"۔

کمانڈو شیر خان نے جھنجھلاتے ہوئے کہا۔

"اگر تم ان درندوں کے پاس ہی رہنا چاہتی ہو تو بے شک رہو..... میں جاتا ہوں"۔

یہ کہہ کر شیر خان نے لڑکی کا ہاتھ چھوڑ دیا اور باہر کی طرف چلا..... عورت نے دوڑ کر روتے ہوئے شیر خان کا بازو پکڑ لیا اور بولی۔

"بھگوان کے لئے مجھے ان وحشی درندوں کے پاس چھوڑ کر نہ جاؤ..... میں تمہارے ساتھ چلتی ہوں"۔

شیر خان نے اسے اپنے ساتھ لے لیا اور مندر کی ڈیوڑھی سے کچھ دُور درختوں میں آ کر عورت سے کہا۔

"تم کون ہو؟ یہ لوگ تمہیں کہاں سے پکڑ کر لائے تھے؟"۔

عورت بولی۔

"میری کہانی بڑی لمبی ہے..... مجھے یہاں سے چلنے دیں تو میں تمہیں سب کچھ بتادوں گی"۔

شیر خان نے کہا۔

"میں اس جنگل میں راستہ بھٹک گیا ہوں، کیا تمہیں کچھ پتہ ہے کہ ہم جنگل کے کس حصے میں ہیں اور آگے کون سا شہر ہے؟"۔

عورت نے کہا۔

"جہاں سے یہ لوگ مجھے جلوس کی شکل میں لائے تھے اس طرف تین کوس کے فاصلے پر کٹھیالی نام کا قصبہ ہے"۔

کٹھیالی سے رات کے وقت ایک پسنجر ٹرین ستیل گڑھ کو جاتی ہے..... ستیل گڑھ میں میرے ماما کا مکان ہے، مگر ہم ادھر نہیں جائیں گے..... اس طرف ہر قدم پر بھگت جی کے جاسوس بیٹھے ہوئے ہیں، جو مجھے آزاد دیکھ کر میرے ساتھ تجھے بھی مار ڈالیں گے"۔

کمانڈو شیر خان نے کہا۔

"دیکھتا ہوں تمہیں یا مجھے کس طرح ہاتھ لگاتے ہیں..... تم آؤ میرے ساتھ"۔

عورت نے شیر خان کے آگے ہاتھ جوڑ دیئے اور بھیگی پلکوں کے ساتھ بولی۔

"بھگوان کے لئے یہ غلطی نہ کرنا..... تم ان لوگوں کو نہیں جانتے..... ان میں سے ہر کوئی تین تین چار چار خون کر چکا ہے..... وہ سامنے نہیں آئیں گے، وہ چھپ کر وار کریں گے اور ہم ان کے وار سے اپنے آپ کو نہیں بچا سکیں گے"۔

شیر خان نے پوچھا۔

"پھر تم کیا چاہتی ہو؟"۔

اس عورت کی عمر تیس برس سے زیادہ نہیں تھی..... جسم بڑا صحت مند تھا اور وہ خوبصورت بھی تھا..... ہاتھ جوڑ کر کہنے لگی۔

"تم مجھے میرے ماما جی کے گھر ستیل گڑھ پہنچا دو..... وہاں سے میں اپنے ماتا پتا کے شہر ماما جی کے ساتھ چلی جاؤں گی"۔

شیر خان نے کہا۔

"لیکن کٹھیالی کے راستے میں تم کہتی ہو کہ وہ لوگ بیٹھے ہوں گے..... کیا ستیل گڑھ جانے کا کٹھیالی کے علاوہ کوئی اور راستہ نہیں ہے؟"۔

وہ عورت سوچنے لگی..... پھر بولی۔

"ہاں ہے..... یہاں سے اگر ہم رانی کی باؤلی والے جنگل کی طرف جائیں گے تو جنگل کے پار دریا کا گھاٹ آتا ہے..... دریا کے گھاٹ سے ہمیں کٹھیالی جانے والی ناؤ مل جائے گی..... کٹھیالی سے ہم ٹرین میں بیٹھ کر ستیل گڑھ جا سکیں گے، لیکن یہ بڑا لمبا راستہ ہے..... پھر بھی یہ راستہ سورکھشت (محفوظ) ہے"۔

شیر خان خود اس جنگل سے کسی شہر کی جانب نکلنا چاہتا تھا..... یہ عورت اس علاقے سے واقف تھی..... ایک پنتھ دو کاج کے مصداق وہ اس عورت کو اس کے ماما جی کے گھر بھی پہنچا سکتا تھا اور خود بھی دلی کی طرف نکل سکتا تھا..... صرف کسی ریلوے سٹیشن تک پہنچنا ضروری تھا..... اس کے بعد دلی یا جھانسی پہنچنا کوئی مشکل نہیں تھا.....

اس نے عورت سے کہا۔

"تو پھر چلو...... ہم رانی کی باؤلی والے جنگل کر کے گھاٹ پر چلتے ہیں"۔

عورت نے ڈرتے ڈرتے کہا۔

"ہمیں راستے میں رات پڑ جائے گی اور رات کو یہ جنگل بڑا خطرناک ہو جاتا ہے۔"

شیر خان نے کہا۔

"اب جو ہوگا دیکھا جائے گا...... تم خاموشی سے میرے ساتھ چل پڑو اور مجھے راستہ دکھاتی جاؤ"۔

کمانڈو شیر خان نے اس عورت کو ساتھ لیا اور اس کی راہنمائی میں جنگل میں ایک طرف کو چل پڑا۔

آسمان پر سیاہ بادل بدستور چھائے ہوئے تھے، مگر بارش رُکی ہوئی تھی...... گڑھوں اور نشیب میں کہیں کہیں بارش کا پانی جمع ہو گیا ہوا تھا...... عورت شیر خان کے ساتھ لگ کر چل رہی تھی...... وہ بہت ڈری ہوئی تھی...... اسے دو ڈر تھے ایک ڈر یہ تھا کہ وہ لوگ واپس آکر اسے پکڑ نہ لیں اور دوسرا ڈر گرمیا کی بددعا کا تھا...... ان درندہ صفت لوگوں سے تو شیر خان عورت کو بچا سکتا تھا، لیکن کسی گرمیا دیوی کے شراپ یا بددعا سے بچانا اس کے بس میں نہیں تھا...... جب وہ چلتے چلتے جنگل میں کافی آگے نکل آئے تو شیر خان نے اس عورت سے پوچھا۔

"تمہارا نام کیا ہے؟ تم نے ابھی تک اپنا نام ہی نہیں بتایا"۔

عورت نے کہا۔

"میرا نام ساوتری دیوی ہے...... میں بیوہ ہوں...... میرے پتی کو سورگباش ہوئے تین برس بیت چکے ہیں...... بیوہ ہونے کے بعد میں اپنے ماتا پتا کے گھر گونڈہ آگئی تھی...... گونڈہ میں گرمیا ماتا کا مندر ہے...... اس مندر میں اماوس کی رات کو بیوہ

عورتیں اپنی پتی کی آتما کی شانتی کے لئے پوجا پاٹھ کرنے جاتی ہیں...... میں بھی ایک بیوہ عورت پاربتی کے ساتھ اماوس کی رات کو اس مندر میں پوجا پاٹھ کرنے گئی تھی...... وہاں مندر کی بڑی پجارن نے مجھے دیکھ کر کہا...... ساوتری! تیرے پتی کی آتما بڑی تکلیف میں ہے...... وہ نرک کی آگ میں جل رہی ہے...... کیا تم اس کی مدد نہیں کرو گی؟" میں یہ سن کر پریشان ہو گئی...... مجھے اپنے پتی دیو سے بڑی محبت تھی...... میں رو پڑی...... میں نے پجارن سے کہا...... میا! میں اپنے پتی کی آتما کو نرک کی اگنی سے باہر نکالنا چاہتی ہوں...... مجھے بتائیں میں کیا کروں...... پجارن نے کہا...... تم کل اکیلی میرے پاس آنا...... میں تمہیں وہ طریقہ بتاؤں گی کہ تم اپنے پتی دیو کو کیسے نرک کی آگ سے مکتی دلا سکتی ہو اور ہاں اس کا ذکر گھر میں ابھی کسی سے نہ کرنا...... میں گھر واپس آگئی...... بڑی پریشان تھی...... میں نے ماتا پتا سے اس کا کوئی ذکر نہ کیا...... دوسرے دن میں مندر پہنچ گئی...... پجارن میا میرا انتظار کر رہی تھی...... وہ مجھے ایک کوٹھڑی میں لے گئی۔

کوٹھڑی میں ایک چوکی پڑی تھی جس کے سامنے ایک موم بتی جل رہی تھی اور تھالی میں لوبان سلگ رہا تھا...... پجارن نے کہا...... ساڑھی اتار کر چوکی پر بیٹھ جاؤ اور آنکھیں بند کر کے رام نام کا دل میں جاپ کرو...... میں یہاں سے چلی جاؤں گی...... آدھے گھنٹے بعد تمہارے پتی کی آتما تمہارے سامنے آجائے گی اور وہ خود تمہیں بتائے گی کہ تم اس کی آتما کو نرک کی آگ سے نجات دلانے کے لئے کیا کر سکتی ہو...... میں نے ویسے ہی کیا جیسے پجارن جی نے کہا تھا...... میں نے سفید ساڑھی پہن رکھی تھی...... ہندوؤں میں عورت بیوہ ہو جائے تو وہ رنگدار لباس نہیں پہن سکتی...... نہ سنگار ہی کر سکتی ہے...... میں نے سفید ساڑھی اتار دی اور چوکی پر بیٹھ کر آنکھیں بند کر لیں اور رام نام کا جاپ کرنے لگی...... میں نے اس پجارن کے وہاں سے اٹھ کر جانے اور دروازہ بند کرنے کی آواز سنی...... وہ چلی گئی...... میں اکیلی بغیر ساڑھی کے چوکی پر بیٹھی

آنکھیں بند کئے منہ ہی منہ میں رام رام کا جاپ کر رہی تھی..... جب کافی دیر گزر گئی تو اچانک مجھے ایک مرد کی آواز آئی۔

"ساوتری! میں تمہارے پتی برج داس کی آتما ہوں..... اپنی آنکھیں مت کھولنا..... آنکھیں کھولو گی تو میں غائب ہو جاؤں گا..... تیرے بغیر نرک میں میری آتما جل رہی ہے"۔

اس عورت یعنی ساوتری نے اپنی داستان جاری رکھتے ہوئے کہا۔

"اس مرد کی آواز میرے پتی برج داس کی آواز نہیں تھی..... میں نے آنکھیں بند کئے ہوئے کہا..... پتی دیو! تمہاری آواز کیوں بدل گئی ہے..... اس نے کہا..... نرک کی آگ نے میری آواز بدل دی ہے..... میں تمہارے پتی کی آتما ہی ہوں اور ایک غیر مرد کا جسم دھار کر تمہارے پاس آیا ہوں..... اس کے بعد مجھے اپنے جسم پر کسی مرد کا ہاتھ محسوس ہوا..... میں نے چونک کر آنکھیں کھول دیں..... میرے سامنے میرے پتی دیو کی آتما کی بجائے ایک ہٹا کٹا بڑی بڑی مونچھوں والا پجاری مجھ پر جھکا ہوا تھا..... میں چیخ مار کر پیچھے ہٹی تو اس نے مجھے اپنی بانہوں میں جکڑ لیا اور بولا ساوتری میں تمہارا پتی دیو ہوں..... میرے ساتھ لگ جاؤ تاکہ مجھے نرک کی آگ سے مکتی مل جائے..... میں سمجھ گئی تھی کہ پجارن نے میرے ساتھ دھوکا کیا ہے..... میں نے شور مچادیا، اس ہٹے کٹے پجاری نے مجھے اتنے زور سے تھپڑ مارا کہ میں نیم بے ہوش ہو کر گر پڑی..... اس کے بعد میرے ساتھ اس نے جو وحشیانہ سلوک کیا اس کو میں بیان نہیں کر سکتی۔

وہ عورت ساوتری اپنی دردناک داستان بھی سنا رہی تھی اور کمانڈو شیر خان کے ساتھ جنگل کی ایک چھوٹی سی پگ ڈنڈی پر چل بھی رہی تھی..... شیر خان نے پوچھا۔

"پھر تم یہاں رام تلائی والے مندر میں کیسے پہنچ گئیں؟"۔

وہ عورت بولی۔

"پھر ایسا ہوا کہ کوٹھڑی میں دو اور پجاری آگئے..... ان دونوں نے بھی میرے

ساتھ وحشیانہ سلوک کیا..... اس کے بعد انہوں نے ایک ٹیکہ میرے بازو پر لگادیا..... ٹیکہ لگنے کے بعد میرے جسم کا سارا درد ساری تکلیف غائب ہو گئی اور میں سو گئی..... نہ جانے کب تک میں سوئی رہی ہوں..... جب مجھے ہوش آیا تو میں ایک کوٹھڑی میں بند تھی..... یہ کوٹھڑی کسی جنگل میں تھی..... باہر سے بارش کی آواز آرہی تھی..... دروازہ کھول کر تینوں پجاری اندر آگئے..... انہوں نے مجھے ایک اور ٹیکہ لگادیا..... تب مجھے پتہ چلا کہ وہ لوگ مجھے اغوا کر کے کسی نامعلوم مقام پر لے آئے ہیں..... وہاں انہوں نے مجھے دو تین مہینے رکھا..... وہ مجھے کھانے کو طرح طرح کی مٹھائیاں دیتے، دن میں دو بار مجھے ٹیکہ لگایا جاتا..... یہ نشے والا ٹیکہ تھا..... اس کے اثر سے مجھ پر ہر وقت ایک نشے کی حالت طاری رہتی تھی..... میں نے مزاحمت کرنی چھوڑ دی تھی..... جب تک مجھ پر نشے کا اثر رہتا میں کسی کو کچھ نہیں کہتی تھی..... جب نشہ اتر جاتا تو مجھے اپنے ماتا پتا یاد آجاتے اور میں رونے لگتی..... شور مچاتی، مجھ ایک بار پھر ٹیکہ لگادیا جاتا..... پھر ایسا ہوا کہ میں ہر وقت نشے کی حالت میں رہنے لگی۔

شیر خان نے پوچھا۔

"پھر وہ تمہیں اس رام تلائی والے مندر میں کس لئے لائے تھے..... اور تمہیں باندھ کر کیوں چلے گئے تھے؟"۔

ساوتری کہنے لگی۔

"وہ گرمیا دیوی کی ایک خاص رسم پوری کرنے کے لئے مجھے یہاں لائے تھے..... گرمیا دیوی کے ماننے والوں کے مطابق اگر کوئی پجاری کسی بیوہ عورت کے ساتھ برا فعل کرتا ہے تو اس کے لئے ضروری ہو جاتا ہے کہ وہ اس بیوہ عورت کو تین ماہ اپنے پاس رکھنے کے بعد کسی جنگل میں واقع رام تلائی والے مندر میں بھجن کیرتن کے ساتھ اسے نشہ پلا کر لے جائے اور وہاں تین پجاری اس کے ساتھ وحشیانہ سلوک کریں..... اس کے بعد ساری رات بیوہ عورت کو مندر میں باندھ کر رکھا جائے.....

جب دوسرے روز پجاری اس عورت کو وہاں سے لے جائے گا تو وہ گرمیا دیوی کے سمپر دھائے (فرقے) کے مطابق اس کی داسی مانی جائے گی اور ہندو سماج اس پجاری اور بیوہ عورت کے ایک ساتھ رہنے پر کوئی اعتراض نہیں کر سکے گا..... یہ لوگ مجھے یہی رسم پوری کرنے کے لئے رام تلائی کے مندر میں لائے تھے..... بس یہ ہے میری دُکھ بھری کہانی"۔

کمانڈو شیر خان نے کہا۔

"تم ہندو عورت ہو..... تمہارے ماتا پتا ماما سب ہندو ہیں..... کیا وہ تمہیں گرمیا دیوی کے دھرم کے مطابق واپس پجاری کے پاس نہیں چھوڑ آئیں گے؟"۔

ساوتری نے کہا۔

"نہیں..... ہم گرمیا کے فرقے کے ماننے والے نہیں ہیں..... ہم آریہ سماجی ہیں..... آریہ سماجی کسی سمپر دھائے کسی گرمیا دیوی کو نہیں مانتے..... اگر پجاری میرے ماتا پتا کے گھر مجھے واپس لینے آیا تو وہ پولیس کو بلا کر پجاری کو پولیس کے حوالے کر دیں گے اور میں عدالت میں پجاری کے خلاف بیان دوں گی"۔

"پھر ٹھیک ہے" شیر خان نے آہستہ سے کہا۔

جنگل کا ایک حصہ ختم ہو گیا تھا اور اب وہ جنگل کے دوسرے حصے میں سے گزر رہے تھے جہاں جگہ جگہ جنگلی کیلے اور ناریل کے درخت کے جھنڈ نظر آ رہے تھے..... یہ بھی اچھا ہوا تھا کہ بارش رُکی ہوئی تھی..... بادل آسمان پر اگرچہ اور گہرے ہو گئے تھے..... وہ رام تلائی والے مندر سے کافی دُور نکل آئے تھے..... شیر خان نے اندازہ لگایا کہ وہ اندھے کنوئیں سے بھی اتنی دُور نکل آیا ہے کہ اب انٹیلی جنس چیف کے سپاہی اس تک نہیں پہنچ سکیں گے..... ساوتری تھک گئی تھی..... اس کی رفتار آہستہ ہو گئی تھی..... کہنے لگی۔

"مجھے پیاس لگ رہی ہے"۔

کمانڈو شیر خان نے ارد گرد دیکھ کر کہا"۔

"یہاں پانی کہیں نظر نہیں آتا"۔

ساوتری نے ایک جانب اشارہ کیا اور بولی۔

"وہاں ناریل کے درخت ہیں..... ناریل زمین پر پڑے ہوئے مل جائیں گے"۔

ناریل کے درختوں کے نیچے جو ناریل گرے ہوئے تھے وہ گل سڑ گئے تھے..... کافی تلاش کے بعد انہیں دو تازہ گرے ہوئے ناریل مل گئے..... ان کو توڑ کر انہوں نے اس کا پانی پیا..... گری کھا کر تھوڑی بہت بھوک مٹائی اور کچھ دیر وہاں بیٹھ کر آرام کیا..... شیر خان زیادہ دیر رکنا نہیں چاہتا تھا..... اس نے ساوتری سے کہا۔

"یہاں زیادہ دیر رکنا ٹھیک نہیں تمہاری گرمیا کے پجاری تمہاری تلاش میں کہیں یہاں نہ پہنچ جائیں"۔

ساوتری خوف زدہ سی ہو کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"تم ٹھیک کہتے ہو..... ہمیں چلتے رہنا چاہئے"۔

وہ ناریل کے جھنڈوں میں سے باہر نکل آئے..... شیر خان نے پوچھا۔

"ابھی تک دریا نہیں آیا"۔

ساوتری نے کہا۔

"دریا ابھی بہت دُور ہے..... میں نے تمہیں کہا تھا کہ ہو سکتا ہے ہمیں راستے میں ہی رات ہو جائے"۔

ساوتری کا اندازہ بالکل درست نکلا..... جنگل میں چلتے چلتے انہیں دوپہر ہو گئی تھی اور جنگل کا سلسلہ ختم ہونے میں نہیں آتا تھا..... ایک جگہ جنگلی کیلوں کے درخت اُگے ہوئے تھے..... انہوں نے کیلے توڑ کر کھائے اور سفر جاری رکھا، اسی طرح آہستہ آہستہ چلتے دن ڈھلنا شروع ہو گیا..... شیر خان نے کہا۔

"میں نے ان جنگلوں کے بارے میں سن رکھا ہے کہ یہاں شیر چیتے اور ریچھ

بہت ہوتے ہیں..... لیکن ہمیں کوئی درندہ نہیں ملا"۔

ساوتری نے کہا۔

"جنگل کے جس حصے میں سے ہم گزر رہے ہیں یہاں پانی کے تالاب اور ندی وغیرہ نہیں ہے، اس وجہ سے جنگلی جانور خاص طور پر شیر اور چیتے ادھر کا رُخ نہیں کرتے..... دریا کے پاس جا کر ان کا خطرہ پیدا ہو جائے گا"۔

مگر دریا ابھی بہت دُور تھا..... اس دریا میں کشتی میں سوار ہو کر انہیں کٹھیالی پہنچنا تھا جہاں ساوتری کے ماما کا گھر تھا..... بادلوں کے پیچھے سورج ابھی پوری طرح سے غروب نہیں ہوا تھا مگر بادلوں کی وجہ سے شام کا اندھیرا وقت سے پہلے ہی پھیلنے لگا تھا..... رات سر پر آ رہی تھی..... کمانڈو شیر خان سوچ رہا تھا کہ کوئی ایسی جگہ اندھیرا ہونے سے پہلے تلاش کر لینی چاہئے جہاں رات گزاری جا سکے اور وہ جگہ جنگلی درندوں ریچھ اور جنگلی بھیڑیوں وغیرہ سے محفوظ بھی ہو، جنگل کا میدان ختم ہو گیا تھا..... اب ایک بار پھر بانس کے گنجان جھنڈ شروع ہو گئے تھے..... ایک جگہ ناریل کے درخت اور جنگلی بیروں کے درخت بھی تھے..... انہوں نے جنگلی بیروں سے پیٹ کی آگ بجھائی ناریل کا پانی پیا اور رات بسر کرنے کا ٹھکانہ تلاش کرنے لگے..... اندھیرا ہونے لگا تھا..... پھر بوندا باندی بھی شروع ہو گئی..... ساوتری نے کہا۔

"بارش آنے والی ہے"۔

شیر خان نے کہا۔

"آگے شاید کسی ٹیلے میں کوئی کھوہ وغیرہ مل جائے"۔

بانسوں کے درختوں نے ہر طرف گھیرا ڈال رکھا تھا..... آخر وہ ان درختوں سے نکلنے میں کامیاب ہو گئے..... سامنے ایک ٹیلا تھا جس کی ایک جانب ایک چھپر سا پڑا ہوا تھا..... قریب جا کر معلوم ہوا کہ یہ ایک جھونپڑا ہے اور خالی پڑا ہے..... شیر خان نے کہا۔

"یہاں ہم رات گزار سکتے ہیں"۔

جھونپڑے کا چھپر ناریل کی شاخوں کو جوڑ کر بنایا گیا تھا..... دونوں جھونپڑے میں ایک طرف ہو کر بیٹھ گئے..... شیر خان نے جھونپڑے کی چھت پر نگاہ ڈالی اور بولا۔

"اگر بارش تیز ہو گئی تو یہ چھپر بارش کا پانی نہیں روک سکے گا"۔

"اور کوئی جگہ بھی تو نہیں ہے" ساوتری نے کہا۔

شیر خان نے کہا۔

"تم یہاں بیٹھو..... میں ٹیلے کی دوسری طرف جا کر دیکھتا ہوں..... ہو سکتا ہے وہاں کوئی جگہ مل جائے"۔

شیر خان جھونپڑے سے نکل کر ٹیلے کی دوسری طرف گیا..... ٹیلے کی دوسری طرف بھی کچھ نہیں تھا..... صرف جھاڑیاں اور سرکنڈے تھے..... اندھیرے میں اس نے دیکھا کہ سامنے ایک اور ٹیلہ ہے..... وہ اس کی طرف بڑھا..... اس ٹیلے میں ایک قدرتی غار مل گیا جس کے دہانے کو سرکنڈوں نے چھپا رکھا تھا..... شیر خان ساوتری کو وہاں لے آیا..... سرکنڈوں کو ایک طرف کر کے وہ غار کے اندر چلے گئے..... یہ غار ایک ڈیوڑھی نما تھا..... شیر خان بولا۔

"یہاں ہم بارش اور جنگلی درندوں سے بچے رہیں گے"۔

پہلے تو انہیں غار کے گھپ اندھیرے میں کچھ نظر نہ آیا..... پھر جب ان کی آنکھیں اندھیرے کی عادی ہو گئیں تو انہیں ایک دوسرے کی دھندلی دھندلی شکلیں نظر آنا شروع ہو گئیں..... شیر خان اس عورت ساوتری کی سخت جانی پر حیران تھا کہ وہ ایک گھریلو عورت ہونے کے باوجود دشوار گزار جنگل میں اتنی دُور تک پیدل چلتی رہی تھی..... وہ غار کی دیوار کے ساتھ لگ کر اندھیرے میں بیٹھے تھے..... بارش اتنی موسلا دھار نہیں تھی مگر بوندا باندی بھی نہیں تھی..... ایک خاص انداز میں ہلکی آواز کے ساتھ مسلسل ہو رہی تھی..... ساوتری کہنے لگی۔

"تم نے ابھی تک اپنے بارے میں مجھے کچھ نہیں بتایا کہ تم کون ہو..... تمہارا نام کیا ہے..... اور تم اس جنگل میں کیسے آ گئے تھے؟"۔

شیر خان نے سب کچھ پہلے سے سوچ رکھا تھا..... اسے معلوم تھا کہ یہ عورت اس سے یہ سوال ضرور پوچھے گی..... جنگل میں نکل آنے کا اس کے پاس ایک بنا بنایا جواب پہلے سے موجود تھا کہ وہ اپنے کسی دوست کے ساتھ شکار کھیلنے آیا تھا، پھر دوست سے بچھڑ کر جنگل میں راستہ بھول گیا..... چنانچہ اس نے کہا۔

"میرا نام مہدی خان ہے..... ہم لکھنؤ سے جنگل میں شکار کھیلنے آئے تھے..... دو ایک دن شکار کھیلنے میں گزر گئے..... پھر ایسا ہوا کہ ہم شکار کے دوران ایک دوسرے سے بچھڑ گئے..... میں ان جنگلوں سے ناواقف تھا..... جنگل میں بھٹک گیا اور تھک ہار کر اس رام تلائی کے پاس بیٹھا تھا جہاں وہ تمہیں لے کر آئے تھے..... میں نے وہ سب کچھ دیکھا جو وہاں ہوا..... پھر جب وہ لوگ تمہیں مندر میں باندھ کر چلے گئے تو میں نے تمہارے کراہنے کی آواز سنی اور تمہاری مدد کو پہنچ گیا..... بس یہ ہے میری کہانی"۔

عورت ساوتری نے کہا۔

"تم نے مجھ پر بڑا احسان کیا ہے جو مجھے ان درندوں سے بچا کر لے گئے..... ورنہ ان لوگوں نے اب مجھے کسی دوسرے مندر کے عیاش پروہت کے ہاتھ فروخت کر دینا تھا"۔

بھگوان نے میری پرارتھنا سن لی اور میری مدد کو تمہیں بھیج دیا"۔

شیر خان آہستہ سے بولا۔

"بس میں تمہیں کٹھیالی تمہارے ماما کے پاس چھوڑ کر آگے لکھنؤ کی طرف نکل جاؤں گا"۔

"کیا تم لکھنؤ سے میں رہتے ہو؟" ساوتری نے پوچھا۔

شیر خان بولا۔

"ہاں..... ابھی تو لکھنؤ میں ہی رہتا ہوں"۔

"کیا تمہاری بیوی اور بچے بھی ہیں؟" ساوتری نے دوسرا سوال کیا۔

شیر خان نے ذرا سی خاموشی کے بعد کہا۔

"نہیں..... میں نے ابھی شادی نہیں کی"۔

ساوتری بولی۔

"تم بڑے نیک دل انسان ہو..... تمہاری بیوی بڑی خوش قسمت ہو گی"۔

کمانڈو شیر خان اس کے جواب میں خاموش رہا..... غار کے باہر رات کے اندھیرے میں بارش کی ہلکی آواز مسلسل آ رہی تھی..... ساوتری نے کہا۔

"مجھے نیند آ رہی ہے"۔

شیر خان بولا۔

"تم سو جاؤ..... میں غار کے دہانے پر جا کر بیٹھتا ہوں..... تاکہ کوئی جانور وغیرہ آئے تو اسے بھگا دوں"۔

ساوتری غار میں سمٹ کر لیٹ گئی..... شیر خان غار کے دہانے پر جا کر جہاں اونچے اونچے سرکنڈے تھے بیٹھ گیا..... اس کے پاس کوئی ہتھیار وغیرہ نہیں تھا کہ جس سے اگر کوئی درندہ ریچھ یا بھیڑیا آئے تو اس کو بھگا سکے، لیکن اس کا خیال تھا کہ سرکنڈوں کی وجہ سے کوئی جانور ادھر کا رُخ نہیں کرے گا..... بارش مسلسل ہو رہی تھی..... بیٹھے بیٹھے شیر خان کو اُونگھ بھی آ جاتی..... کچھ دیر کے بعد اپنے آپ اس کی آنکھ کھل جاتی..... رات گزرتی جا رہی تھی..... ایک بار اسے اُونگھ آئی اور وہ سو گیا..... اچانک اس کی آنکھ کھل گئی۔

بارش رُک گئی تھی..... بارش کی آواز بھی رُک گئی تھی..... شیر خان کو محسوس ہوا تھا کہ نیند میں اس نے کوئی آواز سنی تھی..... جنگل میں اندھیرا تھا..... خاموشی تھی..... صرف درختوں پر سے کسی کسی وقت بارش کے رُکے ہوئے قطروں کے ٹپ

ٹپ گرنے کی آواز آجاتی تھی..... شیر خان سر کنڈوں کو تھوڑا سا ہٹا کر اندھیرے میں بڑے غور سے دیکھ رہا تھا..... اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ اس نے جو آواز سنی تھی وہ کیا تھا..... یہ سوچ کر کہ خواب کی حالت میں کوئی آواز سنی ہوگی..... وہ سر کنڈوں سے پیچھے ہٹ گیا اور ساوتری کی طرف دیکھا..... غار کے اندھیرے میں وہ فرش پر سوئی ہوئی نظر آرہی تھی..... شیر خان واپس اپنی جگہ پر آکر بیٹھ گیا اور اس نے آنکھیں بند کرلیں..... ابھی بہت رات پڑی تھی..... صبح ہونے تک اسے اسی طرح کبھی اُونگھ کر اور کبھی جاگ کر رات گزارنی تھی..... اسے پھر وہی آواز سنائی دی..... اس نے جلدی سے آنکھیں کھولیں اور اس آواز پر کان لگا دیئے۔

یہ آواز غار کے دہانے کے آگے جو سر کنڈے تھے ان کے پیچھے سے آئی تھی..... یہ آواز ایسی تھی جیسے کوئی بھاری شے درخت پر سے نیچے گری ہو..... شیر خان کو یہی خیال آیا کہ شاید درخت کا کوئی ٹہن ٹوٹ کر نیچے گرا ہے..... اس آواز کے بعد رات کے اندھیرے میں جنگل پر سناٹا طاری ہوگیا..... صرف کسی وقت درختوں پر بارش کے رُکے ہوئے قطروں کے گرنے کی ٹپ کی آواز آجاتی..... اس کے بعد پھر وہی مہیب سناٹا چھا جاتا..... کمانڈو شیر خان اب پوری طرح بیدار تھا اور جنگل کی خاموشی پر کان لگائے ہوئے تھا..... پھر ایسی آواز آئی جیسے کوئی پانی میں چل رہا ہے..... آواز دُور سے آرہی تھی..... شیر خان نے اٹھ کر غار کے آگے آئے ہوئے سر کنڈوں کو ذرا سا ایک طرف کر کے دیکھا..... وہ کبھی پوری آنکھیں کھول کر اور کبھی سکیڑ کر دیکھتا..... سامنے ٹیلے کی ڈھلان تھی جہاں اندھیرے میں چھوٹی بڑی جھاڑیاں بالکل ساکت تھیں..... باہر کہیں پانی بھی نہیں کھڑا تھا..... پھر یہ پانی میں چلنے کی آواز کیسی تھی؟

وہ باہر نکل کر بھی نہیں دیکھ سکتا تھا، کیونکہ اس کے پاس کوئی اسلحہ ہتھیار وغیرہ نہیں تھا..... دس پندرہ سیکنڈ تک وہ سر کنڈوں کو پیچھے ہٹائے ساکت کھڑا اندھیرے میں کچھ دیکھنے کی کوشش کرتا رہا، مگر وہاں اسے کوئی شے حرکت کرتی نظر نہ آئی..... وہ

آہستہ سے پیچھے ہٹا اور غار کی دیوار کے پاس بیٹھ گیا..... اس کی چھٹی حس نے اسے بتادیا تھا کہ جنگل کی اندھیری فضا میں کوئی شے موجود ہے..... اسے کسی کے قدموں کی آواز آئی..... آواز بڑی صاف تھی..... کوئی جھاڑیوں میں سے گزر کر غار کی طرف آرہا تھا..... شیر خان ایک دم اٹھا اور غار کے دہانے کے بالکل ساتھ لگ کر کھڑا ہوگیا..... اس نے سر کنڈوں کو ذرا سا ہٹا کر دیکھا۔

اس کی چھٹی حس نے اسے یونہی خبردار نہیں کیا تھا۔

اندھیرے میں اسے ایک کافی بڑا ریچھ نظر آیا جو جھومتا جھومتا غار کی طرف آرہا تھا..... کالے رنگ کا یہ ریچھ بہت بڑا تھا..... غار کے دہانے میں ریچھ کے واسطے کوئی رکاوٹ نہیں تھی..... شاید یہ غار بھی اسی کا تھا اور وہ اپنے غار میں آرام کرنے ہی چلا آرہا تھا..... کمانڈو شیر خان اکیلا ریچھ کو ہلاک نہیں کرسکتا تھا..... ریچھ کے پنجوں کے ناخن تیز چھریوں کی طرح ہوتے ہیں اور وہ ایک سیکنڈ میں دشمن کی انتڑیاں باہر نکال دیتا ہے..... شیر خان کے پاس کوئی بندوق پستول تو درکنار کوئی چھوٹا سا چاقو تک نہیں تھا..... بغیر چاقو یا کسی ہتھیار کے اتنے بڑے جنگلی ریچھ کا مقابلہ کرنا موت کو دعوت دینے کے برابر تھا۔

لیکن غار کے اندر ساوتری سو رہی تھی..... شیر خان کے لئے ابھی زندہ رہنا ضروری تھا..... وہ اس قسم کی موت کے آگے ہتھیار ڈالنے کو ہرگز تیار نہیں تھا..... نہتا ہونے کے باوجود وہ ریچھ سے مقابلہ کرنے کو تیار ہوگیا..... اس کی رگیں اور بازوؤں کے پٹھے تن گئے..... وہ سر کنڈوں کو ایک طرف ہٹائے جنگل کے اندھیرے میں ریچھ کو اپنی طرف آتے دیکھ رہا تھا۔

اچانک جنگل کی فضا شیر کی دھاڑ سے گونج اُٹھی..... خدا جانے یہ شیر اس وقت کہاں سے نمودار ہوگیا تھا..... شیر خان اب بھی یہی سمجھتا ہے کہ قدرت اس کی مدد کررہی تھی، کیونکہ ابھی شیر خان کی زندگی باقی تھی..... شیر کی دھاڑ کی آواز سنتے ہی

ریچھ جو غار کے دہانے کے بالکل قریب پہنچ چکا تھا وہیں رُک گیا..... اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا اور پچھلے پیروں پر کھڑا ہو کر اپنے اگلے پنجوں کو زور زور سے سینے پر مارتے ہوئے غرانے لگا..... شیر ایک بار پھر دھاڑا..... اس کی گرج دار دھاڑ بڑے قریب سے آئی تھی..... ریچھ پر شیر کی ہیبت طاری ہو گئی..... اس نے اگلے دونوں پاؤں زمین پر لگائے اور بڑی تیزی سے جس طرف سے آیا تھا اسی طرف دوڑ پڑا اور شیر خان کی نگاہوں سے اُوجھل ہو گیا۔

شیر خان نے خدا کا شکر ادا کیا..... اسے معلوم تھا کہ ریچھ اب کم از کم اس رات کی صبح تک غار کا رُخ نہیں کرے گا..... شیر کی دوسری دھاڑ سن کر ساوتری جاگ پڑی تھی..... وہ ڈری ہوئی آواز میں جیسے کراہنے لگی..... شیر خان جلدی سے اس کے پاس گیا اور اسے دلاسا دیتے ہوئے کہا۔

"ڈرو نہیں..... کچھ نہیں ہوا..... شیر آیا تھا چلا گیا ہے"۔

پھر اس نے ساوتری کو سارا واقعہ سنایا..... ساوتری سخت ڈری ہوئی تھی..... شیر خان کو تو جاگنا ہی تھا، لیکن باقی کی رات ساوتری بھی نہ سوئی..... دن کا اُجالا نمودار ہوا تو شیر خان بولا۔

"میرا خیال ہے اب ہمیں یہاں سے نکل چلنا چاہئے"۔

ساوتری نے ڈرتے ڈرتے کہا۔

"کہیں باہر شیر نہ بیٹھا ہو"۔

شیر خان بولا۔

"شیر تو رات کو بھی اس طرف نہیں آتا تھا..... ریچھ آیا تھا وہ شیر کی گرج سن کر بھاگ گیا..... اب اِدھر نہ ریچھ آئے گا نہ شیر"۔

ساوتری پھر بھی ڈر رہی تھی۔

وہ شیر خان کے پیچھے چلتی غار سے باہر نکل آئی..... شیر خاں نے پوچھا۔

"تمہارے خیال میں اب ہمیں کس طرف کا رُخ کرنا چاہئے کہ ہم دریا تک پہنچ سکیں"۔

ساوتری نے ایک طرف اشارہ کیا..... اس طرف ایک اونچا ٹیلہ کھڑا تھا..... اس نے کہا۔

"اس ٹیلے کی دوسری طرف دریا ہے..... ہمیں اس دریا کے گھاٹ سے کٹھیالی جانے والی کشتی مل جائے گی"۔

اس وقت کٹھیالی ہی شیر خان کی منزل تھی، کیونکہ کٹھیالی میں ساوتری کے ماما جی کا گھر تھا..... کٹھیالی ریلوے سٹیشن بھی تھا..... شیر خان نے کٹھیالی میں ساوتری کو چھوڑ کر وہاں سے آگے لکھنؤ کی بجائے بھارت کے صوبہ بہار یا بنگال کی طرف نکل جانا تھا، کیونکہ لکھنؤ میں اس کے پکڑے جانے کا زبردست خطرہ تھا..... وہیں سے تو وہ فرار ہو کر بھاگا تھا اور اب تک اس کے فرار کی لکھنؤ کی سول پولیس اور ملٹری انٹیلی جنس کو یقیناً خبر ہو چکی ہو گی۔

ٹیلے کو عبور کرتے ہوئے انہیں دن کے گیارہ بج گئے، لیکن یہ دیکھ کر کمانڈو شیر خان کو حوصلہ ہوا کہ ٹیلے کی دوسری جانب دریا بہہ رہا تھا، مگر وہاں نہ کوئی بستی تھی اور نہ کوئی گھاٹ ہی تھا..... ساوتری نے کہا۔

"فکر نہ کرو..... ہم دریا کے ساتھ ساتھ کچھ دُور چلیں گے تو گھاٹ آ جائے گا"۔

اور ایسا ہی ہوا..... دریا کے ساتھ ساتھ وہ کوئی ڈیڑھ فرلانگ چلے ہوں گے کہ ایک گھاٹ آ گیا جہاں بہت سی کشتیاں کھڑی تھیں..... کسی کشتی میں بانس وغیرہ لدے ہوئے تھے..... ایک کشتی میں کچھ مسافر بیٹھے تھے..... ساوتری نے شیر خان سے کہا۔

"ہمارے پاس تو کشتی کا کرایہ بھی نہیں ہے، کیا کریں؟"۔

شیر خان بولا۔

"تم یہیں ٹھہرو..... میں آگے جا کر کشتی کے مانجھی سے بات کرتا ہوں"۔

کشتی کا ملاح ادھیڑ عمر کا آدمی تھا..... کشتی کے ڈانڈ کے پاس کھڑا کسی لڑکے سے اونچی آواز میں بول رہا تھا..... کمانڈو شیر خان اس کے پاس جا کر کہنے لگا۔

"دادا بھائی! ہم رام پرشاد بنواری ہوں..... کھٹیالی کے تھانے کا نیا محرر ہوں..... اپنی پتنی کو گاؤں سے لے کر آ رہا تھا کہ راستے میں رات ہو گئی..... ہم سو گئے..... کسی چور نے میری جیب سے بٹوہ چرا لیا..... اب ہمارے پاس کشتی کا کرایہ نہیں ہے..... بھیا تم ہمیں دریا پار کرا دو..... میں تھانے پہنچتے ہی تمہیں کرایہ بھجوا دوں گا"۔

کچھ پولیس تھانے اور کچھ شیر خان کے موثر انداز گفتگو کا مانجھی پر اثر پڑ گیا..... اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"مہاراج بیٹھ جائیے..... دریا پار کرائے دیتا ہوں..... پیسوں کی کیا ہے..... آ جائیں گے..... نہ بھی آئے تو کیا فرق پڑتا ہے"۔

شیر خان ساوتری کو لے کر کشتی میں بیٹھ گیا جس میں پہلے ہی سے کافی مسافر بیٹھے ہوئے تھے..... ساوتری نے گھونگھٹ نکال لیا تھا، کیونکہ دریا پار اس کے ماما کا گھر تھا..... کشتی دریا میں چل پڑی..... دریا کے رُخ پر کوئی چار پانچ میل کا فاصلہ طے کرنے کے بعد کشتی دوسرے کنارے کی طرف مڑ گئی..... دن کی روشنی میں دریا کے دوسرے کنارے پر درختوں کے پیچھے کچھ مکانوں کے خاکے نظر آ رہے تھے..... یہی کھٹیالی کا قصبہ تھا..... یہ کافی بڑا قصبہ تھا..... یہاں پولیس کا تھانہ بھی تھا اور ڈاک خانہ بھی تھا..... قصبے کی آبادی کافی دُور تک پھیلی ہوئی تھی..... ایک جانب کچھ فاصلے پر ریلوے سٹیشن تھا جس کے سگنل دُور سے دکھائی دے رہے تھے۔

ساوتری شیر خان کو لے کر اپنے ماما کے مکان کی طرف جا رہی تھی، کہنے لگی۔

"تم نے مانجھی کو کیا کہا تھا؟"۔

شیر خان نے جواب دیا۔

"کچھ نہیں کہا تھا..... بس یہی کہا تھا کہ ہمارے پاس کرایہ نہیں ہے..... بڑی دُور

سے پیدل آ رہے ہیں..... دریا پار کرا دو..... بس"۔

ساوتری خاموش ہو گئی..... وہ کھٹیالی قصبے کی بستی کی ایک باہر والی آبادی کے ایک بازار میں سے گزر رہے تھے..... پھر ساوتری ایک تنگ سی گلی میں داخل ہو گئی..... یہاں گلی کے کونے میں اس کے ماما کا مکان تھا..... ساوتری کو اچانک دیکھ کر اس کے ماما اور مامی اور ان کی جوان بیٹی حیران بھی ہوئے اور خوش بھی بہت ہو گئے۔

انہیں ساوتری کے اغوا ہونے کی خبر مل چکی تھی..... ساوتری کی ممانی نے اسے گلے سے لگا لیا..... ماما نے پوچھا۔

"ساوتری بیٹی! یہ تمہارے ساتھ کون ہے؟"

ساوتری نے کہا۔

"ماما جی! یہ مہدی خان ہے..... اس نے مجھے ان غنڈوں کے چنگل سے نکالا ہے؟ مجھے اغوا کر کے لے گئے تھے..... اگر مہدی جی میری مدد نہ کرتے تو بھگوان جانے اب تک میرا کیا حال ہو چکا ہوتا"۔

ماما جی نے شیر خان سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔

"بھگوان آپ کو خوش رکھے، آپ نے ہمارے خاندان پر بڑی کرپا کی مہاراج"۔

ساوتری کی ماموں زاد بہن کا نام لیلا تھا..... لیلا نے کہا۔

"ساوتری! پہلے تم جلدی سے دوسری ساڑھی پہن لو..... پھر منہ ہاتھ دھو لو..... میں کھانا لگاتی ہوں"۔

ساوتری کی ممانی نے شیر خان سے کہا۔

"بھیا! تم بھی منہ ہاتھ دھو لو"۔

ساوتری کے ماما جی نے شیر خان سے کہا۔

"بھائی جی! تمہارے کپڑے بھی خراب ہو رہے ہیں..... میری پتلون پہن لینا بے شک"۔

شیر خان نے کہا۔

"شکریہ بھائی صاحب! لکھنؤ جا کر بدل لوں گا"۔

"آپ کا گھر لکھنؤ میں ہے کیا؟" ماما جی نے پوچھا۔

شیر خان بولا۔

"جی ہاں..... میں لکھنؤ کے قریب ہی اپنے ایک دوست کی حویلی میں رہ رہا ہوں..... دراصل میں مراد آباد سے اپنے دوست کے ہاں آیا تھا"۔

"آپ کے دوست کیا کرتے ہیں؟" ماما جی نے پوچھا۔

شیر خان نے وہی پرانی کہانی دہرا دی۔

"بات یہ ہے کہ میرا دوست بڑا اچھا شکاری ہے اور مجھے شکار کا شوق ہے..... میں شوقیہ شکاری ہوں..... کبھی کبھی مراد آباد سے اپنے دوست کے پاس لکھنؤ آجاتا ہوں..... پھر ہم دونوں مل کر جنگل میں شکار کھیلنے چل دیتے ہیں..... بس یہی میرا اور میرے دوست کا شوق ہے..... اس دفعہ ہم جنگل میں شکار کھیلتے ہوئے کافی آگے نکل آئے اور راستہ بھول بیٹھے..... اور بدقسمتی یہ ہوئی کہ شام کا وقت تھا اچانک ایک طرف سے ریچھ نکل آیا..... ہم نے اس پر بندوق کے فائر بھی کئے لیکن ریچھ نے بھاگنے کی بجائے ہم پر حملہ کر دیا..... اس کے بعد ہم دونوں بھاگ اٹھے..... میرا دوست ایک طرف کو اور میں دوسری طرف کو بس اس کے بعد ہم ایک دوسرے سے بچھڑ گئے..... جنگل میں رات ہو گئی..... میں ایک تالاب کے کنارے جنگلی درندوں کے ڈر سے درخت پر چڑھ کر بیٹھ گیا..... پھر مجھے ساوتری جی کے رونے کی آواز سنائی دی..... انہیں غنڈے پجاری رام تلائی کی گپھا میں باندھ کر چلے گئے تھے..... میں نے جلدی جلدی ان کی رسیاں کھولیں اور انہیں ساتھ لے کر جنگل میں چل پڑا..... اصل میں اب ساوتری جی میری گائیڈ بن گئی تھیں..... انہیں جنگل کا دریا کے گھاٹ کی طرف جانے والے راستے کا کچھ اندازہ تھا..... چنانچہ ہم رات بھر جنگل میں چلتے رہے اور صبح دریا پر

پہنچ گئے..... پھر وہاں سے ایک کشتی میں سوار ہوئے اور آپ کے گھر آگئے"۔

ساوتری کا ماما دبلا پتلا اُدھیڑ عمر کا ہندو تھا..... سر کے بال اُڑے ہوئے تھے اور آنکھوں میں بڑی عیارانہ سی چمک تھی..... وہ بڑی دلچسپی اور پورے یقین کے انداز میں کمانڈو شیر خان کی گفتگو سن رہا تھا..... جب شیر خان نے اپنی بات ختم کی تو سر ہلاتے ہوئے تحسین آمیز لہجے میں بولا۔

"مہاراج! آپ بڑے بہادر نوجوان ہیں..... آپ نہ ہوتے تو ہماری بچی کبھی اپنے گھر واپس نہیں آسکتی تھی"۔

ہاتھ منہ دھو کر تازہ دم ہونے کے بعد کھانا کھایا گیا..... اس کے بعد پھر باتوں کا سلسلہ شروع ہو گیا..... ساوتری کے ماما جی نے ساوتری کے گھر اس دوران فون کر واکر انہیں یہ خوش خبری سنادی کہ ساوتری ان کے پاس پہنچ چکی ہے اور وہ کل خود اسے لے کر آرہے ہیں..... ساوتری نے دوسری ساڑھی پہن لی تھی اور اپنی ممانی کے پاس بیٹھی باتیں کر رہی تھی..... ادھیڑ عمر اور زیرک آنکھوں والا ماما شیر خان کی باتیں بڑی دلچسپی سے سن رہا تھا اور بات بات پر واہ واہ کہہ رہا تھا..... اتنے میں شام ہو گئی..... شیر خان نے کہا۔

"اب مجھے اجازت دیں..... میں جلدی لکھنؤ پہنچ کر معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ میرا دوست بھی واپس آگیا ہے یا ابھی تک جنگل ہی میں بھٹک رہا ہے"۔

ساوتری کے ماما نے کہا۔

"اس وقت تو کوئی گاڑی لکھنؤ کی طرف نہیں جاتی..... اب تو صبح منہ اندھیرے کلکتہ میل آئے گی اس میں بیٹھ کر چلے جانا..... رات ہمارے پاس ہی رہ جاؤ..... صبح میں خود تمہیں گاڑی میں بٹھاؤں گا"۔

کمانڈو شیر خان کے نزدیک یہ بے ضرر سے لوگ تھے..... اس نے سوچا کہ چلو رات بھر آرام کر لیتے ہیں..... صبح کوئی گاڑی پکڑ لیں گے..... وہ ساوتری کے ماما کو یہ تو بتا نہیں سکتا تھا کہ اس نے لکھنؤ کی طرف نہیں جانا بلکہ کلکتے کی طرف جانے والی کوئی

ٹرین پکڑنی ہے..... یہ سوچ کر کہ ہو سکتا ہے رات کو اسے کلکتہ کی طرف جانے والی بھی کوئی گاڑی نہ ملے..... اس کا یہ تجربہ تھا کہ رات کے وقت عام طور پر میل ٹرینیں ہی آتی ہیں اور میل ٹرینیں کٹھیالی ایسے قصباتی سٹیشنوں پر نہیں رکتیں..... دن کے وقت اسے کوئی پسنجر ٹرین پٹنہ وغیرہ کی طرف جاتی مل سکتی تھی، چنانچہ یہ سوچ کر اس نے وہیں رات گزارنے کا فیصلہ کر لیا۔

ساوتری کے ماما کا مکان درمیانے درجے کا تھا..... ایک کوٹھڑی میں چارپائی پر شیر خان کا بستر بچھا دیا گیا..... رسوئی یعنی کچن میں رات کے لئے سبزی وغیرہ پک رہی تھی..... ساوتری اپنی ممانی کے پاس بیٹھی اس کا ہاتھ بٹا رہی تھی..... شیر خان نے صبح صبح وہاں سے سٹیشن کی طرف نکل جانے کا سوچ لیا تھا، چنانچہ وہ جلدی سو گیا..... اس گھر میں اسے بظاہر کسی قسم کا کوئی خطرہ محسوس نہیں ہوا تھا۔

اب ایسا ہوا کہ رات کے گیارہ بج رہے تھے..... ساوتری اپنی ماموں زاد بہن لیلا کے ساتھ دوسری کوٹھڑی میں سوئی ہوئی تھی کہ اسے پیاس محسوس ہوئی..... وہ پانی پینے کو ٹھڑی سے نکل کر کچن کی طرف جاتے ہوئے اپنی ممانی کی کوٹھڑی کے قریب سے گزری تو اسے ماما جی کی آواز سنائی دی..... انہوں نے شیر خان یعنی مہدی خان کا نام لیا تھا..... ساوتری وہیں رُک کر دروازے سے کان لگا کر سننے لگی کہ ماما جی کیا کہہ رہے ہیں..... ماما جی اس وقت اپنی بیوی کو کہہ رہے تھے۔

"مجھے اس آدمی مہدی خان پر شک ہے کہ یہ وہی پاکستانی جاسوس ہے جس کے بارے میں ہمارے باس کو آج صبح اطلاع ملی تھی کہ وہ جنگل والے ٹارچر سنٹر سے فرار ہو گیا ہے"۔

اس کی بیوی نے کہا۔

"ہو سکتا ہے یہ وہ آدمی نہ ہو"۔

ماما نے کہا۔

"نہیں..... مجھے پکا یقین ہے کہ یہ وہی پاکستانی جاسوس ہے"۔

"تو پھر تم کیا کرو گے؟" اس کی بیوی نے پوچھا۔

ماما جی نے کہا۔

"میں صبح صبح اپنے آفس سپرنٹنڈنٹ کو جا کر اس کی اطلاع کر کے اسے گرفتار کرا دوں گا..... اس طرح میری ترقی بھی ہو جائے گی"۔

یہ سن کر ساوتری وہیں سے واپس ہو گئی۔

کونے والی کوٹھڑی میں کمانڈو شیر خان سو رہا تھا..... ساوتری نے دروازے پر آہستہ آہستہ تین چار بار ٹھک ٹھک کی تو شیر خان کی آنکھ کھل گئی..... وہ جلدی سے اٹھ کر دروازے کے پاس آیا..... اس نے پوچھا۔

"کون ہے؟"۔

ساوتری نے بڑی دھیمی آواز میں کہا۔

"میں ہوں ساوتری..... دروازہ کھولو"۔

شیر خان نے دروازہ کھول دیا..... ساوتری نے جلدی سے اندر آ کر دروازہ بند کر دیا..... کوٹھڑی میں چارپائی کے کونے میں نسواری شیڈ والا پرانا ٹیبل لیمپ روشن تھا..... شیر خان نے کسی قدر حیرانی کے ساتھ ساوتری سے پوچھا۔

"کیا بات ہے ساوتری؟"۔

ساوتری نے کہا۔

"میرے ماما جی کو پتہ چل گیا ہے کہ تم پاکستانی جاسوس ہو..... وہ صبح صبح تمہیں گرفتار کروا دیں گے، اسی وقت یہاں سے بھاگ جاؤ"۔

شیر خان جلدی جلدی اپنی بش شرٹ پہننے لگا..... اس نے پوچھا۔

"تمہیں کیسے پتہ چلا؟"۔

ساوتری بولی۔

"میں نے ابھی ابھی ماما جی کو ممانی سے کہتے سنا ہے کہ مہدی خان پاکستانی جاسوس ہے جو جنگل والے ٹارچر سنٹر سے فرار ہوا تھا"۔

شیر خان نے ساوتری سے پوچھا۔

"مکان کے پچھلے دروازے سے کوئی راستہ ہے؟"۔

ساوتری نے کہا۔

"نہیں..... تم ڈیوڑھی والے دروازے سے نکل جاؤ، مگر دروازہ کھلنے کی آواز نہ آئے"۔

کمانڈو شیر خان ٹیبل لیمپ کی روشنی میں باہر نکلنے لگا تو ساوتری نے اسے روک دیا اور دھیمی آواز میں بولی۔

"یہیں ٹھہرو..... میں ابھی آتی ہوں"۔

وہ آہستہ سے دروازہ کھول کر دبے پاؤں کوٹھڑی سے نکل گئی..... شیر خان چارپائی پر بیٹھ گیا اور سوچنے لگا کہ یہ لڑکی جو کچھ کہہ رہی ہے اگر سچ ہے تو میں اس کے احسان کو کبھی نہیں بھلا سکوں گا..... کوئی ایک منٹ بعد ساوتری واپس آ گئی..... اس نے شیر خان کے ہاتھ میں رومال میں لپٹی ہوئی کوئی چیز پکڑائی اور بولی۔

"جلدی سے نکل جاؤ..... راستہ صاف ہے"۔

شیر خان نے ایک سیکنڈ کے لئے ساوتری کی طرف دیکھا..... پھر اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر آہستہ سے بولا۔

"شکریہ! میری بہن!"۔

اس کے ساتھ ہی وہ دبے پاؤں کوٹھڑی سے نکل کر دالان میں سے گزر کر ڈیوڑھی میں آ گیا..... ڈیوڑھی کا دروازہ بند تھا..... اندر سے کنڈی لگی ہوئی تھی..... اس نے بڑی احتیاط کے ساتھ کہ آواز پیدا نہ ہو کنڈی کو کھولا..... پھر اور زیادہ احتیاط کے ساتھ دروازے کے ایک پٹ کو تھوڑا سا پیچھے کیا اور فوراً مکان سے نکل گیا۔

کٹھیالی قصبے کے بازار سنسان پڑے تھے..... رات کا گہرا سکوت ہر طرف چھایا تھا..... یہ کوئی شہر نہیں تھا..... آدھی رات کا وقت ہو رہا تھا..... کہیں کوئی ٹریفک وغیرہ نہیں تھی..... کوئی ٹیکسی رکشا بھی نہیں تھا..... ایک کھیت کے پاس آکر شیر خان نے سب سے پہلے اس رومال کو کھولا جو ساوتری نے جاتے وقت اس کے ہاتھ میں پکڑا دیا تھا..... اس میں سو روپے کا نوٹ اور دو دس دس روپے کے نوٹ تھے..... کمانڈو شیر خان کو اپنی چھوٹی بہن یاد آگئی اور اس کی آنکھیں نمناک ہو گئیں، مگر یہ وقت اس قسم کی جذباتی باتوں کا نہیں تھا..... دن کے وقت ہی اس نے دُور سے دیکھ لیا تھا کہ کٹھیالی کا ریلوے سٹیشن کس طرف ہے۔

وہ ریلوے سٹیشن کی طرف پیدل ہی جا رہا تھا۔

ساوتری کی زبانی یہ پتہ چل جانے کے بعد کہ لکھنؤ پولیس اور انٹیلی جنس کو اس کے فرار کا علم ہو چکا ہے..... شیر خان نے لکھنؤ مراد آباد کی طرف جانے کا خیال دل سے نکال دیا تھا..... اس طرف پولیس اور انٹیلی جنس اس کی تلاش میں جگہ جگہ چھاپے مار رہی ہو گی..... اس طرف جانا بے حد خطرناک ثابت ہو سکتا تھا، چنانچہ ریلوے سٹیشن تک پہنچتے پہنچتے اس نے فیصلہ کر لیا کہ وہ بنگال کی طرف نکل جائے گا..... بنگال کے شہر کلکتے میں اس کا ایک کشمیری ساتھی شالوں کا کاروبار کرتا تھا..... کمانڈو شیر خان نے سوچ لیا کہ اس کے پاس جانا بہتر رہے گا..... کچھ دن وہاں گزار کر جب حالات ذرا ٹھیک ہو جائیں گے تو وہ وہاں سے کشمیر کی طرف نکل جائے گا۔

اب سوال یہ تھا کہ کیا اس وقت اس کٹھیالی ایسے چھوٹے سٹیشن پر کلکتے جانے والی کوئی گاڑی مل سکے گی؟ اس کے پاس چند ایک گھنٹے ہی تھے..... صبح ہونے سے پہلے پہلے وہ کٹھیالی سے دُور نکل جانا چاہتا تھا تاکہ جب ساوتری کے ماما پولیس کو اس کی مخبری کرے تو وہ پولیس کے حرکت میں آنے سے پہلے پہلے کٹھیالی کے علاقے سے نکل چکا ہو..... جب وہ کٹھیالی کے معمولی سے قصباتی سٹیشن پر پہنچا تو یہ دیکھ کر اس کا دل بیٹھ سا

گیا کہ سٹیشن پر اُلو بول رہے تھے..... کوئی مسافر اور کوئی ریلوے کا قلی تک نظر نہیں آ رہا تھا۔

اس نے سٹیشن کی دوسری طرف جا کر دیکھا کہ وہاں ایک چھوٹی سی کھڑکی کے پیچھے ایک بوڑھا سکھ بیٹھا ٹکٹوں پر مہریں لگا رہا تھا..... شیر خان جانتا تھا کہ ساوتری کے ماما کی مخبری کے بعد پولیس ریلوے سٹیشن پر آکر ٹکٹ دینے والے سردار جی سے بھی پوچھے گی کہ اس حلیے کا آدمی رات کو سٹیشن پر آیا تھا کیا؟ اور سردار جی پولیس کو بتا دیں گے کہ رات کو اس حلیے کا ایک آدمی آیا تھا اور اس نے فلاں شہر کا ٹکٹ لیا تھا، چنانچہ شیر خان فوراً کھڑکی سے ہٹ گیا..... وہ سردار جی کو اپنی شکل نہیں دکھانا چاہتا تھا..... اب اس نے یہی سوچا کہ کلکتے کی طرف جانے والی جو بھی گاڑی آئے گی خواہ وہ آدھے راستے تک ہی جا رہی ہو وہ اس میں بغیر ٹکٹ کے سوار ہو جائے گا..... رات کا وقت ہے..... رات کے وقت ٹرین میں کوئی ٹکٹ چیکر نہیں آتا..... وہ پچھلی طرف سے تاروں کا جنگلہ پھلانگ کر پلیٹ فارم پر آکر بیٹھ گیا۔

پلیٹ فارم پر صرف ایک دو کھمبوں کی بتیاں ہی جل رہی تھیں..... پلیٹ فارم خالی پڑا تھا..... ایک بھی مسافر نہیں تھا..... ایسے لگ رہا تھا کہ جیسے اس سٹیشن پر کبھی کوئی گاڑی کھڑی نہیں ہوئی..... شیر خان کو یہ خیال بھی تھا کہ کہیں ساوتری کے ماما کو یہ پتہ نہ چل جائے کہ جس پاکستانی جاسوس کو اس نے صبح پولیس کے حوالے کرنا تھا وہ تو فرار ہو گیا ہے..... پھر تو وہ شخص اسی لمحے کٹھیالی کے پولیس تھانے پہنچ کر اطلاع دے دے گا اور پولیس سب سے پہلے ریلوے سٹیشن ہی کا رُخ کرے گی، مگر کسی بھی ریل گاڑی کا دُور دُور تک نام و نشان تک نہیں تھا..... شیر خان بے چینی سے اٹھ کر ادھر ادھر ٹہلنے لگا..... کسی طرف جانے والی ٹرین بھی نہیں آ رہی تھی..... پلیٹ فارم پر کوئی سٹال بھی نہیں تھا۔

ایک بوڑھا آدمی ایک طرف سے چلا آ رہا تھا..... جب وہ قریب آیا تو کمانڈو

شیر خان نے اس سے پوچھا۔

"بڑے میاں لکھنؤ بریلی جانے والی گاڑی کب آئے گی"۔

اس نے جان بوجھ کر لکھنؤ بریلی کا نام لیا تھا..... وہ بڑی احتیاط سے کام لے رہا تھا اور نہیں چاہتا تھا کہ سٹیشن پر کسی کو بھی معلوم ہو کہ وہ کلکتے کی طرف گیا ہے..... بوڑھے نے کہا۔

"لکھنؤ جانے والی گاڑی تو صبح سویرے آتی ہے..... اس وقت تو پٹنہ جانے والی پسنجر ٹرین آرہی ہے"۔

شیر خان نے دل میں خدا کا شکر ادا کیا کہ وہ اس علاقے سے کچھ دیر بعد ہی نکل جائے گا اور ایسا ہی ہوا..... کوئی بیس منٹ ہی گزرے ہوں گے کہ لکھنؤ کی جانب سے ایک ٹرین آکر رُکی..... پسنجر ٹرین تھی..... ڈبوں میں مسافر بھرے ہوئے تھے..... اکثر مسافر سو رہے تھے..... انجن نے رکنے کے دو منٹ بعد ہی سیٹی دے دی..... کمانڈو شیر خان اس دوران ایک ڈبے میں گھس کر دروازے کے پاس بیٹھ چکا تھا..... دوسرے لمحے ٹرین چل پڑی..... لکھنؤ سے آگے بڑا شہر بنارس ہی تھا..... ٹرین کی رفتار زیادہ نہیں تھی..... بنارس بھی لکھنؤ سے زیادہ دُور نہیں تھا، لیکن ٹرین نے بنارس پہنچتے پہنچتے تین گھنٹے لگا دیئے..... شیر خان کو اب یہ تشویش ہوئی کہ اگر ٹرین اسی رفتار سے چلتی رہی تو راستے میں ہی دن نکل آئے گا اور عین ممکن ہے کہ کٹھیالی پولیس اس کے بارے میں اگلے سٹیشنوں کی پولیس اور ملٹری انٹیلی جنس کو باخبر کر دے۔

دوسری فکر اسے یہ بھی لگی تھی کہ وہ بغیر ٹکٹ سفر کر رہا ہے..... پکڑا گیا تو ایک نئی مصیبت میں پھنس جائے گا، چنانچہ اس نے بنارس پہنچنے سے پہلے پہلے یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ بنارس اتر جائے گا اور وہاں سے آگے گیا تو لاری میں سفر کرنے کی کوشش کرے گا..... رات کے تین بجنے والے تھے جب ٹرین بنارس پہنچی..... بنارس بہت بڑا ریلوے جنکشن تھا..... یہاں ٹکٹ کے بغیر سٹیشن کی عمارت سے باہر نکلنا مشکل تھا.....

ویسے بھی پلیٹ فارم پر ریلوے پولیس کے سپاہی اِدھر اُدھر چل پھر رہے تھے..... شیر خان نے اپنا ارادہ بدل لیا اور یہ سوچا کہ وہ گیا کے ریلوے سٹیشن پر اتر جائے گا۔

پسنجر ٹرین دن نکل چکا تھا جب گیا پہنچی..... یہ کافی بڑا سٹیشن تھا، مگر بنارس لکھنؤ کے مقابلے میں بہت چھوٹا تھا..... یہ شہر پہلے شیر خان نے نہیں دیکھا تھا..... وہ ٹرین سے اترا اور پلیٹ فارم سے اتر کر ریلوے لائن کے ساتھ ساتھ کلکتہ کی طرف چل پڑا..... کبھی کبھی ریلوے یارڈ میں بھی ٹرین کی آمد کے موقع پر کوئی نہ کوئی ٹکٹ چیکر موجود ہوتا ہے، مگر یہ پسنجر ٹرین تھی اور کٹھیالی کا سٹیشن بھی چھوٹا تھا..... شیر خان ریلوے پٹڑی کے ساتھ ساتھ چلتے چلتے وہاں پر آگیا جہاں ریلوے کا خاردار جنگلا ختم ہو جاتا تھا اور پٹڑی کی دونوں جانب دھان کے کھیت شروع ہو جاتے تھے..... یہاں سے وہ کھیتوں میں چلنے لگا اور ایک چکر لگا کر گیا کے شہر میں آگیا..... بدھ مت کے پیروکار اس شہر کو بڑا مقدس مانتے ہیں..... یہ وہ شہر ہے جہاں مہاتما گوتم بدھ کو ایک درخت کے نیچے گیان ہوا تھا اور انہوں نے زندگی کے دُکھوں کا راز پا لیا تھا۔

شہر کی آبادی بہت بڑھ گئی تھی اور شہر کے باہر بھی نئی کالونیاں آباد ہو گئی تھیں..... صبح کا وقت تھا..... شہر کی زندگی بیدار ہو چکی تھی..... شیر خان ایک کالونی میں آگیا تھا..... سڑک کے کنارے اسے ایک چائے کی چھوٹی سی دکان نظر آئی..... وہ دکان کے اندر جا کر بیٹھ گیا..... اس نے چائے کے ساتھ مکھن لگوا کر تین سلائس منگوائے اور خاموشی سے ناشتہ کرنے لگا..... ساوتری کے دیئے ہوئے پیسے اس کی جیب میں موجود تھے..... یہاں اس نے ایک آدمی سے اڈے کا پوچھا جہاں سے آگے بنگال کی طرف لاریاں جاتی ہوں..... اس نے کہا۔

"تمہیں کہاں جانا ہے"۔

شیر خان کو اس آدمی سے اس سوال کی توقع نہیں تھی..... اس نے یونہی کہہ دیا۔

"پٹنہ جاؤں گا..... ٹرین رات کو آئے گی مجھے پٹنہ جلدی پہنچنا ہے"۔

اس آدمی نے کہا۔

"پٹنہ جانے کے لئے تو تمہیں راستے میں دو لاریاں بدلنی پڑیں گی..... تم یہاں سے ہزاری باغ چلے جاؤ وہاں سے تمہیں پٹنہ جانے والی ٹرین مل جائے گی"۔

شیر خان کو ہزاری باغ کا نام سن کر یاد آگیا کہ ہزاری باغ تو صوبہ بنگال کی سرحد کے قریب ہی واقع ہے اور وہاں سے آگے آسنسول ہے جہاں سے بنگال شروع ہو جاتا ہے..... اس نے کہا۔

"اچھا..... دیکھتا ہوں بھائی"۔

وہ چائے کی دکان سے نکلا اور سیدھا لاری اڈے پر آگیا..... کچھ ہی دیر بعد اسے ہزاری باغ جانے والی لاری مل گئی..... ہزاری باغ وہاں سے دو اڑھائی گھنٹے کا سفر تھا، لیکن وہ ہزاری باغ پہنچ گیا..... یہاں سے اسے کلکتہ جانے والی ایک میل ٹرین مل گئی اور وہ کلکتے کے ہوڑہ سٹیشن پر اتر گیا..... اس وقت رات کے گیارہ بج رہے تھے..... کلکتہ شہر جاگ رہا تھا..... ہر طرف روشنیاں جگمگا رہی تھیں..... کلکتہ کا شمار بھارت کے بڑے شہروں میں ہوتا ہے..... بلکہ اسے بھارت کا سب سے گنجان آباد شہر بھی کہا جاتا ہے..... اس شہر کی تاریخ اور بنگلہ ثقافت بڑی قدیم ہے۔

شیر خان کو اپنے کشمیری دوست کا گھر معلوم تھا کہ کہاں ہے، اس نے آٹو رکشا لیا اور سیدھا اس کے مکان پر پہنچ گیا..... وہ شیر خان کو دیکھ کر حیران بھی ہوا اور خوش بھی ہوا..... دونوں دوست گلے لگ کر ملے..... ہم یہاں شیر خان کے کشمیری دوست کا اصلی نام نہیں لکھیں گے..... اس کو فرضی نام عبداللہ سے یاد کریں گے۔

عبداللہ نے شیر خان کے بوسیدہ کپڑوں سے اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ کسی جگہ سے فرار ہو کر آیا ہے..... اس نے کہا۔

"سب سے پہلے نہا دھو کر کپڑے بدلو..... کھانا کھاؤ اور پھر آرام سے سو جاؤ..... باقی باتیں صبح کو ہوں گی"۔

شیر خان نے غسل کیا..... کپڑے بدلے..... کھانا کھایا اور سو گیا..... خدا جانے وہ کب کا جاگا ہوا تھا..... ساوتری کے مکان پر بھی وہ کچھ دیر ہی سو سکا تھا..... عبداللہ کے مکان پر وہ گہری نیند سو گیا..... دن کے دس بجے اس کی آنکھ کھلی۔

عبداللہ اپنی دکان پر نہیں گیا تھا دونوں نے مل کر ناشتہ کیا اور باتیں کرنے لگے..... شیر خان نے اسے کافی کچھ بتا دیا..... کافی کچھ نہیں بتایا..... بہر حال اس نے کہا۔

"اب مجھے جتنی جلدی ہو سکے کشمیر پہنچنا ہے، مگر لکھنؤ بریلی کا راستہ میرے لئے محفوظ نہیں ہے..... تم مجھے کیا مشورہ دیتے ہو؟"۔

عبداللہ نے کہا۔

"کشمیر جانے کا راستہ تو لکھنؤ بریلی سے ہو کر ہی جاتا ہے..... تم یہی کر سکتے ہو کہ جب تک حالات نارمل نہیں ہو جاتے میرے پاس ہی رہو"۔

شیر خان نے کہا۔

"لیکن عبداللہ میرا کشمیر کے محاذ پر جلدی پہنچنا بڑا ضروری ہے..... مجھے شاہد علی کے بارے میں بھی کچھ پتہ نہیں کہ لندن میں مفرور ہونے کے بعد اس پر کیا گزری..... وہ کشمیر پہنچا ہے یا نہیں..... کشمیر کے محاذ پر مجاہد ترابی کو ہماری بڑی ضرورت ہے"۔

عبداللہ کہنے لگا۔

"مجھے تھوڑا موقع دو..... میں کوئی طریقہ سوچتا ہوں"۔

"کلکتے میں شیر خان کو رہتے ایک ہفتہ گزر گیا تو اس نے عبداللہ سے کہا۔

"بھائی! اس سے زیادہ دن میں یہاں نہیں رُک سکتا..... میں آج رات کی ٹرین سے امرتسر کی طرف نکل جاؤں گا"۔

"اگلے ہفتے یہاں سے ہندو یاتریوں کا ایک جتھہ جموں ماتا جی کے درشنوں کو جا رہا ہے، اگر تم مناسب سمجھو تو اس کے ساتھ بھی جا سکتے ہو..... جو آدمی اس جتھے کی یاترا کا

انتظام کر رہا ہے وہ میرا جاننے والا ہے..... میں اسے کہہ کر تمہیں جتھے میں شامل کروا سکتا ہوں، لیکن سوچ لو..... کیا ہندو یاتریوں کے جتھے میں تم محفوظ ہو گے؟"۔

شیر خان نے کہا۔

"امرتسر تک تو اس جتھے کی طرف کوئی دھیان نہیں دے گا لیکن امرتسر کے آگے اور خاص طور پر جموں کے علاقے میں داخل ہوتے ہی سی آئی ڈی اس جتھے کے یاتریوں کی نگرانی شروع کر دے گی اور ایک ایک یاتری سے پوچھ گچھ ہو سکتی ہے..... وہاں اگر انٹیلی جنس والوں کو مجھ پر ذرا سا بھی شک پڑ گیا تو بنا بنایا کام بگڑ سکتا ہے"۔

"یہ تم ٹھیک کہہ رہے ہو" عبداللہ نے کہا..... "لیکن ٹرین میں تو تمہیں سارا راستہ انٹیلی جنس والوں کا کھٹکا لگا رہے گا..... یہاں تو صرف جموں کے علاقے میں پہنچنے کے بعد ہی کھٹکا ہو سکتا ہے..... تم امرتسر سے ہی جتھے سے الگ ہو سکتے ہو..... یاتری یہی سمجھیں گے کہ تم کسی دوسرے مندر کی یاترا کو پلے گئے ہو اور اپنے آپ جموں پہنچ جاؤ گے"۔

کمانڈو شیر خان سوچ میں پڑ گیا..... عبداللہ کا خیال درست تھا..... اگر وہ یاتریوں کے ساتھ چلا جائے تو کم از کم امرتسر تک وہ بڑی آسانی سے پہنچ سکتا ہے..... صرف اس بات کا خطرہ ہے کہ لکھنؤ سٹیشن پر اگر ٹارچر سنٹر کا چیف مالک رام موجود ہوا تو وہ اسے پہچان نہ لے..... اول تو یہ ضروری نہیں کہ انٹیلی جنس چیف مالک رام اس وقت لکھنؤ سٹیشن پر موجود ہو جب یاتریوں کا جتھہ وہاں سے گزر رہا ہو گا..... دوسرے اگر وہ موجود بھی ہوا تو شیر خان اپنا حلیہ ایسا بنائے گا کہ وہ اسے کبھی نہیں پہچان سکے گا، چنانچہ شیر خان نے جموں جانے والے ہندو یاتریوں کے ساتھ جانے کا فیصلہ کر لیا..... عبداللہ اسی روز جتھے کے انتظام کرنے والے اپنے واقف کار سے ملا اور اسے بتایا کہ پنجاب سے اس کا ایک ہندو دوست آیا ہوا ہے، وہ بھی جتھے کے ساتھ جموں جانا چاہتا ہے، اسے بھی ساتھ لیتے جاؤ..... جتھے کے منتظم نے کہا۔

"ٹھیک ہے عبداللہ بابو..... اس کو پرسوں میرے مکان پر بھیج دینا..... ہم لوگ پنجاب میل میں جائیں گے..... پنجاب میل آج کل شام کو ہوڑہ سٹیشن سے چلتی ہے..... تم کو تو معلوم ہی ہے"۔

عبداللہ نے آ کر شیر خان کو بتایا کہ کام ہو گیا ہے۔

"پرسوں دوپہر کے وقت تم تیار ہو جانا"۔

شیر خان نے پوچھا۔

"جو یاتری جموں جا رہے ہیں ان میں کوئی انٹیلی جنس کا آدمی تو نہیں ہے..... یہ ضرور معلوم کر لینا"۔

عبداللہ نے ہنستے ہوئے کہا۔

"ارے بھائی یہ لوگ کسی دوسرے ملک کی یاترا کو نہیں جا رہے کہ ان میں کسی سی آئی ڈی والے کی ضرورت پڑے..... اپنے ملک کے یاتری ہیں، سارے سیدھے سادے بنگالی ہیں"۔

شیر خان نے کہا۔

"پھر بھی میں چاہتا ہوں کہ تم اس کی پوری طرح سے چھان بین کر لو"۔

"تم کہتے ہو تو میں کل ہی اس بارے میں تحقیقات کر لوں گا"۔

عبداللہ نے جواب دیا۔

شیر خان کہنے لگا۔

"مجھے صرف لکھنؤ سے گزرتے ہوئے خطرہ ہے، کیونکہ لکھنؤ کی پولیس مجھے پہچان لے گی..... اس خطرے کے پیش نظر میں اپنا حلیہ بدل کر سفر کرنا چاہتا ہوں"۔

عبداللہ نے پوچھا۔

"میرا خیال ہے کہ تمہیں دوسرے یاتریوں کی طرح بنگالی لباس میں سفر کرنا چاہئے، تم نے یاتریوں سے کوئی الگ حلیہ بنایا تو لوگوں کی خواہ مخواہ تم پر نظر پڑے گی"۔

شیر خان نے کہا۔

"یہ تو تم ٹھیک کہتے ہو، لیکن میں بنگالی لباس میں ہوا تو کسی نے مجھ سے بنگلہ زبان میں بات کی تو میں اسے کیا جواب دوں گا..... مجھے تو بنگلہ زبان بولنی نہیں آتی"۔

عبداللہ بولا۔

"معاملے کو اتنا زیادہ کریدنے کی ضرورت نہیں بھائی..... میں نے جتھے کے لیڈر کو تمہارے بارے میں بتادیا ہے کہ تم پنجاب کے رہنے والے ہو میرے دوست ہو اور ہندو ہو..... میں نے لیڈر کو تمہارا نام کیدار ناتھ بتایا ہے تم بھی اپنا یہی نام بتانا..... اور پھر یہاں سب لوگ زیادہ تر ہندوستانی میں ہی بات کرتے ہیں"۔

دوسرے دن عبداللہ نے دوپہر کے بعد آکر کمانڈو شیر خان کو بتایا کہ اس نے پوری تسلی کے ساتھ چھان بین کرلی ہے اور یاتریوں کے جتھے کے ساتھ انٹیلی جنس کا کوئی آدمی نہیں ہے..... یاتریوں میں سے کوئی دکاندار ہے..... کوئی چائے کی دکان کا مالک ہے اور کوئی سکول ٹیچر ہے..... شیر خان بولا۔

"اگر تم نے تسلی کرلی ہے تو مجھے فکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں..... اللہ کا نام لے کر کل یاتریوں کے جتھے کے ساتھ چل پڑوں گا..... ایک بار جموں پہنچ گیا تو پھر سمجھو کہ میں کشمیر کے محاذ پر پہنچ گیا"۔

اس سے اگلے روز کمانڈو شیر خان نے جموں جانے والے ہندو یاتریوں کے جتھے میں کیدار ناتھ نام کا ہندو بن کر شامل ہونا تھا..... عبداللہ نے اسے بنگالی طرز کا کھدر کا کرتا پاجامہ لاکر دیا جو شیر خان نے پہن لیا..... اس نے اپنی چھوٹی داڑھی بھی منڈوادی..... ماتھے پر تلک لگالیا اور بنگالیوں کی طرح ایک شال اپنے کندھے پر ڈال لی..... راستے کا سارا خرچ عبداللہ نے جتھے کے لیڈر کے پاس جمع کروادیا تھا..... اوپر کے اخراجات کے لئے عبداللہ نے شیر خان کو مزید تین سو روپے دیئے اور شام ہونے سے ذرا پہلے وہ شیر خان عرف کیدار ناتھ کو ساتھ لے کر اس سکول کی طرف چل پڑا جہاں سے یاتریوں کے جتھے

نے ہوڑہ سٹیشن کی طرف روانہ ہونا تھا..... عبداللہ نے شیر خان کا کیدار ناتھ کی حیثیت سے جتھے کے لیڈر سے تعارف کرایا..... وہاں دوسرے یاتری بھی موجود تھے جن میں زیادہ تر بنگالی ہی تھے..... تین چار یاتری بہاری ہندو تھے۔

عبداللہ شیر خان کو وہاں چھوڑ کر چلا گیا تھا..... یہ کل پندرہ یاتری تھے اور وہ ایک سکول کے برآمدے میں اِدھر اُدھر بیٹھے باتیں کررہے تھے..... شیر خان بھی ایک طرف ہوکر بیٹھ گیا..... اس نے باری باری ہر ایک یاتری کو غور سے دیکھا..... وہ سب مسکین سی صورتوں والے تھے..... سب کے سب ادھیڑ عمر تھے اور انہوں نے اپنے بستر بھی لپیٹ کر ساتھ رکھے ہوئے تھے، کیونکہ ان کے حساب سے جموں میں سردی تھی بنگال میں تو سردی نہ ہونے کے برابر پڑتی ہے..... شیر خان کو ان میں کوئی بھی آدمی ایسا نظر نہیں آیا تھا کہ جس پر انٹیلی جنس کے آدمی کا شبہ ہوسکتا تھا..... ایک موٹا کمبل عبداللہ نے شیر خان کو بھی دے دیا تھا، اس کے علاوہ اسے پتلون قمیض کا ایک فالتو جوڑا بھی لفافے میں ڈال کر دے دیا تھا کہ جموں پہنچنے کے بعد کشمیر کی طرف جاتے ہوئے بنگلہ لباس اتار کر یہ پتلون قمیض پہن لینا..... شیر خان نے اپنا کمبل اور پتلون قمیض والا لفافہ بھی یاتریوں کے سامان کے ساتھ ایک جگہ رکھ دیا تھا۔

اتنے میں ایک خالی بس وہاں آگئی..... جتھے کے لیڈر نے سب سے پہلے سامان بس کی چھت پر رکھوایا..... پھر یاتریوں سے کہا کہ وہ بس میں بیٹھ جائیں..... شیر خان بھی بس میں آکر بیٹھ گیا اور بس کلکتے کے ہوڑہ سٹیشن کی طرف چل پڑی..... سٹیشن تک پہنچتے شام ہوگئی..... سٹیشن کی بتیاں روشن ہوچکی تھیں..... وہاں کافی رونق تھی..... ابھی ابھی کوئی گاڑی آئی تھی جس کے مسافر سٹیشن کی عمارت سے باہر نکل رہے ہیں۔

تمام یاتریوں کے ٹکٹ پہلے سے خرید لئے گئے تھے اور جتھے کے لیڈر کے پاس موجود تھے..... لیڈر کی قیادت میں سارے یاتری پلیٹ فارم پر آگئے..... یہ پڑھے لکھے پُرسکوں قسم کے یاتری تھے اور وہ نہ تو کوئی بھجن وغیرہ گارہے تھے اور نہ انہوں نے کوئی

ڈھول وغیرہ ساتھ لئے تھے..... انہیں جموں کی شیراں والی ماتا سے عقیدت تھی اور وہ اس کے درشنوں کے لئے جموں جارہے تھے..... کافی دیر کے بعد امرتسر کو جانے والی ٹرین پلیٹ فارم پر آکر لگی..... دوسرے مسافروں کے ساتھ یاتری بھی ایک ڈبے میں سوار ہوگئے..... آدھے ڈبے پر یاتریوں نے قبضہ کرلیا تھا اور اپنے اپنے بستر کھول کر بچھادیئے..... شیر خان نے بھی اپنا کمبل آدھی سیٹ پر بچھادیا اور خاموشی سے بیٹھ گیا..... اس کے ساتھ ایک ادھیڑ عمر دبلا پتلا بنگالی یاتری بیٹھا تھا..... وہ کلکتہ کے کسی سکول میں ٹیچر تھا..... اس نے شیر خان کا بنگلہ لباس دیکھ کر اس کے ساتھ بنگلہ زبان میں بات کی تو شیر خان نے مسکراتے ہوئے اردو میں کہا۔

"میں بنگلہ بھاشا نہیں جانتا..... میں پنجابی ہوں، میرا نام کیدار ناتھ ہے"۔

بنگالی ٹیچر بھی مسکرانے لگا، بولا۔

"اچھا اچھا..... تم پنجابی ہو..... میرا نام بابو گپتا ہے" اور اس نے شیر خان سے ہاتھ ملایا اور پوچھا۔

"کیدار ناتھ بابو! کیا تم کبھی جموں گیا ہے؟ میں جوانی میں ایک بار جموں کشمیر گیا تھا..... اس کے بعد آج جارہا ہوں"۔

شیر خان نے کہا۔

"میں بھی بس دو ایک بار ہی گیا ہوں..... وہ بھی شیراں والی ماتا کے درشن کرنے"۔

گپتا جی بولے۔

"سنا ہے جموں میں بڑی سردی پڑتا ہے..... ارے بابا..... ہم نے تو یہ شال بھی لے لی ہے اور ایک ٹھو موٹا کمبل بھی ساتھ رکھ لیا ہے"۔

بنگال میں ایک ٹھو کا مطلب ہوتا ہے ایک عدد..... شیر خان نے کہا۔

"جموں میں بہار کا موسم شروع ہو چکا ہے، آج کل وہاں اتنی سردی نہیں ہوتی"

یہ ادھیڑ عمر کا بنگالی ٹیچر بڑا سیدھا سادا اور غریب سا آدمی تھا..... شیر خان۔

راستے میں کسی نہ کسی یاتری سے تو بات چیت کا سلسلہ شروع کرنا ہی تھا..... اس نے اس کام کے لئے اس بے ضرر بوڑھے بنگالی کو چن لیا، کیونکہ بالکل چپ سادھ کر یاتریوں کے ساتھ سفر کرنے سے دوسروں کو شک پڑ سکتا تھا..... ٹرین چل پڑی..... امرتسر تک کافی لمبا سفر تھا..... کھانا وغیرہ یاتریوں نے ساتھ رکھ لیا تھا..... رات کے سات آٹھ بجے ٹرین کسی بڑے سٹیشن پر کھڑی ہوئی تو یاتری ڈبے میں ہی ایک دوسرے کے ساتھ مل کر کھانا وغیرہ کھانے لگے..... شیر خان کو بوڑھے بنگالی ٹیچر گپتا بابو نے اپنے کھانے میں شامل کرلیا۔

کھانے کے دوران بنگالی ٹیچر بے چارہ اپنی جواں مرگ بیٹی کی ہی باتیں کرتا رہا..... اس کی بیٹی گاڑی کے حادثہ میں مر گئی تھی۔

بوڑھے ٹیچر کی اور کوئی اولاد نہیں تھی..... بے چارہ آب دیدہ سا ہو کر شیر خان کو کہہ رہا تھا۔

"کیدار بابو! اب میرا سب کچھ میرن بیٹی کے دو بچے ہی ہیں..... اس کا خاوند پہلے ہی سورگباش ہو گیا تھا..... میں بیٹی کے بچوں کو پڑھا رہا ہوں"۔

ان کو پال پوس کر ایک کو انجینئر اور ایک کو ڈاکٹر بناؤں گا..... یہی میری بیٹی سنالینی کی خواہش تھی۔

اور کھانا کھاتے کھاتے بے چارہ بوڑھا سکول ٹیچر دھوتی کے پلو سے اپنے آنسو پونچھنے لگا..... شیر خان کو اس غم زدہ بنگالی ٹیچر سے بڑی ہمدردی ہو گئی تھی، مگر وہ دلاسہ دینے کے دو ایک جملے بولنے کے سوا اور کچھ نہیں کر سکتا تھا..... کھانا کھانے کے بعد بنگالی ٹیچر نے ڈبی میں سے ایک پان نکال کر شیر خان کو پیش کیا تو شیر خان نے کہا۔

"سوری ماسٹر جی! میں پان نہیں کھاتا"۔

وہ پان بنگالی ٹیچر نے خود اپنے گال میں دبالیا اور شیر خان سے باتیں کرنے لگا..... ٹرین اپنی منزل کی طرف تیز رفتاری سے چلی جارہی تھی۔

بنگالی ٹیچر نے شیر خان سے پوچھا۔

"کیدار بابو! کیا تم بھی میری طرح امرتسر کے کسی سکول میں پڑھاتے ہو؟"۔

شیر خان نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"نہیں ماسٹر جی! میں پڑھاتا نہیں ہوں..... میری پلاسٹک کے کھلونوں کی دکان ہے"۔

"کون سے بازار میں ہے..... میں نے امرتسر دیکھا ہوا ہے" بنگالی ٹیچر نے پوچھا..... شیر خان امرتسر کے کچھ بازاروں اور گلی محلوں کے نام جانتا تھا..... اس نے کہہ دیا۔

"ہال بازار میں ہے"۔

"اچھا اچھا" بنگالی ٹیچر بولا۔

"وہ تو امرتسر کا بڑا بازار ہے بابا..... ہاں"۔

شیر خان نے کہا۔

"گپتا جی! مجھے نیند آرہی ہے..... میں تو سونے لگا ہوں"۔

"ضرور سو جاؤ بابو بھائی..... میں بھی آرام کرتا ہوں"۔

شیر خان وہیں کمبل کے اوپر شال اوڑھ کر لیٹ گیا..... بنگالی ٹیچر گپتا بابو بھی اپنی سیٹ پر بچھے ہوئے بستر پر لیٹ گیا۔

ساری رات گاڑی کا سفر جاری رہا۔

دوسرے دن گاڑی دوپہر کے بعد پنجاب کے زرخیز میدانی علاقے کے قریب پہنچ چکی تھی..... اس دوران شیر خان بے ضرر اور بے زبان سے بنگالی بوڑھے ٹیچر سے کافی گھل مل چکا تھا..... اسے اس غم زدہ بنگالی بوڑھے سے ہمدردی ہو گئی تھی..... سارا راستہ وہ شیر خان سے اپنی سور گباش بیٹی کی باتیں کرتا رہا تھا..... آخر یاتریوں کا یہ جتھہ ٹرین کے ساتھ امرتسر کے سٹیشن پر پہنچ گیا۔

جتھے کے لیڈر نے ڈبے سے تمام یاتریوں کو اتارنے کے بعد کہا۔

"ادھر تم سب لوگ ایک جگہ پلیٹ فارم پر بیٹھ جائے گا..... ہم پہلے جا کر جموں جانے والی لاری کا پتہ کرے گا..... لاری میں تم سب لوگوں کی سیٹیں بک کرائے گا، پھر ادھر سے لاری اڈے کو چلے گا..... اتنی دیر میں تم لوگ ادھر چائے وغیرہ پیئو"۔

دن ڈھل رہا تھا..... امرتسر کے پلیٹ فارم پر کافی رونق تھی..... تمام یاتریوں نے اپنا اپنا سامان پلیٹ فارم پر ایک جگہ رکھ دیا تھا..... جتھے کا لیڈر جموں جانے والی لاری کا پتہ کرنے چلا گیا تھا..... سب یاتری چائے وغیرہ پینے لگ گئے تھے۔

شیر خان بھی چائے کے ایک سٹال پر آگیا..... اسے دیکھ کر بنگالی ٹیچر بھی اس کے پاس آگیا، کہنے لگا۔

"کیدار بابو! تم میرے لئے بھی چائے کا کپ بنوالو..... میں باتھ روم سے ہو کر ابھی آتا ہوں"۔

شیر خان نے ٹی سٹال والے لڑکے سے کہا۔

"ایک چائے میرے لئے اور ایک چائے میرے ساتھی بابو جی کے لئے بناؤ"۔

سٹال والا گلاسوں میں چائے بنانے لگا..... اس نے ایک گلاس میں چائے ڈال کر شیر خان کے آگے رکھ دی اور دوسرے گلاس میں چائے ڈالنے کے بعد وہ گلاس بھی شیر خان کے پاس ہی رکھ دیا اور دوسرے گاہکوں کو بھگتانے میں لگ گیا..... شیر خان نے چائے کے دو گھونٹ پینے کے بعد احتیاط کے طور پر اپنے دائیں اور بائیں نگاہ دوڑائی..... اسے وہاں پولیس کے تین چار سپاہی کچھ دُور کھڑے ضرور نظر آئے مگر کوئی مشکوک آدمی نظر نہ آیا۔

شیر خان بڑا مطمئن تھا کہ یاتریوں کے ساتھ سفر کرنے کا تجربہ بڑا کامیاب رہا اور وہ کسی مشکل میں پڑے بغیر لکھنؤ یوپی کے علاقے سے گزر کر امرتسر پہنچ گیا ہے..... اسے پورا یقین تھا کہ اسی طرح وہ یاتریوں کے ساتھ جموں بھی پہنچ جائے گا..... وہ

چائے پیتے ہوئے سوچ رہا تھا کہ جموں پہنچتے ہی وہ کشمیر کی طرف روانہ ہو جائے گا تاکہ کمانڈوز ترابی سے مل کر ایک تو مجاہد شاہد علی کے بارے میں معلوم کرے کہ وہ پہنچا ہے یا نہیں اور دوسرے جہاد کشمیر میں شریک ہو جائے۔

شیر خان کے سامنے کاؤنٹر پر بنگالی ٹیچر کی چائے کا گلاس اسی طرح پڑا تھا..... وہ ابھی تک باتھ روم سے واپس نہیں آیا تھا..... شیر خان نے نظریں اٹھا کر سیکنڈ کلاس ویٹنگ روم کی طرف دیکھا..... بنگالی ٹیچر اسی ویٹنگ روم کے باتھ روم کا کہہ کر گیا تھا..... اچانک شیر خان ایک سیکنڈ کے لئے جیسے سکتے میں آ گیا..... اس نے دیکھا کہ سیکنڈ کلاس ویٹنگ روم کے باہر بنگالی ٹیچر دو پولیس کانسٹیبلوں کو لے کر چائے کے سٹال کی طرف بڑھ رہا تھا..... اس نے دُور سے اشارہ کر کے پولیس کے کانسٹیبل کو شیر خان کو دکھا بھی دیا تھا۔

دونوں پولیس کانسٹیبل تیز تیز قدموں سے شیر خان کی طرف آ رہے تھے..... شیر خان سب کچھ سمجھ گیا تھا، جس بوڑھے بنگالی کو وہ ایک بے ضرر سا بنگالی ٹیچر سمجھ رہا تھا وہی سی آئی ڈی کا آدمی تھا جو یاتریوں کے ساتھ یاتری بن کر جا رہا تھا اور جس نے شیر خان کی مخبری کر دی تھی..... شیر خان بجلی کی طرح تڑپ کر سٹال کی اوٹ میں آیا اور جتنی تیز دوڑ سکتا تھا دوڑتے ہوئے مسافروں کے سامان کے اوپر سے چھلانگیں لگاتا امرتسر سٹیشن کے پلیٹ فارم پر سیڑھیوں والے پل کی طرف اندھا دھند بھاگ رہا تھا، اسے اپنے پیچھے پولیس کانسٹیبل کی سیٹی کی آواز بھی آئی تھی اور ایسا شور بھی سنا تھا کہ جیسے اس کے تعاقب میں پولیس کے کچھ سپاہی دوڑتے آ رہے ہیں، مگر شیر خان نے ایک لمحے کے لئے بھی پیچھے مڑ کر نہ دیکھا..... وہ دیوانہ وار دوڑتا چلا گیا..... دوڑنے میں پولیس کے سپاہی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے..... وہ دوڑتے دوڑتے ریلوے یارڈ میں آ گیا تھا اور ریلوے یارڈ کی دیوار کی طرف ہو گیا تھا..... دیوار چھ سات فٹ اونچی تھی..... وہ اس پر سے دوسری طرف نہیں کود سکتا تھا..... خوش قسمتی سے ایک جگہ

دیوار کے ساتھ ریلوے لائن کے پتھروں کا ڈھیر لگا ہوا تھا..... شیر خان دوڑتے دوڑتے پتھروں کے ڈھیر پر چڑھ گیا اور بغیر دیکھے کہ دوسری طرف کیا ہے دیوار کے دوسری طرف کود گیا..... اس وقت تک شام کا اندھیرا کافی گہرا ہو چکا تھا..... شیر خان ایک چھابڑی والے کے اوپر گرا اور گرتے ہی اٹھا اور جس طرف اس کا منہ تھا اس طرف کافی لوگ آ جا رہے تھے..... شیر خان بائیں جانب ایک چھوٹی سڑک پر آ کر اندھا دھند بھاگنے لگا..... اسے اپنے پیچھے پولیس کی سیٹیوں کی آواز برابر آ رہی تھی..... پولیس اس کا پیچھا کر رہی تھی۔

کمانڈو شیر خان کو اتنا اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ جس طرف کو بھاگ رہا ہے اس طرف آگے جا کر سکھوں کی بستی سنگھ پورہ آ جاتی ہے جو قیام پاکستان سے پہلے امرتسر کے مسلمانوں کا گڑھ تھا اور جس کا نام شریف پورہ تھا..... وہ جس سڑک پر بھاگ رہا تھا، اس سڑک پر ہلکا ہلکا اندھیرا تھا..... اس اندھیرے سے فائدہ اٹھاتے ہوئے شیر خان سڑک کراس کر کے دائیں جانب ہسپتال کی دیوار کے پاس آ گیا..... دوڑنے کی بجائے اب وہ تیز تیز چل رہا تھا..... ایک جگہ ایک سیکنڈ کے لئے رُک کر اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا..... مدہم اندھیرے میں چھوٹی سڑک پر اسے کوئی سپاہی وغیرہ دکھائی نہ دیا..... پولیس کی سیٹیوں کی آواز بھی نہیں آ رہی تھی..... اس کے باوجود شیر خان نے ایک بار پھر ہسپتال کی دیوار کے ساتھ ساتھ دوڑنا شروع کر دیا۔

وہ جانتا تھا کہ پولیس کو اس کے بارے میں بنگالی مخبر نے بتا دیا ہے کہ یہ پاکستانی جاسوس کلکتے سے آ رہا ہے اور جموں جانے والا تھا اور امرتسر کی پولیس اور سی آئی ڈی ہوشیار ہو چکی ہو گی اور وائرلیس سیٹوں پر شہر میں گشت کرتی پولیس کے دستوں کو اطلاع کر دی گئی ہو گی اور شہر کے اندر اور شہر سے باہر جانے والے راستوں پر پولیس نے چیک پوسٹیں قائم کر دی ہوں گی..... اس وقت شہر سے باہر کسی ویران علاقے کی طرف نکلنے کی کوشش شیر خان کو پولیس کے ہاتھوں گرفتار کروا سکتی تھی..... اسے ان

باتوں کا کافی تجربہ ہو چکا تھا اور امرتسر بھارت کے بارڈر کا شہر تھا اور یہاں پولیس اور سی آئی ڈی کی بھاری نفری ہر لمحے شہر میں اور شہر کے اردگرد موجود رہتی تھی..... اس نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ شہر سے باہر جانے والی سڑکوں کی طرف جانے کی بجائے وہ ریلوے لائن کے ساتھ ساتھ چلتا جالندھر یا بٹالے کی طرف نکلنے کی کوشش کرے گا۔

ایک بار کمانڈو شیر خان اسی طرح ریلوے لائن کے ساتھ چلتا امرتسر سے بٹالہ تک جا چکا تھا جو امرتسر سے شاید چالیس میل کے فاصلے پر تھا..... ریلوے لائن کے ساتھ ساتھ سفر کرنے کا سب سے بڑا فائدہ یہ تھا کہ وہ پولیس کی چیک پوسٹوں سے بچ سکتا تھا..... اگر کوئی خطرہ تھا تو یہی تھا کہ کہیں ریلوے لائن پر بھی پولیس کا کوئی دستہ گشت نہ لگا رہا ہو، لیکن اس کا امکان بہت کم تھا..... شیر خان یہ سب کچھ سوچ بھی رہا تھا اور ہسپتال کی دیوار کے ساتھ لگا تیز تیز جا بھی رہا تھا..... ہسپتال کی دیوار جہاں ختم ہوتی تھی وہاں بائیں جانب ہسپتال کا بڑا گیٹ تھا..... وہاں روشنی ہو رہی تھی اور تین چار گاڑیاں بھی کھڑی تھیں..... شیر خان ان سڑکوں سے واقف تھا۔

وہ اندھیرے میں سے گزرتا سڑک پار کر کے سامنے کی طرف نکل گیا جہاں امرودوں کا باغ تھا..... اس باغ کی دوسری جانب ریلوے لائن تھی اور ریلوے لائن کے پار شریف پورے کی آبادی تھی جہاں اب سکھ شرنارتھی آباد تھے..... ریلوے لائن پر آنے کے لئے شیر خان کو ہر حالت میں ریلوے پھاٹک میں سے گزرنا پڑتا تھا..... دوسری جانب کچھ فاصلے پر سپیشل پولیس لائنز کی بارکیں تھیں جس طرف جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا..... شیر خان نے ریلوے پھاٹک کی طرف سے ریلوے لائن پر آنے کا فیصلہ کر لیا اور امرود کے باغ میں سے گزر کر ریلوے پھاٹک کے مغربی دیوار کے پاس نکل آیا جہاں دیوار کی دوسری جانب بنے ہوئے ریلوے کے سگنل کیبن کی روشنی آ رہی تھی۔

شیر خان کے سامنے ریلوے پھاٹک تک پہنچنے کے لئے دوسرا کوئی راستہ نہیں

تھا..... اسے ہر حالت میں اس سڑک کو روشنی میں کراس کرنا تھا..... وہ زیادہ دیر انتظار بھی نہیں کر سکتا تھا..... ایک تو شہر کی پولیس اس کی تلاش میں نکل چکی تھی دوسرے سپیشل پولیس کی بیرکیں قریب ہی تھیں..... یہ ناممکن تھا کہ سپیشل پولیس گارد کو ایک پاکستانی جاسوس کی اس علاقے میں موجودگی کی اطلاع نہ ملی ہو..... ریلوے پھاٹک شیر خان کے دیکھتے دیکھتے بند ہو گیا..... کوئی ٹرین آ رہی تھی..... پھاٹک بند ہو جانے سے ٹریفک رُک گئی اور سڑک پر دو کاریں اور ایک سکوٹر کھڑے ہو گئے..... شیر خان کو موقع مل گیا..... وہ باغ میں سے نکلا اور آٹو رکشا اور کاروں کی آڑ لیتا ریلوے پھاٹک کی ایک جانب بنے ہوئے تنگ راستے کے پاس آ گیا..... وہاں سے لوگ گزر رہے تھے..... کمانڈو شیر خان بھی لوگوں کے پیچھے وہاں سے گزر گیا اور لائن کراس کرنے کی بجائے ریل کی پٹڑی کے ساتھ اس طرف چلنے لگا جہاں آگے جا کر ریل کی ایک پٹڑی بٹالہ گورداسپور کی طرف مڑ جاتی تھی..... ابھی وہ چند قدم ہی چلا تھا کہ پیچھے سے اسے کسی نے آواز دی۔

"ٹھہر جاؤ"۔

کمانڈو شیر خان نے پیچھے مڑ کر دیکھا دو پولیس کے سپاہی اس کی طرف چلے آ رہے تھے..... ان میں سے ایک سکھ تھا..... شیر خان کے رکنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا..... اس نے ٹھہرنے کی بجائے اپنی رفتار تیز کر دی..... عین اس وقت سامنے سے یعنی بٹالے کی طرف سے ایک ٹرین آ گئی..... انجن کی ہیڈ لائٹ کی اس پر روشنی پڑی تو شیر خان نے لائن کے دوسری طرف چھلانگ لگا دی..... اس وقت ٹرین کا انجن شیر خان سے زیادہ دور نہیں تھا..... ٹرین بٹالے والے ریلوے کے موڑ پر سے اچانک نمودار ہو کر سامنے آ گئی تھی.....

کمانڈو شیر خان جانتا تھا کہ یہ سپاہی اسے چھوڑنے والے نہیں ہیں اور جیسے ہی ریل گاڑی گزر گئی یہ اس کو گرفتار کر لیں گے، چنانچہ وہ ریلوے لائن کے ساتھ ساتھ

بھاگنے کی بجائے ریلن کی پٹڑی سے اتر کر سامنے شریف پورے کی آبادی میں گھس گیا..... وہ ایک پکی گلی میں آ گیا تھا جہاں کمیٹی کی بتی کی روشنی میں کچھ لڑکے کھیل رہے تھے..... شیر خان ان کے قریب سے تیز تیز چلتا نکل گیا..... وہ دوسری گلی میں داخل ہوا ہی تھا کہ اسے اپنے پیچھے سپاہیوں کی سیٹیوں کی آوازیں سنائی دیں۔

کمانڈو شیر خان کو اب کسی جگہ فوراً چھپ جانا چاہئے تھا..... بھاگنے سے اس کا پکڑا جانا یقینی تھا..... اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے اور کیا نہ کرے..... اس نے گھبراہٹ میں پیچھے مڑ کر دیکھا..... سپاہی ابھی اس گلی میں داخل نہیں ہوئے تھے۔

ایک مکان کے باہر گائے بندھی ہوئی تھی..... مکان کی ڈیوڑھی کا آدھا دروازہ کھلا تھا اور ڈیوڑھی میں سے روشنی باہر آ رہی تھی..... شیر خان بغیر یہ سوچے کہ یہ کس کا مکان ہے اور ڈیوڑھی میں کیا ہے وہ ڈیوڑھی میں داخل ہو گیا..... ڈیوڑھی خالی تھی، ایک راستہ مکان کے اندرونی صحن کو جاتا تھا..... ایک زینہ دیوار کے ساتھ اوپر جا رہا تھا..... شیر خان صحن کی طرف جانے کی بجائے زینے میں آ کر چھپ گیا..... زینے میں اندھیرا تھا..... وہ دو تین سیڑھیاں چڑھ کر ایک طرف اندھیرے میں سمٹ کر بیٹھ گیا تھا..... ڈیوڑھی کے آدھے کھلے دروازے میں سے باہر گلی نظر آ رہی تھی..... اس کا خیال تھا کہ اگر سپاہی گلی میں داخل ہوئے تو وہ آگے نکل جائیں گے..... جیسے ہی وہ آگے جائیں گے وہ یعنی شیر خان مکان میں سے چپکے سے نکل کر پیچھے کی طرف فرار ہو جائے گا۔

لیکن ایسا نہ ہوا..... دونوں سپاہی مکان کے آگے آ کر رُک گئے..... کمانڈو شیر خان کو دونوں سپاہیوں کی ٹانگیں اور بوٹ نظر آ رہے تھے..... شیر خان اپنی زندگی کے نازک لمحات میں سے گزر رہا تھا..... اس کا دماغ انتہائی تیزی سے سوچ رہا تھا، مگر یہ سوچنے کا وقت نہیں تھا..... یہ کچھ نہ کچھ کر گزرنے کا وقت تھا..... اسے کچھ معلوم نہیں تھا کہ اوپر کیا ہے..... کون ہے، اتنے میں ڈیوڑھی میں لگی ہوئی گھنٹی زور سے بج

اٹھی..... مکان کے باہر سے سپاہی نے گھنٹی کا بٹن دبایا تھا..... شیر خان دبے پاؤں زینہ چڑھ کر اوپر چلا گیا تھا..... اوپر والی منزل کا دروازہ بند تھا..... شیر خان نے اسے آہستہ سے اپنی طرف کھینچا مگر دروازے کو دوسری طرف سے کنڈی لگی ہوئی تھی۔

ڈیوڑھی کی گھنٹی ایک بار پھر بج اُٹھی..... شیر خان کو ڈر تھا کہ اگر نیچے سے کوئی ڈیوڑھی میں نہ گیا تو پھر اوپر والی منزل سے کوئی نہ کوئی ضرور دروازہ کھول کر نیچے جائے گا اور شیر خان وہیں دروازے کے پاس کھڑا تھا..... اس نے اندھیرے میں دیکھا کہ ایک طرف دیوار میں سے تنگ زینہ اوپر مکان کی چھت کو بھی جا رہا تھا..... اس کے ساتھ ہی کسی کے دروازے کی طرف آنے کی آواز آئی..... شیر خان جلدی سے دوسرے زینے کی سیڑھیاں چڑھ کر چھت کے دروازے کے پاس جا کر رُک گیا..... یہ دروازہ بند تھا مگر اس کی کنڈی اندر ہی سے لگی ہوئی تھی..... ایک آدمی کی بھاری آواز سنائی دی۔

"آ رہا ہوں بھائیا..... کیوں بار بار گھنٹی بجا رہے ہو"۔

دوسری منزل کے زینے کا دروازہ کھلا..... زینے پر ہلکی سی روشنی پڑی اور اس روشنی میں شیر خان نے ایک سکھ سردار جی کو نیچے اترتے دیکھا..... شیر خان نے دروازے کی کنڈی اتاری..... دروازہ آرام سے تھوڑا سا کھولا اور چھت پر آ کر دروازے کو بند کیا اور دبے پاؤں چل کر چھت کی گلی والی منڈیر کے پاس آ کر بیٹھ گیا..... اس نے اندھیرے میں ذرا سی گردن آگے کر کے نیچے دیکھا۔

گلی میں مکان کے دروازے کے سامنے جو سکھ سردار مکان کا زینہ اتر کر گیا تھا وہ پولیس کے دونوں سپاہیوں کے پاس کھڑا ان سے باتیں کر رہا تھا، جس وقت کمانڈو شیر خان نے انہیں اوپر سے دیکھا تو سکھ سردار ایک سپاہی کو کہہ رہا تھا۔

"ہمارے مکان پر تو ایسا کوئی آدمی نہیں آیا..... آگے جا کر دیکھیں آگے کسی مکان میں نہ چلا گیا ہو"۔

سکھ سپاہی نے کہا۔

"ہمارا شک ہے سردار جی کہ وہ اسی مکان میں داخل ہوا ہے"۔

سردار جی بولے۔

"اگر آپ لوگوں کو شک ہے تو اندر چل کر مکان کی تلاشی لے لیں..... گھر میں میرے سوا اور کوئی نہیں ہے"۔

چھت پر منڈیر کے ساتھ لگ کر بیٹھے شیر خان نے یہ مکالمہ سنا تو سوچنے لگا کہ اب کیا کرنا چاہئے..... اس نے سر ذرا سا آگے کر کے نیچے گلی میں دیکھا..... دونوں سپاہی مکان کے مالک کے ساتھ مکان کی ڈیوڑھی میں داخل ہو رہے تھے۔

یہ یقینی بات تھی کہ مکان کی تلاشی میں مکان کی چھت بھی شامل تھی اور دونوں سپاہی اس کی تلاش میں مکان کی چھت پر بھی ضرور آنے والے تھے..... شیر خان اٹھ کر دبے دبے قدموں سے چلتا چھت کی دوسری دیوار کے پاس آیا..... یہ دیوار چار فٹ کے قریب اونچی تھی..... اس نے دوسری طرف جھانک کر دیکھا..... دوسری چھت بھی اندھیرے میں خالی پڑی تھی..... وہ آہستہ سے دوسری چھت پر اتر گیا اور قدموں کی آواز پیدا کئے بغیر اس چھت پر سے بھی گزر کر اس کی دیوار پر سے تیسرے مکان کی چھت پر کود گیا..... یہ مارچ اپریل کے دن تھے اور دو ایک روز پہلے امرتسر میں بارش ہو چکی تھی جس کی وجہ سے رات کو سردی ہو جاتی تھی اور چھتوں پر لوگوں نے ابھی رات کو سونا شروع نہیں کیا تھا..... وہ تیسرے مکان کی چھت پر اس طرح کودا تھا کہ آواز پیدا نہ ہو..... چھت پر اندھیرا تھا..... گلی میں کمیٹی کے لیمپ کی روشنی ہو رہی تھی۔

شیر خان کو گلی میں لوگوں کی آوازیں سنائی دیں..... اس نے دبے پاؤں منڈیر کے پاس آ کر گلی میں جھانک کر دیکھا..... یہ دیکھ کر اسے مزید پریشانی ہوئی کہ گلی میں اب پولیس کے چھ سات سپاہی موجود تھے اور کچھ لوگ بھی مکانوں سے نکل کر ان کے پاس آ کر باتیں کرنے لگے تھے..... اس کا مطلب تھا کہ پولیس نے گلی کا محاصرہ کر لیا ہوا تھا..... ضرور کسی سپاہی نے شیر خان کو مکان کی ڈیوڑھی میں داخل ہوتے ہوئے دیکھ لیا

تھا..... شیر خان نے سوچا کہ جتنی جلدی ہو سکے اس گلی سے نکلنے کی کوشش کرنی چاہئے ورنہ وہ پولیس کے ہتھے چڑھ جائے گا۔

یہ گلی بائیں جانب یعنی جس طرف ریلوے لائن تھی اس طرف بند تھی اور دائیں جانب گھوم کر ایک اور گلی کے ساتھ مل گئی تھی..... کچھ عورتیں ایک مکان کے باہر بیٹھی باتیں کر رہی تھیں..... شیر خان تیزی سے ان کے قریب سے گزر گیا..... یہ عورتیں اس کی گواہ بن گئی تھیں..... وہ پولیس کے پوچھنے پر بتا سکتی تھیں کہ انہوں نے ایک اجنبی شخص کو تیز تیز قدموں سے جاتے دیکھا ہے..... اس لحاظ سے شیر خان کے لئے ضروری ہو گیا تھا کہ وہ شریف پورے کے اس سارے علاقے سے ہی نکل جائے، وہ جس گلی میں سے گزر رہا تھا وہ آگے جا کر شریف پورے کے بڑے بازار میں مل جاتی تھی..... بازار میں دکانیں کھلی تھیں اور خوب روشنی ہو رہی تھی..... شیر خان کسی کی طرف دھیان دیئے بغیر جلدی جلدی بازار میں سے گزر گیا..... اب وہ جی ٹی روڈ پر تھا۔

اتفاق سے شیر خان جی ٹی روڈ کے ایک بس سٹاپ پر نکلا تھا جہاں ایک بس پیچھے سے آ کر ابھی ابھی کھڑی ہوئی تھی اور کنڈکٹر آواز لگا رہا تھا۔

"ٹیشن..... دائم گنج..... ٹیشن دائم گنج"۔

یہ بس کمانڈو شیر خان کو اس علاقے سے دُور لے جا سکتی تھی..... شیر خان جلدی سے بس میں داخل ہو گیا..... بس میں ہندو سکھ مسافر بیٹھے تھے..... شیر خان نے وہی بنگالی طرز کا کھدر کا کرتہ پاجامہ پہن رکھا تھا..... یہ ہندوانہ لباس بھی تھا..... وہ ایک خالی سیٹ پر بیٹھ گیا..... کنڈکٹر نے بس کی دیوار پر ہاتھ مار کر کہا۔

"چلو جی چلو"۔

اور بس سٹیشن کی طرف چل پڑی..... بس شریف پورے کے علاقے سے نکل کر ریلوے کے پل پر سے گزرتی ہوئی اس سڑک پر آ گئی جو سیدھی امرتسر ریلوے سٹیشن کو جاتی تھی..... بس ریلوے سٹیشن کے سٹاپ پر رُکی تو کمانڈو شیر خان نے اپنا سر نیچے

کر لیا اور اپنے کرتے کے دامن سے یونہی اپنی آنکھیں صاف کرنے لگا۔

سٹیشن پر اسے خطرہ تھا کہ پولیس اور انٹیلی جنس کے آدمی بھاری تعداد میں وہاں منڈلا رہے ہوں گے..... بس میں سے کافی مسافر اتر گئے..... کچھ مسافر سوار ہو گئے..... بس آگے دائم گنج کی طرف روانہ ہو گئی..... دائم گنج قیام پاکستان سے پہلے امرتسر کی مسلمان آبادی تھی..... پاکستان بننے کے بعد یہاں کے مسلمان بھی پاکستان ہجرت کر گئے اور یہاں پر زیادہ تر سکھ شرنارتھی آباد ہو گئے تھے..... دائم گنج کی طرف شیر خان اس لئے چل پڑا تھا کہ وہ شریف پورے اور زیلوے سٹیشن کے خطرناک علاقے سے دُور نکل جانا چاہتا تھا..... ان علاقوں میں اس کے پکڑے جانے کا خطرہ ہر لحہ موجود تھا..... اگر اس وقت اسے کوئی بس جالندھر کی طرف جاتی ہوئی مل جاتی تو وہ اس میں بھی سوار ہو جاتا، لیکن اتفاق سے اسے جو بس ملی وہ سٹیشن اور آگے دائم گنج کی طرف جا رہی تھی، چنانچہ وہ اسی میں سوار ہو گیا۔

بس دائم گنج پہنچ کر رُک گئی۔

کچھ مسافر یہاں اترے..... کمانڈو شیر خان بھی ان کے ساتھ ہی اتر گیا اور جو بازار سامنے نظر آیا اسی میں چل پڑا..... یہ شروع رات کا وقت تھا..... بازار میں کچھ دکانیں بند تھیں..... کچھ کھلی تھیں..... اچانک شیر خان کی ایک سینما ہاؤس پر نظر پڑی..... وہاں کسی بھارتی فلم کا بہت بڑا رنگین بورڈ لگا تھا جس کے گرد چھوٹے چھوٹے سرخ اور نیلے قمقمے جل رہے تھے..... شیر خان اس سینما ہاؤس کے اندر کم از کم رات کا آدھا حصہ گزار سکتا تھا..... وہ سینما ہاؤس کی لابی میں آ گیا..... ٹکٹ والی کھڑکی کھلی ہوئی تھی..... اس نے فسٹ کلاس کا ایک ٹکٹ لیا اور ہال میں جا کر بیٹھ گیا..... بھارتی فلم شروع تھی..... فسٹ کلاس میں کافی لوگ بیٹھے تھے۔

شیر خاں اندھیرے اور کچھ روشنی میں ٹٹول ٹٹول کر پیچھے دیوار کے ساتھ والی ایک سیٹ پر بیٹھ گیا..... جب وہ آرام سے بیٹھ گیا تو اس نے ہال پر ایک اچٹتی ہوئی نظر

ڈالی..... درمیانے درجے کا سینما ہاؤس تھا..... ہال کی اکثر سیٹیں خالی تھیں..... جہاں وہ بیٹھا تھا وہاں کچھ نشستیں چھوڑ کر ایک عورت اکیلی بیٹھی فلم دیکھ رہی تھی..... شیر خان اپنی سیٹ پر بڑا محتاط ہو کر بیٹھا تھا اور تھوڑی تھوڑی دیر بعد سینما ہاؤس کے دروازوں کی طرف دیکھ لیتا تھا کہ وہاں سے کوئی پولیس والا تو اس کی تلاش میں اندر نہیں آ گیا..... فلم ختم ہو گئی تو سینما ہال کی بتیاں روشن ہو گئیں..... کمانڈو شیر خان اپنی سیٹ پر نیم دراز ہو گیا تاکہ وہ لوگوں کی نظروں میں نہ آئے۔

ہال میں بیٹھے ہوئے کافی لوگ اٹھ کر چلے گئے، مگر فسٹ کلاس اور سیکنڈ کلاس میں کچھ لوگ بیٹھے رہے..... معلوم ہوا کہ اس سینما ہاؤس میں پہلے شو سے لے کر آخری شو تک ٹکٹ کھلے رہتے ہیں، جس کا جس وقت جی چاہے ٹکٹ لے کر ہال میں بیٹھ سکتا تھا..... شیر خان سے تین چار سیٹیں چھوڑ کر جو عورت بیٹھی تھی فلم ختم ہونے کے بعد وہ بھی بیٹھی رہی..... پکوڑے اور روٹی بیچنے والا ایک لڑکا شیر خان کے قریب سے گزرا تو اس نے لڑکے سے دو روٹیاں اور پکوڑے لئے اور خاموشی سے کھانے لگا..... اسے بڑی بھوک لگ رہی تھی..... سینما ہال میں خوب روشنی ہو رہی تھی..... اس روشنی میں شیر خان نے ایک بار پکوڑوں کے ساتھ روٹی کھاتے کھاتے تین چار سیٹیں چھوڑ کر بیٹھی ہوئی عورت کی طرف دیکھا تو وہ یہ دیکھ کر ایک دم محتاط ہو گیا..... عورت پہلے ہی سے اسے دیکھ رہی تھی..... رات کے آخری شو کے لئے لوگوں نے ہال میں آنا شروع کر دیا تھا۔

شیر خان ایسے حالات میں پھنس چکا تھا کہ جو کوئی بھی اسے نظر بھر کر دیکھتا تھا اسے اس پر شک ہو جاتا تھا کہ کہیں وہ انٹیلی جنس کا آدمی نہ ہو..... فلم شروع ہونے سے پہلے ایک گھنٹی بجنے لگی..... شیر خان نے کنکھیوں سے اس عورت کی طرف دیکھا..... وہ عورت فسٹ کلاس کے گیٹ کی طرف دیکھ رہی تھی اور کچھ بے چین سی نظر آ رہی تھی..... شیر خان نے گیٹ کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھا ابھی فلم شروع نہیں

ہوئی تھی اور ہال کی بتیاں روشن تھیں..... شیر خان کچھ گھبرا سا گیا..... اس نے دیکھا کہ فسٹ کلاس کے گیٹ پر ایک پولیس کانسٹیبل گیٹ کیپر سے باتیں کر رہا تھا..... گیٹ کیپر نے اس طرف اشارہ کیا جہاں شیر خان بیٹھا تھا..... پولیس کانسٹیبل جو وردی میں تھا اس کی طرف بڑھا..... کمانڈو شیر خان کے بدن میں ایک سنسناہٹ سی دوڑ گئی..... وہ اٹھ کر بھاگ نہیں سکتا تھا..... فسٹ کلاس کا صرف وہی ایک دروازہ تھا جدھر سے پولیس کانسٹیبل اس کی جانب آ رہا تھا..... پھر ایسا ہوا کہ اچانک تین سیٹیں چھوڑ کر بیٹھی ہوئی عورت اٹھ کر کمانڈو شیر خان کے پاس آ بیٹھی اور اس کا ہاتھ تھام لیا..... شیر خان نے گھبرا کر اس کی طرف دیکھا..... عورت خوبصورت اور جوان تھی..... اس نے شیر خان سے کہا۔

"چپ چاپ بیٹھے رہو..... کسی بات کا جواب نہ دینا..... اتنے میں پولیس کانسٹیبل کمانڈو شیر خان کے سامنے آ گیا"۔

سینما ہاؤس میں ملنے والی عورت کون تھی؟ جانباز مجاہد کے ساتھ کیا حالات پیش آئے۔ یہ جاننے کیلئے "کشمیر کے شاہین" کی تیسری اور آخری جلد "ٹارگٹ سری نگر" پڑھیں۔